

DATA ENTERED

ہر نقطہ نگاہ
سے معیارِ زندگی بلند
کرنے کیلئے بیدار و لچپا اور
دیدِ زیب کتابیں خاص اہتمام سے
شائع کی جا رہی ہیں۔ آپ
انہیں پہلی فرصت میں خرید کر
اپنی لائبریری کی زینت
بنائیں۔

اپنے محبوب
عظیم الشان ادارہ
”دارالبلغ“

لاہور

کی مستقل سرپرستی
فرمانا شانستہ ادب
کے بہرہی خواہ کا
اولیں فرض ہے

پیشکش اور معیاری کتابیں شائع کرنے والا ادارہ

میری لائبریری - جوک سنار (انارکلی) لاہور - ۸

وجہ تالیف

از

خواجہ بدرالسلام فروغی

چند روز ہوئے ایک عزیز دوست سے ملنے صبح کی گاڑی لاہور سے قندور گیا
وہ میلانے وجہ میں سما ہوا۔ اس میں درمیانہ وجہ کا نیا ڈبہ بڑا خوبصورت اور
آرام دہ لگایا گیا ہے میں اسی میں بیٹھا۔ ایک ریلوے ملازم بھی جو میرا واقف تھا۔ اسی
ڈبہ میں آ بیٹھا۔ معلوم ہوا کہ راتے منڈ میں ان کے ایک دوست نے چند ریلوے ملازمین
کے کاموں کی دعوت دے رکھی ہے گاڑی چلنے میں ابھی چند منٹ باقی تھے کہ ان صاحب
کے پانچ چھ احباب بھی آپہنچے اور اسی ڈبے میں در آئے حالانکہ ان کے پاس تیسرے
درجے کے ٹکٹ تھے۔ گاڑی چلی تو باتیں شروع ہوئیں۔ ایک صاحب نے کہا کہ
خوبصورت نئے ڈبے آئے ہیں مگر یہاں کے بعض بے شعور لوگوں نے ان ڈبوں
کو خراب کر کے بہانہ اور ریلوے کو نقصان پہنچا یا ہے۔ ایک اور صاحب بصلے
پٹکھوں کے سوچ توڑ دیتے ہیں اور پٹکھوں کو بھی غلط انداز سے ہاتھ ڈال کر کھا کر دیا

جسے تیسرے صاحب نے کہا لوگوں کی عادات بالکل خراب ہیں۔ زندگی میں نظم و نسق کا فقدان ہے۔ لوگ قانون کا بھی احترام نہیں کرتے۔ انہیں کے ساتھ ہی نے برسرے واقف تھے چرتہ فقرہ چست کیا۔ فریڈ نے لگے اسی نے تیسرے صاحب کے ٹکڑے لے کر وہ میلے درجے میں آپ حضرات تشریف فرما ہیں۔ خود را فضیحت اور دیگران را نصیحت۔ یہ سن کر ایک زور دار قبضہ ہٹا اور وہ نکتہ چین حضرات گھسیاتی بلی کی طرح منہ بسور نے لگے۔

میں خاموش بیٹھا یہ سب تماشا دیکھ رہا تھا اور مدیج رہا تھا کہ آج ہماری قوم کا ہر فرد نکتہ چین بنا ہوا ہے مگر حجب ہر فرد خود غلط کارہم تو وہ سول کو بڑا اہل لکھنے سے کیا حاصل۔ ضرورت تو اس بات کی ہے کہ ہر شخص اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کا جائزہ لے اور قوت ارادی سے کام لے کر ان پر قابو پانے کی مدد سے لائیکر شش کرے۔ حکیم الامت علامہ اقبال نے کیا خوب فرمایا ہے۔

بینی جہاں را خود را نہ بینی

تا چند نادان غافل نشینی

یعنی دنیا جہاں کی خامیوں کو دیکھتا ہے مگر خود اپنی خامیوں کو نہیں دیکھتا۔ اسے نادان تو کہہ سکتے ہیں غافل بیٹھا رہے گا۔ کاش ہر شخص لمحات فرصت میں اپنی گھات میں بیچھ کر اپنا محاسبہ کر سکتا اور اپنی ایک ایک کمزوری کو اپنی شخصیت سے نکال باہر کھینکتا۔ اسی طرح جیسے ہم اپنے تانہ بارغ کی سبز پوش زمین سے ہر ایک تکلیف وہ کنکر اور پھیننے والا نازہ نکال باہر کھینکتے ہیں۔ کاش ہر اپنی ہستی ناپائیدار کے دامن کو صرف خوب بیوں اور نیکیوں ہی کے پھولوں سے بھر سکتے

ایک اعتبار سے اعمال و افعال کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔
 حقوق العباد اور عبادات۔ ہمارے معاشرے میں اکثریت تو ایسے لوگوں کی ہے جو ان
 دونوں صفات سے عاری ہیں اور جو اچھے لوگ ہیں وہ اگر حقوق العباد کا خیال
 رکھتے ہیں تو عبادات سے منہ موڑے ہوئے ہیں اور جو عبادات و ریاضات میں
 کوشاں ہیں وہ حقوق العباد کی ادائیگی میں کمزور ہیں۔ حالانکہ ضرورت اس بات کی
 ہے کہ ہم میں یہ دونوں صفات بیک وقت موجود ہوں۔

ایک مقولہ ہے کہ اپنے کام کا ہر کوئی چمکے ہوئے ہے۔ گویا جو شخص جس پیشے میں
 مصروف ہے اس میں وہ دیانت دار اور مخلص نہیں ہوتا، اور ہمیشہ ہی زندگی کا وہ
 پہلو ہے جس کا دوسروں یعنی معاشرے سے تعلق ہے۔ ہمارے اسی کمزوری کا نتیجہ ہے
 کہ ہمارا معاشرہ اندر ہی اندر زحمت اور مصیبت میں مبتلا ہے۔

ان کمزوریوں کے علاوہ مادہ پرست یورپ و امریکہ اور لادین روس و چین
 کے مادی غلبے نے بھی خصوصیت کے ساتھ ہماری تہذیب اور جنسی زندگی پر زبرد
 بڑا اثر ڈالا ہے۔ آج کا تعلیم یافتہ نوجوان منہ سے تو خدا کی ہستی کو مانتا ہے مگر دل
 سے اس حقیقت ثابتہ پر یقین نہیں رکھتا اور نہ حیات بعد از موت کا صدق دل
 سے قائل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یورپ کی تہذیبی قدیں درجہ بدرجہ رواج پا کر ہماری
 جڑوں کو کھوکھلا کر رہی ہیں اور یہ جنسی طغیان اور معاشرے میں مار دھاڑ کی کیفیت
 اسی وجہ سے ہے۔

(قرون اولیٰ میں اسلام ایک زندہ تحریک تھی اس تحریک کے علمبردار خدا کی ہستی
 پر کامل یقین رکھتے تھے۔ موت کے بعد ابدی زندگی کی صداقت پر ایمان کا ایمان

تھا بشر و نشر اور مدد بخشت کہ وہ دل سے ملتے تھے یہی وجہ تھی کہ ان کی زندگی
 مثالی تھیں۔ وہ اس ناپائیدار زندگی کی حقیقت کو خوب سمجھتے تھے۔ موت کا سچا
 نقشہ زندگی اور بھرپور زندگی میں بھی ان کے قلب و ذہن پر ثبت رہتا تھا۔
 اگر اسی تصور حیات کو ہم زندگی میں ہماری و ساری رکھ سکیں تو شاید ہم سے بہت
 ہی کم غلطیاں سرزد ہوں۔ اور موت کے وقت ہمیں زیادہ پریشان نہ ہونا پڑے۔
 زیر نظر کتاب اسی پاکیزہ جذبے کے پیش نظر مرتب ہوئی ہے تاکہ قارئین
 کرام پر اس کے مطالعہ سے عبرت و فکر کی نئی راہیں کھل سکیں۔ نا سمجھ انسان زندگی
 کے چکر میں پھنس کر وہ نپائے دہوں کی الجھنوں میں کھنکھرتا رہتا ہے۔ یہاں کتاب اور ان نکت
 کی آنکھیں کھول دے گی اور قارئین زندگی کی اتھاہ کو پاسکیں گے۔ مشاہیر اسلام کی
 زندگی کے اس حصے پر بطور خاص روشنی ڈالی گئی ہے جب ان کی زندگی کا چرخ
 گل ہو رہا تھا اس وقت کے احساسات و خیالات کو اس خوبی سے پیش کیا گیا ہے
 کہ قارئین اپنے حالات و ماحول سے تقابل کر کے زندگی کی بہتر قدیں معین کر سکیں گے
 مشہور و نامور مصنف جناب عبدالرحمان طارق ولی شکر یہ کے مستحق ہیں کہ
 انہوں نے میری درخواست پر بڑی ہی کاوش اور عرق ریزی سے یہ نہایت درجہ مفید
 کتاب تالیف فرمائی ہے۔ خدا کرے اسے قبول عام حاصل ہو اور تعلیم یافتہ صحاب
 اس سے پورا پورا فائدہ اٹھا سکیں۔

دارالبلغ • لاہور

سانچہ موت

قرآن و حدیث کی روشنی میں

موت اس قدر تلخ و ناگوار حقیقت ہونے کے باوجود اسی وقت سے موجود ہر فرد مصروف عمل ہے جب سے روئے زمین پر سمیٹا آدم ہوا، اور نسل انسانی اقصائے عالم میں پھیلنے لگی۔ اس کا دستِ تصرف بادشاہ اور فقیر، امیر و غریب، طاقتور اور کمزور، حاکم اور محکوم، ظالم اور مظلوم، مومن اور کافر، متقی اور فاسق، سچی کہ سنچیر اور امانتی سمجھی پر پوری قوت و توانائی سے حاوی رہا ہے، اور کوئی بھی اس کی اٹل گرفت سے راہِ گزیر اختیار نہیں کر سکا۔ ہاں اتنا فرق ضرور ہے کہ بنی نوع انسان ہیں سے کسی نے تو موت کو بہر حال ایک یقینی اور ناقابلِ مقاومت حقیقت سمجھ کر اسے کبھی فراموش نہ ہونے دیا، اس کی آمد سے پیشتر زیادہ سے زیادہ توشہِ عقوبتی فراہم کیا، لہذا جب وہ آئی تو جراتِ بے باکی اور خندہ پیشانی سے اس کا استقبال کیا، اور اس انداز میں کیا جیسے برسوں سے اس کا منتظر تھا اور اس صورتِ حال کے برعکس کسی نے

اس کی آمد کے آثار دیکھتے ہی ماویلا اور پیچ و پکار شروع کر دی، اضطراب اور خوف و ہراس کی شدت میں موت کے جھگڑے سے نجات پانے کی تمام ممکن تدابیر اختیار کیں، حتیٰ کہ اس مقصد کے لئے اوجھے اور ظالمانہ حربے بھی استعمال کئے، لیکن ہر پہلو سے شکست فاش ہوئی، اور آخر اسے موت کے فولادی پنجے نے دبوج ہی لیا۔ ایسے لوگوں کے خوف و ہراس اور اضطراب و اکراہ کی وجہ کیا تھی؟ یہی کہ انہوں نے موت کو ایک اٹل حقیقت سمجھتے ہوئے بھی اسے دیدہ و دانستہ فراموش کئے رکھا، اور اس کی آمد سے پیشتر اعمال صالحہ کا کوئی ایسا ذخیرہ فراہم نہ کیا ہوا نہیں سکر۔ موت اور مابعد کی تکلیفوں اور ذمہ داریوں سے محفوظ و معصوم رکھنا۔

اس کتاب میں آپ اسی دائمی اور ابدی حقیقت کے مختلف عوامل و کوائف ملاحظہ فرمائیں گے، جو ایک ٹھوس اور تعمیری مقصد کے حامل ہیں۔ اس ضمن میں سب سے پہلے قرآن حکیم کی چند آیات و درج کی جاتی ہیں، جو موت سے متعلق عبرت و معرفت اور پند و نصیحت کا عظیم سرمایہ لئے ہوئے ہیں:-

موت کا ذکر قرآن حکیم میں

کیا تم لوگ اس غلط فہمی اور خام خیالی میں مبتلا ہو کر
 ہم نے تمہیں روٹیاں ابے مقصد اور بے نتیجہ پیدا کیا
 ہے اور تم لرزد محسوس ہمارے ہی جانب نہیں لوگ
 جاؤ گے؟

الْحَسْبُ لَكُمْ اللَّهُمَّا خَلَقْنَاكُمْ
 عَبَثًا وَأَنْتُمْ عَلَيْنَا
 لَا تَرْجِعُونَ
 (پ: ۶۰)

وَمَا هُوَ إِلَّا حَرِيصٌ عَلَىٰ مَن
أَعْتَدَ لِبَنِي إِسْرَائِيلَ
وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ

رہا : ۱۰۰ (۱)

مروے وہی ہلائے۔ اور محض اتنی طویل عمر سے
دیا جاتا تھا سے غنا ب الہی سے نہیں بچا سکتا اور
اللہ تعالیٰ خوب دیکھ رہا ہے کچھ کم کرتے ہوئے

قُلْ إِنَّ الْمَوْتَ الَّذِي ذُكِّرْتُمْ
وَهُوَ قَائِمٌ عَلَيْهِمْ كَوْرِيًّا وَيَوْمَ ذِ
بُرِّجُوا عَنِ الْأَعْمَالِ أَلَمْ يَعْلَمُوا
وَلَيْسَ لَهُمْ فِيهَا كِتَابٌ يُعْهَدُونَ

رہا : ۱۰۰

اے نبی پہلا شہ علیہ وسلم ان لوگوں سے کہئے کہ دوبارہ
میتھیں وقتا طویل میں ہر سنت ہو کہ جس موت سے تم
بھاگ رہے ہو وہ ایک دن ایک دن ضرور تمہیں
منظور کیا جائے گی۔ بعد ازاں تم سب ہر غائب اور موجود
کے عالم کی جانب منائے جانگے اور وہ تمہیں آگاہ
کرے گا کہ تم دنیا میں کیا کچھ کرتے تھے۔

اے لوگو! اس ملازم سے جو تم نے تمہیں دے رکھا ہے
فی سبیل اللہ خرچ کرنا اس سے پیشتر کہ تم میں سے کسی شخص
کے پاس موت آئے اور روح واپس لیا وہ کہنے لگے کہ
اے پروردگار! کاش! تو مجھے کچھ عرصے کیلئے موت
دے کر میں اس کے دوران مصلوہ خیرات کروں اور تیرے
نیک بندوں میں شامل ہو جاؤں " اور حقیقت یہ ہے
کہ جب کسی شخص کے اعمال موت آجاتی، تو اللہ تعالیٰ

وَأَيُّكُمْ مِمَّن ذُكِّرُوا وَلَمْ يَتُوبُوا
فَبِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ وَاللَّهُ
بِعَمَلِهِمْ شَرِيدٌ وَلَوْلَا إِحْسَانُ
رَبِّكَ أَجَلٌ لَّكَ لِيُفَاصِدَكَ
وَأَنَّكَ مِنَ الْفَاسِقِينَ وَاللَّهُ
بِأَعْيُنِنَا إِنْ جَاءَنَا جَاهِلُونَ

اسے ہرگز جہالت نہیں دیا کرتا، اور اللہ تعالیٰ تمہارے
اعمال سے اچھی طرح باخبر ہے۔

وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ
رَبِّهَا ۱۴۸

موت کا ذکر احادیث نبوی میں

آیات قرآنی کے بعد احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ ہے جو وضاحت مطالبہ قرآن
کے لئے تفسیر و تشریح کا حکم رکھتی ہیں۔ لہذا اب ارشادات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
سے ایک ایسا مختصر سا انتخاب پیش کیا جاتا ہے جو سانحہ موت کے اطمینان اور تادیبی موعظہ
کو اجاگر کرے۔ ذیل کی احادیث بغور ملاحظہ ہوں۔

میت کے ساتھ تین چیزیں جاتی ہیں۔ اس کے لواحق،
اس کا مال۔ اور اس کے اعمال۔ پس ربيع و فن و او
چیزیں تو واپس آجاتی ہیں اور ایک پیچہ رہ جاتا ہے یعنی
لواحق اور مال واپس آجاتے ہیں، اور اعمال اس
کے ساتھ رہ جاتے ہیں!

يَتَّبِعُ الْمَيِّتَ ثَلَاثَةٌ أَهْلُهُ
وَمَالُهُ وَعَمَلُهُ فَيُرْجَعُ
إِثْنَاكَ وَيَبْقَى وَاحِدًا
يُرْجَعُ أَهْلُهُ وَمَالُهُ
وَيَبْقَى عَمَلُهُ لِالشَّيْخَانِ وَالذَّخِيرِ

کوئی شخص ایسا نہیں کہ مرے اور پشیمان نہ ہو۔ اگر
وہ نیک ہو تو اس بات پر پشیمان ہو تو کہے کہ کیوں زیادہ
نیک نہ کی۔ اگر بے نوا اس بات پر پشیمان ہوتا ہے کہ
کیوں بد کیا سے باز نہ رہا۔

مَا مِنْ أَحَدٍ مَيِّتٍ إِلَّا نَدِمَ
إِنْ كَانَ مُحْسِنًا نَدِمَ مَرَاتٍ لَا
يَأْوُنَ إِزْدَادَ وَإِنْ كَانَ مُسِيئًا
نَدِمَ أَنْ لَا يَكُونَ نَدِمَ الرَّحْمَازِيُّ

جب انسان مرتبات سے تو اس کے اعمال کا
خاتمہ ہو جاتا ہے، سوائے تین عملوں کے کہ وہ
جاری رہتے ہیں (۱) صدقہ جاریہ (۲) علم جس
سے خلق خدا کو فائدہ پہنچے (۳) نیک نیت
بیٹا جو بعد وفات اس کے لئے دعا کرتا رہے

إِنَّمَا تِ الْإِنْسَانُ لِقَطْعَةٍ
عَمَلُهُ الْإِثْلَثَةُ صَدَقَةٌ
جَارِيَةٌ أَوْ عِلْمٌ يُنْتَفَعُ
بِهِ أَوْ وَلَدٌ صَالِحٌ
يَدْعُو لَهُ

مسلم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنازے کے پاس
سے گزرے فرمایا اس کی روح آرام پانے والی ہے
یا آرام دینے والی؟ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ
آرام پانے والی اور آرام دینے والی کے کیا معنی؟
فرمایا ایمان دار آدمی مر کر دنیا کے دکھ و روعے
آرام پا جاتا ہے، لیکن فاسق و فاجر اور شرابی
کے مرنے سے بندے دبتیاں اور سخت اند جانور
آرام پاتے ہیں۔

مَرَّ بِجَنَازَةٍ فَقَالَ رَسُولُ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
مُسْتَرِيحٌ أَوْ مُسْتَرِيحٌ مِنْهُ
قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا الْمُسْتَرِيحُ
بِمَا اسْتَرَاخَ مِنْهُ قَالَ الْعَبْدُ
الْمُؤْمِنُ يَسْتَرِيحُ مِنْ نَصَبِ الدُّنْيَا
وَرَضِيهَا وَالْفَاجِرُ يَسْتَرِيحُ مِنْ الْعِيَا
وَالْبِلَادِ وَالشُّهْرِ وَالذَّوَابِ وَالنَّسَائِ

تم جنازے کو ملہی سے جا یا کرو۔ کیونکہ اگر وہ
نیک ہے، تو تم اسے لگے جہان کا اجر و ثواب
حلدت حاصل کرو اور اگر وہ نیکو کار

اسْتَرَعُوا بِالْجَنَازَةِ فَإِنَّ تِلْكَ
صَالِحَةٌ تَخَيْرُ بَقِيَّةَ مَوْنِهَا
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا مَرَّ بِجَنَازَةٍ

تَنْوَرٌ تَضَعُونَ عَنْ رِقَابِكُمْ اَلْاِسْتِثْمَا نِيْسَ هِيَ اَنْ تُوْبِرَ كَ الْوُكُورِ وَنَ سَ جَلْدًا تَاْسَتَ هُوَ۔

زیارت قبور کی تاکید اور اس کے روحانی و اخلاقی فوائد

علاوہ ازیں احادیث نبوی میں زیارت قبور کی پے در پے تاکید پائی جاتی ہے، اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ روزانہ بعد نماز صبح زیارت قبور کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔ اس باب میں حضور نے جو کچھ فرمایا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ: جب قبرستان میں جاؤ تو زیادہ تر شکستہ اور بوسیدہ قبروں کو دیکھو کہ اس سے زندگی کی بے ثباتی کا نقشہ بہتر طور پر سامنے آتا ہے، زیادہ عبرت ہوتی ہے، دل سے غفلت کا رنگ اترتا ہے، اور وہ خوف الہی سے رقیق و گداز ہو جاتا ہے۔ مزید یہاں زیارت قبور سے حیات بعد الممات اور حشر و نشر کی یقین دہانی ہوتی ہے جس سے انسان عبادت اور عمل صالح میں کوتاہی ہوتا ہے۔ زیارت قبور سے مومن اپنے سابقہ گناہوں پر پشیمان ہوتا ہے اور اللہ کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تائب ہوتا ہے۔ زیارت قبور بنی آدم کے دماغ سے غرور و نخوت کو بیکھرنا اہل کر کے اس میں تواضع اور عجز و انکسار کی صفات پیدا کرتی ہے۔ زیارت قبور ایک مشرک اور فاسق و فاجر شخص کو بھی توجید الہی اور تقویٰ کی جانب مائل کرنے کا موثر و کامیاب ذریعہ ہے۔ زیارت قبور کی روحانی اور اخلاقی اہمیت اور افادیت کا اس سے بہتر ثبوت کیا ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مور و وحی اور امام الاتبیاء ہوتے ہوئے بھی اس کا التزام فرمایا پھر مٹی اس عمل کی افادیت سے کیوں محروم رہیں؟ — کثرت خواہشات

اتباع نفسِ امارہ، اور مومن مادیت کی لپیٹ میں آکر ایک فراموش شدہ حقیقت اور لازمی انجام کا مشاہدہ کیوں نہ کیا جائے، تاکہ سیرت و کردار کی اصلاح ہو؛

مرگِ کافر اور مرگِ مومن میں فرقِ عظیم

ظاہر ہے کہ مرگِ کافر اور مرگِ مومن نتیجہ و اثر اندازی کے لحاظ سے بالکل متضاد چیزیں ہیں۔ چونکہ کافر کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ ہیں تو محض زمانہ ہی ہلاک کرتا ہے؛ اور وہ حیاتِ بعد الممات، حشر و نشر، حساب و کتاب، اور جزا و سزا پر ایمان ہی نہیں رکھتا، اوداس کے نزدیک زندگی آخری سانس کے ساتھ ہمیشہ کے لئے منقطع ہو جاتی ہے، لہذا جب اس کی موت کا وقت قریب آتا ہے، تو وہ مال و جاہ و ادا سے محروم ہونے، اور دنیوی عیش و عشرت کے ختم ہو جانے کا تصور کرتے ہی کپکپا اٹھتا ہے، ہر طرف حسرت و نادمی سے نظر آتا ہے، اور یاس و ہمت خوں و ہراس وہ گلہ موت کے سامنے مجبور و بے بس ہو کر رہ جاتا ہے لیکن مردِ مومن کی کیفیت اس کے بالکل برعکس ہے۔ چونکہ اس کے عقائد کلام اللہ کے ابدی حقائق پر مبنی ہیں، لہذا وہ حیاتِ بعد الممات، حشر و نشر اور جزا و سزا پر یقین محکم رکھتا ہے۔ حسب آیاتِ قرآنی اس کا غیر متزلزل ایمان ہے کہ ساتھ موت کے ساتھ ہی

۱۵ آیت شریفہ: وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُجِلُّنَا إِلَّا الدَّهْرُ

ترجمہ کنارف نے کہا جو کچھ بھی ہے ہماری دنیوی زندگی ہی ہے ہمیں ہم زندہ رہتے اور مر جاتے ہیں اور ہمیں رخصت نہیں بلکہ امانہ ہی ہلاک کرتا ہے۔

عالمِ سفلی کی عارضی اور فانی زندگی تو ختم ہوئی، لیکن فوراً بعد ایک دائمی، ابدی اور غیر فانی زندگی کا دروازہ کھل رہا ہے۔ جیات و نیروی کے نشیب و فراز اور مصائب و آلام سے تو نجات پائی، لیکن عنقریب دیدارِ الہی، مسرت بے پایاں اور نعمت ہائے جنت سے مستفید ہوا چاہتا ہوں۔ یہ فردہ جانِ فزا سے ان ہی آخری لمحات میں سنایا جاتا ہے کہ:-

يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمَطْمَئِنَّةُ ۚ ارجعي إلىٰ ربِّكِ راضيةً مَرْضِيَّةً
فَادْخُلِي جَنَّتِي ۚ

ترجمہ :- اے رتوجید اور ذکرِ الہی سے مطمئن روح! اپنے پروردگار کی طرف لوٹ آ، وہاں جا یکے تو اس سے راضی ہے، اور وہ تجھ سے۔ اب میرے شخص بندوں میں شامل ہو جا، اور پھر میری جنت میں داخل ہو۔ (پہ : ۱۴)

بنا بریں نہ تو اس پر کسی قسم کا رنج و اضطراب طاری ہوتا ہے، اور نہ وہ موت کے قریب سے خوفزدہ ہوتا ہے بلکہ ایمان و یقین کی بے پناہ قوت رکھتے ہوئے خندہ پیشانی سے اس کا استقبال کرتا ہے:-

نشانِ مردِ مومن با تو گویم ؟

چو مرگ آید تبسم بر لبِ اوست! (اقبال)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مرگ کا فردِ مرگ مومن کی یہ متفنا و کیفیات مندرجہ

ذیل حدیث میں نہایت بلیغ و مؤثر انداز سے بیان فرمائی ہیں :-

مَنْ أَحَبَّ يِقَاءَ اللَّهِ أَحَبَّ اللَّهُ
يَقَاءَهُ وَمَنْ كَرِهَ يِقَاءَ اللَّهِ
بِشَخْصٍ خَدَا سَعَىٰ مَا يَأْتِيهِ خَدَا بِي سَعَىٰ مَا يَأْتِيهِ
بِهِ وَأَوْ جُو خَدَا سَعَىٰ مَا يَأْتِيهِ خَدَا بِي سَعَىٰ مَا يَأْتِيهِ

كِرَهُ اللهُ لِقَاءَهُ فَقَالَتْ عَائِشَةُ
 إِنَّا لَنَكْرَهُ الْمَوْتَ، قَالَ لَيْسَ
 ذَلِكَ فَلاَكِنَّ الْمَوْمِنُ إِذَا
 حَضَرَهُ الْمَوْتُ بُشِّرَ
 بِرِضْوَانِ اللهِ وَكَوَامَتِهِ فَلَيْسَ
 شَيْءٌ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْهَا أَمَامَهُ
 فَأَحَبُّ لِقَاءِ اللهِ وَأَحَبُّ اللهُ
 لِقَاءَهُ وَإِنَّ الْكَافِرَ إِذَا حَضَرَهُ
 الْمَوْتُ بُشِّرَ بِعَذَابِ اللهِ تَعَالَى
 وَعَقُوبَتِهِ فَلَيْسَ شَيْءٌ
 أَكْرَهُ إِلَيْهِ مِنْهَا أَمَامَهُ
 فَكِرَهُ اللهُ لِقَاءَهُ اللهُ وَكِرَهُ اللهُ
 لِقَاءَهُ

بخاری و مسلم

منا پسند نہیں کرتا۔ واللہ اعلم

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم سب موت سے
 نفرت کرتے ہیں۔ فرمایا: یہ بات نہیں، بلکہ مومن
 کے سامنے جب موت آتی ہے اور اسے خدا کی رضا
 اور کرم کی خوشخبری دی جاتی ہے، تو کوئی چیز اسے
 موت سے زیادہ پیاری نہیں لگتی۔ پس وہ خدا تعالیٰ
 سے ملنا چاہتا ہے، اور خدا اس سے ملنا چاہتا ہے
 اور جب منکر کے سامنے موت آتی ہے اور اسے
 عذاب الہی کی خبر دی جاتی ہے، تو موت سے زیادہ
 اسے کوئی چیز بری نہیں لگتی۔ لہذا وہ خدا کو ملنے سے
 نفرت کرتا ہے، اور خدا بھی اس کو ملنے سے نفرت
 کرتا ہے۔

اعتراف حقیقت و صداقت کے اہم ترین لمحات

نوع انسانی میں سے بالخصوص کفار و منافقین اور فاسق و فاجر لوگوں میں
 یہ عام خامی ہے کہ جب تک وہ تندرست و توانا، خوشحال اور محو عیش عشرت رہتے
 ہیں، اپنے نہایت واضح، معلوم و مشہور اور غیر مبہم معائب و مظالم کا بھی اعتراف نہیں
 کرتے، بلکہ دیدہ و دانستہ طور پر پرہٹ و دھرمی سے انہیں نظر انداز کرتے رہتے ہیں۔

اور اگر کوئی حتی گو شخص بعض اصلاح کبھی ان معاصب کا تذکرہ کر بھی دے، تو ان کے نزدیک ایک گردن زدنی مجرم قرار پاتا ہے لیکن آستانہ موت پر پہنچ کر ایسے تمام شقی القلب لوگوں کی رعونت و نخوت کا فورہ بوجاتی ہے، اور جس حقیقت و

صداقت کا اعتراف انہوں نے عمر بھر نہیں کیا تھا، اور مخلص و سمدرد دوستوں کے کہتے پر بھی نہیں کیا تھا، موت کے چنگل میں مجبور و بے بس ہو کر وہ اپنے تمام جرائم کا اعتراف کرتے ہیں، لیکن صد حیف کہ یہ اعتراف بے وقت ہے، اتہائی تاخیر سے ہے، درگاہِ خداوندی میں مسترد ہے، اور ایسے اعتراف کے لئے تلافی یافتگی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔ آستانہ موت پر جو لیس سینئر، سکندر اعظم اور پوپولین جیسے امر مطلق، جو تمام دنیا کو مفتوح و مسخر کرنے کے خواب دیکھتے ہیں، خود مفتوح و شکست خوردہ ہو کر وہ جلتے ہیں۔ یہاں چنگیز و ہلاکو جیسے جابر و مستبد اور ظالم و سفاک فرما نروا بھی اپنے تمام سابقہ مظالم پر ناوم ہوتے ہوئے ایٹھیاں زگر گرتے اور جان دیتے ہیں۔ یہاں حجاج بن یوسف جیسے پکیرِ ظلم و ستم کو بھی، جس کا یہ عقیدہ تھا کہ حکومتیں رحم و عدل سے نہیں، بلکہ جبر و تشدد اور قہر و تعزیر سے قائم ہوتی ہیں، بالآخر پھوٹ پھوٹ کر رونا پڑا، اور نزع کے عالم میں بولا "شدید مصیبت، سونت تکلیف، ناقابل بیان رنج و الم، ناقابل برداشت درد"۔ آہ! میری ہلاکت، اگر اس جبار و قہار نے مجھ پر رحم نہ لکھا یا! ہاں آستانہ موت پر سپر لوح جیسا کافر و منکر جو اتنے جلیل الشان نبی کی تزیین و تزیین کیا کرتا تھا، طوفان میں گھر کر دم واپس نہیں تو بہ و ندامت کا اظہار کرتا ہے، لیکن بے سود یہی وہ اٹل گھڑی ہے جس میں تاریخ کا ایک عظیم سرمایہ دار، قارون، جو اس موضوع پر ضرب الثل کی حیثیت اختیار کر چکا ہے، اپنے خزانہ سمیت اوایلا

کرتا ہوا خشک زمین میں غرق کر دیا جاتا ہے، اور اپنے مظالم کا اعتراف اسے
 کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا۔ یہی وہ وقت ہے جبکہ نسلِ آدم کا بدترین مجرم یعنی فرعون
 جس نے باز ہا انا د بکرا الاعلیٰ کا اعلان کرتے ہوئے خدائی کا دعویٰ کیا، نیل کی
 غنیمتِ ناک مروجوں میں ٹھپیڑے کھاتا ہوا بالآخر اس حقیقت و صداقت کا اعتراف
 کرتا ہے کہ میں اس رتبہ واحد پر ایمان لاتا ہوں، جس پر نبی اسرائیل ایمان لا
 چکے ہیں، اور میں مسلمان ہوں لیکن آخری لمحاتِ زیست کا یہ ایمان اس کے لیے قطعاً
 سود مند ثابت نہیں ہوتا۔ معاویہ بن ابی سفیان نے نزع کے عالم میں بعدِ حیرت
 اندوہ کہا: معاویہ! تو اپنے رب کو اب یاد کرتا ہے جب کہ بڑھاپے نے کسی کام
 کا نہیں رکھا اور جسم کی چولیں ڈھیلی ہو گئیں۔ اس وقت کیوں خیال نہ آیا جب شباب
 کی ڈالی تروتازہ اور سرری بھری تھی؟ اس تمام گفتگو کا حاصل مقصد یہ ہے کہ ہم
 میں سے ہر شخص ہوتے سے پہلے پہلے "بر وقت" اور "سفیہ" اعترافِ حقیقت کی
 اہمیت و افادیت کو سمجھنے کی کوشش کرے اور اس اعتراف کے ساتھ ہی ساتھ
 تلافیِ مافات میں بھی یہ غلوں سے نیت ساعی ہو، بالفاظِ وگر زندگی کے آخری لمحات میں
 جن جرائم کا اعتراف ہر شخص کو کرنا ہے، اور طوعاً و کرہاً کرنا ہے، اور اس حالیکہ وہ
 اعتراف ہر جہت سے فضول و لا حاصل ہوگا، ان کا اعتراف آج ہی کیوں نہ کیا جائے
 تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت کا باعث ہو، اور مستقبل میں پیش از مرگ گذشتہ
 گناہوں اور حق تلفیوں کی خاطر خواہ تلافی بھی ہو سکے!

لے آیت شریفہ کے لئے دیکھئے (پاپ ۱۱۷۳۰)

مقصد کتاب ہذا

مندرجہ بالا عنوانات اور مباحث کی روشنی میں پیش نظر کتاب کا حقیقی مقصد بالکل واضح ہے۔ اس میں مشاہیر اسلام کی زندگی کے آخری ایام و لمحات کا ایک قدرتی اور غیر مصنوعی مرقع پیش کیا گیا ہے۔ لہذا ان ایام میں ان کے حالات و کیفیات اور اقوال وارشادات اپنے اندر پند و موعظت، تلقین و تادیب، اور عبرت و نصیحت کا ایک وسیع ذخیرہ لئے ہوئے ہیں جو ہر مسلمان کے لئے نہ صرف تڑکیہ قلب کا موجب ہوں گے بلکہ ان کا مطالعہ اصلاح اعمال میں بھی بے انتہا عمد و معاد ثابت ہوگا۔ ظاہر ہے کہ محض خیالی افسانوں اور سوس انگیز قسم کے جنسی لٹریچر کی نسبت ان میں بے حقائق واقعات و سوانح کا مطالعہ علمی، روحانی، اخلاقی اور معاشرتی لحاظ سے کس قدر مفید و بصیرت افروز ہے لہذا اسے خود کامل غور و انہماک سے پڑھنے اہل و عیال کو پڑھائیے۔ لواقعین و احباب کو اس کے مطالعہ کی رغبت دلائیے، اور اس طرح اس کتاب کے تبلیغی اور اصلاحی مقاصد میں خود بھی حصہ دار بن جائیے، جو ہر مسلمان کا فطری اور قدرتی حق ہے!

بالآخر میں خواجہ بدرالسلام صاحب فروری ہتم دار البلاغ لاہور کا ممنون ہوں، جنہوں نے ایسے تعمیری موضوع پر کتاب تیار کرنے کی تجویز پیش کی اور اس ذیل میں مفید مشورے بھی دیئے۔ آپ نہ صرف ایک سلجھے ہوئے اور سلیقہ شعار ناشر ہیں، بلکہ شعرا و ادب کا بھی نہایت اچھا ذوق رکھتے ہیں جس کا واضح ثبوت آپ کی تازہ تصنیف و جمال زندگی ہے۔ اور دوسرے آپ کو والہانہ عشق ہے اور اس میں

مسلمانان پاکستان کے لئے محترمہ انجیل افریڈ اور اصلاحی و تعمیری لٹریچر پیش کرنے کا اولہ بھی رکھتے ہیں۔ امید ہے کہ ان کے اشتراک عمل اور مخلصانہ تعاون سے میں بعض دیگر اہم موضوعات پر بھی اپنی تالیفات و نگارشات بذریعہ قارئین کروں گا۔

عبدالرحمان طارق

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ

رحلت نبوی

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ ہے آید جنید و بایزید! این جا

یہ اس مستی مقدس کے آخری ایام زندگی کا تذکرہ ہے جو مختلف آیات قرآنی کی
روسے ”رحمۃ للعالمین“ بھی تھی ”عامل خلق عظیم“ بھی تھی، نہ صرف مسلمانوں کے لئے بلکہ تمام
نوع انسانی کے لئے مدبشیر و نذیر بھی تھی، معراج کی سعادت عظمیٰ پا کر صاحب قلوب قریبین
بھی تھی، امام الانبیاء بھی تھی اور خاتم المرسلین بھی!
یہ اس مستی مقدس کے آخری لمحات کا تذکرہ ہے جس کی اطاعت کو قرآن اللہ تعالیٰ

لہ یعنی معراج کی رات میں امد میسر نہی اس طرح مل بیٹھے جیسے کمان کے دوسرے مل جلتے ہیں یا

اس سے بھی قریب تر! (ترجمہ آیۃ شریفہ)

کی اطاعت قرار دیتا ہے، جس کی بیعت گریا و دستِ خداوندی پر بیعت تھی، اور
 دشمنانِ اسلام کی جانب جس کے پھینکے ہوئے کنکر و حقیقت اللہ تعالیٰ نے پھینکے تھے
 اور جس کے سینے پر تو اس کلام برحق کا مرکز و مرجع تھا، جس کا دوام تا قیامت
 معبودِ مسلم ہے!

حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے بعد مدینہ منورہ میں پہنچ کر فرمایا
 بِحَدِّ زَيْدِكَ وَاسْتَعْفِرَكَ كِي تَعْمِلَ فِي مَصْرُوفٍ مَرَّجِكِ تَحْتِ، اور بارگاہِ ایزدی
 کی حاضری کا شوق روز بروز بڑھتا جاتا تھا صبح و شام معبودِ حقیقی کے ذکر و تسبیح
 اور طلبِ مغفرت کے سوا آپ کی توجہ اور کسی طرف نہیں تھی۔

رمضان المبارک میں ہمیشہ دس روز کا اعتکاف فرماتے تھے، لیکن سال
 میں بیس روز کا اعتکاف فرمایا۔ ایک دن حضرت فاطمہ بنتول تشریف لائیں، ان
 سے فرمایا: ایسا ری بیٹی! اب مجھے اپنی رحلت قریب معلوم ہوتی ہے۔ ان ہی ایام میں
 شہدائے احد کی تکلیف، بلے بسی کی شہادت، اور روانہ دارِ قربانیوں کا خیال آگیا
 تو گنجِ شہیداں میں تشریف لے گئے اور بڑے درد و گلانہ سے ان کے لئے دعائیں
 کیں، نمازِ جنازہ پڑھی، اور انہیں اس طرح الوداع کہی جس طرح ایک مشفق و مدد
 بندگ اپنے کم سن بچوں سے پیار کرتا ہے، اور پھر انہیں الوداع کہتا ہے۔ یہاں سے
 واپس آئے تو ممبرِ نبوی پر جلوہ طراز ہوئے اور اپنے تربیت یافتہ اربابِ صدق
 و صفا سے نہایت پُر غلو ص اور رقت انگیز لہجہ میں مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا:۔
 ”ووستو! اب میں تم سے آگے منزلِ آخرت کی طرف چلا جا رہا ہوں، تاکہ
 بارگاہِ ایزدی میں تمہاری شہادت دوں۔ واللہ مجھے یہاں سے وہ اپنا حوضِ نظر

آ رہا ہے، جس کی وسعت ایلہ سے جحفہ تک ہے مجھے تمام دنیا کے خزانوں کی
 کھجیاں دے دی گئی ہیں۔ اب مجھے یہ خوف نہیں کہ میرے بعد تم شرک کرو گے، البتہ
 میں اس سے ڈرتا ہوں کہ کہیں دنیا کے فتنوں میں مبتلا نہ ہو جاؤ، اور اس کے لئے
 آپس میں کشت و خون نہ کرو۔ اگر ایسا کرو گے تو اسی طرح ہلاک و برباد ہو جاؤ گے
 جس طرح پہلی قومیں ہلاک و برباد ہوئیں۔

ان ایام میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال مبارک زیادہ تر گزری ہوئے نیاز مندوں
 ہی کی طرف مائل محبت رہتا تھا۔ ایک رات آسودگان بقیع کا خیال آگیا۔ یہ عام
 مسلمانوں کا قبرستان تھا، جو شہرِ مجرت سے آدھی لات اٹھ کر وہاں تشریف لے
 گئے اور عام امتیوں کے لئے بڑے سوز سے دعا فرماتے رہے پھر یہاں کے
 روحانی دوستوں سے مخاطب ہو کر فرمایا: انا لکم سلا حِقْوٰن یعنی اب میں
 بہت جلد تمہارے ساتھ شامل ہونے والا ہوں۔

ایک دن حضور نے مسجدِ نبوی میں پھر مسلمانوں کو یاد فرمایا۔ اجتماع ہو گیا،
 تو ارشاد فرمایا: مسلمانوں مرحبا! اللہ تعالیٰ تم سب پر اپنی نعمتیں نازل فرمائے،
 تمہاری دل شکستگی و عد فرمائے، تمہاری اعانت و دستگیری فرمائے، تمہیں رزق
 اور برکت مرحمت فرمائے، تمہیں عزت و رفعت سے سرفراز فرمائے، تمہیں
 دولتِ امن و عافیت سے شاد کام فرمائے۔ میں تمہیں اس وقت صرف خوفِ
 الہی اور تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں کہ یہی تمام بھذیروں کی اساس ہے۔ اب
 اللہ تعالیٰ ہی تمہارا واسطہ اور خلیفہ ہے اور میں تمہیں اسی سے خائف رہنے کی
 تاکید کرتا ہوں اس لئے کہ میرا منصب تدریس میں ہے۔ دیکھنا اللہ کی بستیوں

اور بندوں میں تکبر اور برتری اختیار نہ کرنا اور یہ حکم ربانی ہر وقت تمہارے ملحوظ خاطر رہنا چاہئے۔

تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا
لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا
فِي الْأَرْضِ وَلَا سَادًا
وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ

یہ اسخرت کا گھر ہے۔ ہم یہ ان لوگوں کو دیتے
ہیں جو زمین میں غرور اور فتنہ و فساد کا ارادہ
نہیں کرتے اور اسخرت کی کامرانی پر سزگاروں
کے لئے ہے۔

پھر فرمایا: اَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِينَ یعنی کیا لیکر کرنے والوں کا گھنا
دستخ نہیں ہے؟ آخری القلم یہ ارشاد فرمائے: سلام تم سب پر اور ان سب لوگوں
پر جو واسطہ اسلام سے میری بیعت میں داخل ہوں گے۔
حضرت کی علالت کا آغاز مہر کے دو سے شروع ہوا حضرت ابو سعید خدی
قرماتے تھے کہ سرکارِ دو عالم کے سر مبارک پر رومال بندھا تھا۔ میں نے ہاتھ لگایا تو یہ
اس قدر جل رہا تھا کہ ہاتھ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ دو شنبہ تک شدتِ مرض نے
طبیعت پر زیادہ قابو پالیا، لہذا ازواجِ مطہرات نے اجازت دے دی کہ اب
حضرت کا مستقل قیام حضرت عائشہ صدیقہ کے ہاں کر دیا جائے۔ اس وقت مزاج
اقدس پر ضعف اس قدر طاری تھا کہ خود قدموں سے چل کر حجرہ عائشہ تک تشریف
نہیں لے جاسکے حضرت علیؑ اور حضرت عباسؑ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو تول
بازو تھامے اور بڑی مشکل سے حجرہ عائشہ میں تشریف لائے۔
وفات اقدس سے پانچ روز پہلے حضور پتھر کے ایک ٹب میں بیٹھ گئے اور
سر مبارک پر پانی کی سات مشکیں ڈلوائیں۔ اس سے مزاج اقدس میں خشکی اور تسکین

مسجد کے رخ پر کوئی دریچہ ابو بکر کے دریچے کے سوا باقی نہ رکھا جائے۔

انصارِ مدینہ حضور کے زمانہِ خلافت میں برابر رو رہے تھے۔ حضرت ابو بکر اور حضرت عباسؓ وہاں سے گزرے تو انہوں نے انصار کو روٹے دیکھا دریافت کرنے پر انہوں نے بتایا: "آج میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبتیں یاد آ رہی ہیں۔" انصار کی اس درد مندی اور بے چینی کی اطلاع مبارک تک پہنچ چکی تھی ارشاد فرمایا:

"اے لوگو! میں اپنے انصار کے معاملہ میں تم کو وصیت کرتا ہوں۔ عام مسلمان روز بروز بڑھتے جائیں گے، مگر میرے انصار کھلنے میں نمک کی طرح رہ جائیں گے۔ یہ لوگ میرے جسم کا پیرا ہیں اور میرے سفر زندگی کا گوشہ ہیں۔ انہوں نے اپنے فرض ادا کر دیئے، مگر ان کے حقوق باقی ہیں۔ جو شخص امت کے نفع اور نقصان کا ستویا ہو، اس کا فرض ہے کہ وہ انصار کو کار کی قدر افزائی کرے اور جن انصار سے لعزش ہو جائے، ان کے متعلق درگزر سے کام لے۔"

پھر فرمایا: "حلال و حرام کی تعیین کو میری طرف منسوب نہ کرنا۔ میں نے وہی چیز حلال کی ہے، جسے قرآن نے حلال کیا ہے، اور اسی کو حرام کیا ہے، جیسے قرآن نے حرام بتایا ہے۔"

بعاد فال آپ اہل بیعت کی طرف متوجہ ہوئے کہ کہیں رشتہ ثبوت کا غور انہیں سعی و عمل سے بیگانہ نہ بنا دے۔ ارشاد فرمایا:

"اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی فاطمہ! اور اے پیغمبر خدا کی بھوپھی صفیہ! حضور حق تعالیٰ نجات کے لئے کچھ کر لو۔ میں تمہیں خدا کی گرفت سے نہیں

بچا سکتا۔

یہ خطبہ درود حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری خطبہ تھا جس میں حضور ﷺ نے حاضرین مسجد کو مخاطب فرمایا۔ اختتام کلام کے بعد حجرہ عائشہؓ میں تشریف لے آئے، شدت مرض کی حالت یہ تھی کہ عالم بے تابی میں کبھی ایک پاؤں پھیلانے تھے اور کبھی دوسرا سمیٹتے تھے کبھی گھبرا کر چہرہ مبارک پر چادر ڈال لیتے تھے اور کبھی الٹا دیتے تھے۔ اسی حالت میں حضرت عائشہ صدیقہؓ نے زبان مبارک سے یہ الفاظ سنے: "یہ درود نصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو کہ انہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیا۔"

وفات سے چار روز پیشتر حضرت عائشہؓ سے ارشاد فرمایا: "اپنے والد ابو بکرؓ اور اپنے بھائی عبدالرحمان کو بلا لو۔ اور وفات کا غنڈ بھی لے آؤ تاکہ میں ایک تحریر بکھوادوں جس کے بعد تم گمراہ نہیں ہو گے۔" یہ شدت مرض میں حضور ﷺ سرورِ عالم کا ایک خیال تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے دل سے ظاہر کی کہ حضور ﷺ کو اس حال میں تکلیف دینا مناسب نہیں ہے۔ اب تکمیل شریعت کا کوئی ایسا نکتہ باقی نہیں رہا، جس میں قرآن کافی نہ ہو۔ بعض دوسرے صحابہ نے اس واسطے سے مطابقت نہ کی جب شور زیادہ ہوا تو بعض نے کہا: "خود حضور ﷺ ہی سے دریافت کر لیا جائے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مجھے چھوڑ دو۔ میں جس مقام میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے جس کی طرف تم مجھے بلا رہے ہو۔" اسی روز تین اور وصیتیں بیان فرمائیں، جو حسب ذیل ہیں:-

۱۔ کوئی مشرک عرب میں نہ رہے۔

۲۔ سفیروں اور وفود کی بدستور عزت اور مہمان نوازی کی جائے۔

۳۔ کلام اللہ کے اعامر اور نواہی اور میری سنت پر ہمیشہ عامل رہو۔ اس طریق عمل سے تم کبھی گمراہ نہیں ہو گے!

جب علالت اور ضعف کمزوری میں اٹھنا ہوا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم گوشش کے باوجود نماز کے لئے مسجد میں تشریف نہ لاسکے، لہذا عائشہ صدیقہ سے فرمایا: ابو بکرؓ سے کہو کہ نماز پڑھا دیں۔ وہ بولیں: یا رسول اللہ! ابو بکرؓ نہایت رقیق القلب آدمی ہیں جب وہ آپ کی جگہ پر کھڑے ہوں گے تو نماز نہیں پڑھا سکیں گے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہی نماز پڑھا میں یہ حضرت عائشہ کا خیال تھا کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امام مقرر ہوگا، لوگ اسے لازماً مغوس خیال کریں گے۔ روایت سے کہ اس وقت صدیق اکبر تشریف فرما نہیں تھے۔ اس لئے حضرت عمرؓ کو آگے بڑھایا گیا، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، نہیں۔ ابو بکرؓ ہی نماز پڑھائیں۔ اس پسند اور پسورے تاکید سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ اس ارشاد کے ور پر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابو بکر صدیقؓ ہی کو اپنے بعد خلیفہ منتخب فرما رہے تھے۔

رسول اللہ کا منبر چند روز پہلے خالی ہو چکا تھا۔ آج رسول اللہ کا مصلى آگے خالی ہو گیا۔ جب ابو بکر صدیقؓ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ کھڑے ہوئے تو عالم یاس و اندوہ نے مسجد نبویؐ پر اپنے پر وے تان دیئے، اور مسلمانوں کے دل بے اختیار رو دیئے اور خود ابو بکر صدیقؓ کے قدم بھی لڑکھڑکے۔ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے ساتھ توفیق الہی شامل تھی، لہذا یہ کھٹن گھاٹی بھی گزر گئی۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے حیات پاک نبویؐ میں اس طرح سترہ نمازیں پڑھائیں۔

حضرت صدیق ظہر کی نماز پڑھا ہے تھے کہ حضورؐ کی طبیعت نے مسجد کی طرف رجوع کیا، اور حضرت علیؑ اور حضرت عباسؑ کے کندھوں پر سہارا لیتے ہوئے جماعت میں تشریف لے آئے نمازی نہایت لمبے قراری کے ساتھ حضورؐ کی طرف متوجہ ہوئے اور صدیق اکبرؑ بھی مصلے سے چھپے بیٹھے۔ مگر حضورؐ نے دست مبارک سے ارشاد فرمایا پیچھے مت ہٹو۔ پھر حضرت صدیقؑ کے برابر بیٹھ گئے اور نماز ادا کرنے لگے حضورؐ کی اقتدار صدیق اکبرؑ کرتے تھے اور صدیقؑ کی اقتدار مسلمان کرتے تھے۔ یہ نماز اسی طرح مکمل ہوئی، تو حضور پاکؐ حجرہ عائشہ میں تشریف لے گئے۔

پیشوائے انسانیت جو علاقہ دنیا سے آزاد ہو رہے تھے، صبح بیدار ہوئے تو پہلا کام یہ کیا کہ سب غلاموں کو آزاد فرمایا جو تعداد میں چالیس تھے پھر اثبات البیت کی طرف توجہ فرمائی اس وقت کا شانہ نبوی کی رساری دولت سات دینار تھے حضرت عائشہ سے فرمایا: انہیں غریبوں میں تقسیم کر دو مجھے شرم آتی ہے کہ رسولؐ اپنے اللہ سے ملے اور اس کے گھر میں دولت دنیا پڑی ہو! اس ارشاد پر گھر کا گھر صاف کروا گیا۔ آخری رات کا شانہ نبویؐ میں چراغ جلانے کے لئے تیل تک موجود نہیں تھا یہ ایک پڑوسی عورت سے ادھا ر لیا گیا۔ گھر میں کچھ ستھیا رہ باقی تھے، جنہیں مسلمانوں کو سہ کر دیا گیا۔ ۹ ربیع الاقل و شبہ کو مزاج اقدس میں قدرے سکون تھا نماز صبح ادا کی جا رہی تھی کہ حضورؐ نے مسجد اور حجرہ کا درمیانی پردہ سرکا دیا۔ اب چشم اقدس کے سامنے نمازیوں کی صفیں معروف رکوع و سجود تھیں۔ سرکارِ دو عالم نے اس نفل الہی کے کو جو حضورؐ کی روح پرور تعلیم کا نتیجہ تھا۔ بڑے اشتیاق سے ملاحظہ فرمایا، اور جوش مسرت سے ہنس پڑے۔ لوگوں کو خیال ہوا کہ مسجد میں تشریف

لا رہے ہیں۔ نمازی بے اختیار سے ہو کر منتظر آمد ہو گئے، اور حضرت صدیق نے جو امانت کر رہے تھے پیچھے ہٹنا چاہا، مگر حضرت نے اِشَاءَ مِیْاۓ سے سب کو تسکین دی، اور چہرہ مبارک کی ایک جھلک دکھا کر پھر حجرے کا پردہ ڈال دیا۔ اجتماعِ مسلمین کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جلوہ زیارتِ آخری تھا مادہ شاید انتظام بھی خود قدرت کی طرف سے ہوا کہ رفیقانِ صلواتہ جمالِ جہلِ آسمانی آخری جھلک دیکھتے جائیں۔

ضعف و قہارت اور غشی کی انہیں تکلیفوں میں آنحضرت نے پیاری بیٹی کو یاد فرمایا۔ وہ مزاجِ مقدس کا یہ حال دیکھ کر سنبھل نہ سکیں، اور سینہ مبارک سے لپٹ کر بے اختیار رونے لگیں بیٹی کو اس طرح نہ ٹھل دیکھ کر رشا فرمایا: میری بیٹی! رو نہیں، میں دنیا سے رخصت ہو جاؤں تو اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ کہنا اسی میں ہر مسلمان کے لئے سامانِ تسکین موجود ہے: "حضرت فاطمہ نے پوچھا کیا آپ کے لئے بھی؟" فرمایا "ہاں، اس میں میری بھی تسکین مضمون ہے۔"

جس قدر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی بیماری اور دردِ اضطراب میں اضافہ ہوتا چلا جاتا تھا۔ اسی قدر حضرت فاطمہ بھی مضمحل اور نہجیبہ و پریشان ہوتی جاتی تھیں۔ حضرت رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اذیت کو محسوس کیے کچھ کہنا چاہا، تو پیاری بیٹی نے سرورِ کائنات کے لبوں سے اپنے کان لگا دیئے آپ نے فرمایا: بیٹی میں آج دنیا کو چھوڑ رہا ہوں، فاطمہ نے بے اختیار رو دیں پھر فرمایا فاطمہ! میرے اہل بیت میں تم سب سے پہلے مجھے ملو گی، فاطمہ نے یہ سن کر بے اختیار مہنس دیں کہ جدائی کا یہ عرصہ قلیل ہے۔

پیغمبرِ انسانیت کی حالت تازک تر ہوتی جا رہی تھی۔ یہ حال دیکھ کر حضرت فاطمہؑ نے کہنا شروع کیا: "داکوب ابلا" وہاٹے میرے باپ کی تکلیف ایں کر فرمایا "مناظرہ آج کے بعد تمہارا باپ کبھی بے چین نہیں ہوگا" حسن اور حسینؑ بہت عنکبین ہو رہے تھے۔ انہیں پاس بلایا، دونوں کو چومنا پھر ان کے احترام کی وصیت فرمائی۔ پھر انہیں مطہرات کو طلب فرمایا اور انہیں نصیحتیں فرمائیں۔ اسی دوران میں ارشاد فرماتے تھے:

مَعَ الَّذِينَ أَحْرَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ "پروردگار مجھے ان لوگوں کے ساتھ حاصل بلاتی ہے جن پر تو نے انعام فرمایا ہے" کبھی ارشاد فرماتے تھے: "اللَّهُمَّ الْحَقِيقِي بِالرَّفِيقِ الْإِئْتَمَالِي" اے اللہ! مجھے میرے بلند و برتر رفیق (اللہ تعالیٰ) سے ملا۔ پھر حضرت علیؑ کو طلب فرمایا۔ آپ نے سر مبارک کو اپنی گود میں رکھ لیا۔ انہیں بھی نصیحت فرمائی۔ بعد ازاں عامۃ المسلمین کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: "نماز کی حفاظت کرو اور اپنے لونڈی غلام کے حقوق کی نگہداشت کرو۔"

اب تمنع کا وقت آ پہنچا تھا۔ حضور صلیٰ بی عائشہؓ کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ پانی کا پیالہ پاس رکھا تھا، اس میں ہاتھ ڈالتے تھے اور چہرہ پونہ پر پھیر لیتے تھے۔ زبان مبارک آہستہ آہستہ ذکرِ الہی میں بل رہی تھی۔ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ إِنَّ لِنُفُوتِ سَكَرَاتٍ عَنِ اللَّهِ تَعَالَى کے سوا کوئی معبود نہیں اور موت کی اذیت لانی ہے۔" اس دوران میں حضورؐ نے مسواک کی خواہش ظاہر کی۔ ام المومنینؑ نے مسواک دانتوں میں نرم کر کے پیش کی، اور آپ نے بالکل تندرستوں کی طرح مسواک فرمائی، کیونکہ یہ حضورؐ کی محبوب ترین چیزوں میں سے تھی اور فرمایا کرتے

تھے۔ پھر بل جانے مجھے مسواک کی اس قدر تاکید کی ہے کہ میں سمجھا گیا کہ یہ فرض ہے
 پھر حضور نے یکا یک ہاتھ اونچا کیا جیسے اپنے محبوب حقیقی کی جانب تشریف
 لے جا رہے ہوں، پھر زبان اقدس سے تین بار یہ الفاظ نکلے بِلِ الْمَرْفِئِشِ الْأَعْلَى
 میں اپنے بلند و برتر رفیق سے حاصل ہو رہا ہوں، تیسری آواز پر ہاتھ ٹٹک
 آئے، پتلی اوپر کواٹھ گئی، اور روح شریف عالم قدس کو ہمیشہ کے لئے رحمت
 ہو گئی۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ
 عَلَيْهٖ

خطبہ حجۃ الوداع

اس ضمن میں نہایت ضروری معلوم ہوتا ہے کہ امت کی اصلاح و رہنمائی کیلئے
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ حجۃ الوداع ویدج کر دیا جائے۔ آنحضرت صلی اللہ
 علیہ وسلم نے خود ہی اہتمام فرمایا تھا کہ حضور کی زندگی کے اس آخری حج اور آخری
 خطاب میں نہ صرف رشتہ دار اور لواحقین، بلکہ دور و نزدیک کے تمام مسلمان
 جمع ہو جائیں، تاکہ قرآن حکیم اور شریعت اسلامیکے اہم ترین اغراض و مقاصد
 ان پر واضح کر دیئے جائیں، اور اس طرح بیت اللہ جیسے مرکز توحید میں آخری با
 سامعین پر اہتمام حجت بھی ہو جائے لہذا ذیل کا خطبہ ہر مسلمان کی خصوصی توجیہ کا
 مستحق ہے۔

حمد و صلوة کے بعد خطبہ حج کا پہلا اور ننگیز فقرہ یہ تھا۔

اے لوگو! میں خیال کرتا ہوں کہ آج کے بعد میں اور تم اس اجتماع

میں کبھی دوبارہ جمع نہیں ہوں گے! اس ارشاد سے اجتماع کی غرض و غایت بے نقاب ہو کر سب کے سامنے آگئی، اور جس شخص نے بھی یہ ارشاد مبارک سنا، تڑپ کر رہ گیا اب اصل پیغام کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:-

”اے لوگو! تمہارا خون، تمہارا مال، اور تمہارا تنگ و ناموس سیطرہ ایک دوسرے پر حرام ہے، جس طرح بیرونِ رجمہ، یہ مہینہ (ذی الحج)۔ یہ شہر مکہ مکرمہ، تم سب کے لئے قابلِ حرمت ہے! اے لوگو! آخر تمہیں بارگاہِ ایزدی میں پیش ہونا ہے۔ وہاں تمہارے اعمال کی بازپرس کی جائے گی۔ خبردار! میرے بعد گمراہ نہ ہو جائیو! کہ متلذع دنیا یا منصب و اقتدار کی ہوس میں ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنا شروع کر دو!“

”اے لوگو! اپنی بیویوں کے متعلق اپنے اللہ سے ڈرتے رہنا تم نے ان کو نامِ خدا کی ذمہ داری سے اپنی زوجیت میں قبول کیا ہے، اور اللہ کا نام لے کر ان کا جسم اپنے لئے حلال بنایا ہے۔ عورتوں پر تمہارا یہ حق ہے کہ وہ غیر کو تمہارے بستروں پر نہ آنے دیں۔ اگر وہ ایسا کریں، تو تم انہیں ایسی مار مار دو جو تمہاریاں نہ ہو۔ اور عورتوں کا حق تم پر یہ ہے کہ انہیں بافراغت کھانا کھلاؤ اور بافراغت کپڑے پہناؤ!“

”اے لوگو! اپنے غلاموں کے حقوق کا خاص خیال رکھو۔ جو خود کھانگے وہی انہیں کھلانا، جو خود پہن گئے وہی انہیں پہنانا!

اُسے لوگوں آج میں جاہلیت کے تمام قواعد رسوم کو اپنے قدموں سے پامال کرتا ہوں۔ میں عہد جاہلیت کے قتلوں کے بھگڑے ملیا میٹ کرتا ہوں، اور سب سے پہلے خود اپنے خاندانی مقتول ریحہ بن حارث کے خون سے، جس کو ہڈیل نے قتل کیا تھا، دست بردار ہوتا ہوں۔ میں زمانہ جاہلیت کے تمام سووی مطالبات بھی باطل قرار دیتا ہوں، اور سب سے پہلے خود اپنے خاندانی سووی یعنی عباس بن عبدالمطلب کے سووی سے دست بردار ہوتا ہوں!

معاذ اللہ! لوگوں! آپ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک حقدار کا حق مقرر کر دیا ہے۔ لہذا کسی کو اپنے وارثوں کے حق میں وصیت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بچہ جس کے بستر پر پیدا ہو، اسی کو دیا جائے، اور زنا کاروں کے لئے سنگسار ہے، اور ان کی جو ابھی اللہ پر ہے جو لڑکا اپنے باپ کے سوا کسی دوسرے نسب کا دعویٰ کرے، اور غلام اپنے آقا کے سوا کسی اور طرف اپنی نسبت کرے ان پر خدا کی لعنت ہے۔ عورت شوہر کے بلا اجازت اس کا مال صرف نہ کرے۔ قرض ادا کئے جائیں، عاریت واپس کی جائے عطیات لوٹائے جائیں، اور ضامن تاوان ادا کرنے کا ذمہ دار ہے!

اے کسی سے عارضی طور پر استعمال کرنے کے لئے حاصل کی ہوئی چیز لے یہاں عطیات واپس کرنے کا مفہم و مقصد ہے کہ احسان و کرم کا بدلہ احسان و کرم ہے۔ خواہ وہ کسی دوسری صورت میں ہو۔

”اے لوگو! تم سب کا معبود بھی ایک ہی ہے، اور تم سب کا باپ
 رادم بھی ایک ہے۔ لہذا کسی عربی کو ٹھہری پیرا کسی سرخ کو سیاہ پیرا، اور
 کسی سیاہ کو سرخ پر کوئی پیدا نشی فضیلت و برتری حاصل نہیں۔ ہاں صاحب
 فضیلت وہی ہے جو تقویٰ پر پیرگاری میں دوسروں پر فضیلت رکھتا
 ہو۔ ہر مسلمان دوسرے کا بھائی ہے، اور دنیا کے تمام مسلمان ایک بھائی
 میں۔ اے لوگو! میں تم میں وہ چیز چھوڑ چلا ہوں کہ اگر تم نے اسے مضبوطی کے
 ساتھ پکے رکھا تو تم کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔ وہ چیز اللہ تعالیٰ کی کتاب مقدس
 قرآن ہے!“

”اے لوگو! میرے بعد نہ کوئی نبی ہے، اور نہ میرے بعد کوئی نئی امت
 ہے۔ پس تم سب حسب احکام قرآنی اللہ تعالیٰ عبادت کرو۔ نماز پکبانگی
 پابندی کرو، رمضان کے روزے رکھو، خوش ولی سے اپنے مالوں کی
 زکوٰۃ نکالو، اللہ کے گھر کا حج کرو، احکام امت کے احکام مانو، اور اپنے
 اللہ کی جنت میں جگہ حاصل کر لو!“
 خطبہ کے آخر میں آپ نے حاضرین سے استفسار فرمایا :-
 ”اے دن اللہ تعالیٰ تم لوگوں سے میرے متعلق گواہی طلب کریگا۔“

۱۵ یہ ترجمانی جاس آید ثلثینہ کی ان اگرو مکر عند اللہ انقلکم (۲۰۰) ۱۵ یعنی اگر
 تم قرآن میں مذکورہ اعامر و نواہی پر اخلاص سے عمل پیرا رہو۔ ۱۵ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 کا یہ اعلان ختم نبوت کا ایک واضح ثبوت ہے۔

تم اس وقت کیا جواب دو گے؟

اس پر جمع عام سے پوچش صدائیں بلند ہوئیں :-

ہاں اے اللہ کے رسول! آپ نے تمام احکام الہی ہم تک پہنچا

دیئے۔ اے اللہ کے رسول! آپ نے فرض رسالت کما حقہ ادا کر دیا

ہاں اے اللہ کے رسول! آپ نے کھڑے کھڑے کو الگ کر دکھایا، مسلمانوں

کی خیر خواہی کا حق ادا کر دیا۔

اس وقت حضور سرور عالم کی انگشت شہادت آسمان کی طرف اٹھی۔ ایک

دفعہ آسمان کی طرف انگلی اٹھاتے تھے اور دوسری دفعہ جمع کی طرف اشارہ فرماتے

ہوتے کہتے جلاتے تھے :-

”اے اللہ! خلق خدا کی گواہی سن لے۔ اے اللہ! خلق خدا کا

اعتراف سن لے۔ اے اللہ! ان لوگوں کی گواہی پر گواہ رہو۔“

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-

”جو لوگ موجود ہیں، وہ ان لوگوں تک جو موجود نہیں ہیں، میری

تعلیمات اور نصائح پہنچاتے رہیں۔ تاکہ جو لوگ موجود نہیں ہیں ان پر بھی

اتمام حجت ہو جائے، اور وہ غیر موجودگی کے عذر سے حضور حق تعالیٰ

لا علمی کا اظہار نہ کریں!“

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وفاتِ صدیق

حضرت ابو بکر صدیقؓ کے فضائل کوئی گنوائے بھی تو کہاں تک گنوائے اور ان کی فضیلت و عظمت کے لئے کیا رسولِ اکرمؐ کا یہ ارشاد ہی کافی نہیں کہ "مگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو ابو بکر صدیقؓ ہوتا" اور آپ کی یہ شان اس لئے بھی قابلِ قبول ہے کہ پیغمبر کے بعد دوسرا رتبہ صدیق ہی کا ہے۔ شرعی اصطلاح میں "صدیق" سے مراد ہے ایک ایسا شخص جو اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات، صداقتِ پیغمبر، کتاب اللہ، شر و نشر اور جزا و سزا پر مستقل اور غیر متزلزل یقین و ایمان رکھتا ہو، اور بذاتِ خود یوٹھنوں یا غیب کی علی تفسیر ہو۔ چنانچہ صدیق اکبرؓ میں یہ صفات بدرجہ اتم موجود تھیں۔ تمام مذکورہ چیزوں پر تو وہ ایمان محکم رکھتے ہی تھے، لیکن چونکہ واقعہ معراج کی ایک جداگانہ

حیثیت تھی، لہذا کفار نے اس خرق عادت کا فائدہ یوں اٹھایا کہ اس کے ذریعے
 سب سے پہلے آپ کے ایمان کو متزلزل کرنا چاہا، اور بولے وہ بولے تیرا نبی بہکی
 بہکی باتیں کہنے لگا ہے اور کہتے ہیں کہ میں راتوں رات ہفت افلاک اور حنت و
 موزخ کی سیر کرتا ہوں۔ کیا خیال ہے تیرا بچا آپ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم جو کچھ فرماتے ہیں، بالکل درست ہے۔ میں ان کے مشاہدات و اطلاعات
 پر ناویدہ ایمان رکھتا ہوں۔“

الغرض ایمان بالغیب اور یقین محکم کا یہی مقام بلند ہے جو انہیں سب پر امتیاز
 بخشا ہے۔ اسلام کی نشر و اشاعت کے لئے آپ کی قربانیاں بے مثل ہیں۔ جب
 آپ حضرت علی اللہ علیہ وسلم نے پیام دین کے لئے مالی امداد چاہی تو یہ سمجھی کچھ اٹھالائے
 پوچھا گیا کہ اپنا بل و عیال کے لئے کچھ رکھ لیا نہیں، تو فرمایا: مان کے لئے اللہ اور
 اس کا رسول کافی ہیں۔“

پہانے کو چراغ ہے، بلب کو پھول بس

صدیق کے لئے ہے خدا کا رسول بس (واقبال)

مزید برآں آپ کی ایک بہت بڑی سعادت و خوش نصیبی یہ ہے کہ آپ
 کی دختر نیک اختر (عائشہ صدیقہ) امام الانبیاء کی زوجہ تھیں، اور ان سے احادیث
 نبوی کا ایک بہت بڑا ذخیرہ مروی ہے جسے سیرت نبوی کا اسم مخزن کہنا چاہئے
 اب اسی صدیق اکبر کے ایام کا عکس ملاحظہ فرمائیے جس نے اپنا تن من، دھن،
 ملت بیضار کے فروغ و ارتقاء کے لئے وقف کر رکھا تھا۔

ابن شہاب فرماتے ہیں کہ حضرت صدیق اکبر کے پاس مدیر میں گوشت آیا

تھا۔ آپ حارث بن کلاہ کے ساتھ اس کو تناول فرما رہے تھے، کہ حارث نے کہا: یا امیر المؤمنین! آپ نہ کھائیں مجھے اس میں زہر کی آمیزش کا اشتباہ ہو رہا ہے۔ آپ نے ہاتھ کھینچ لیا، مگر اسی روز سے دونوں صاحب مضمحل رہنے لگے۔

۷ جمادی الآخر و شنبہ ۱۳ صبح ہی کو آپ نے غسل فرمایا تھا۔ اسی روز سردی سے بخار ہو گیا، اور پھر نہیں سنبھلے۔ جب تک جسم پاک میں توانائی باقی تھی۔ مسجد نبوی میں تشریف لائے رہے اور نماز پڑھتے رہے۔ لیکن جب مرض نے غلبہ پا لیا تو حضرت عمر کو بلا کر ارشاد فرمایا: ”اے اللہ! آپ نماز پڑھایا کریں۔“ بعض صحابہ نے حاضر ہو کر عرض کیا: ”اگر آپ اجازت دیں تو ہم کسی طبیب کو بلا کر آپ کو دکھائیں فرمایا: ”طبیب نے مجھے دیکھ لیا ہے۔“ وہ پوچھنے لگے: ”اس نے کیا کہا ہے؟“ آپ نے فرمایا: ”إِنِّي نَعَالٌ لِّمَا يَرِيْدُ“ وہ کہتا ہے ”میں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں۔“

جب طبیعت زیادہ کمزور مضمحل ہو گئی تو آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین کی فکر ہوئی۔ آپ چاہتے تھے کہ مسلمان کسی طرح فتنہ اختلاف و نفاق سے محفوظ رہیں، لہذا فیصلہ کیا کہ اہل الرائے صحابہ کے مشورہ سے خود نبی مزیگی کر دیں پہلے آپ نے عبدالرحمان بن عوف کو بلایا اور پوچھا: ”عم کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟“ انہوں نے عرض کیا: ”آپ ان کی نسبت جتنی بھی اچھی رائے قائم کر لیں ہمیں نزدیک وہ اس سے بھی بہتر ہے۔ ہاں، ان میں کسی قدر تشدد ضرور ہے۔“ حضرت صدیق نے جواب میں فرمایا: ”ان کی سختی اس لئے تھی کہ میں نرم تھا۔ جب ان پر ذمہ داری پہنچائے گی تو وہ ان خود نرم ہو جائیں گے۔“ حضرت عبدالرحمان بن عوف رخصت ہو گئے تو حضرت عثمان کو طلب فرمایا اور لائے دریافت کی حضرت عثمان نے

عرض کیا "آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں" فرمایا پھر بھی آپ کی کیا رائے ہے؟
 عرض کیا "میں اس قدر کہہ سکتا ہوں کہ عمر کا باطن ظاہر سے اچھا ہے، اور ان کی
 مثل ہم لوگوں میں کوئی نہیں" اسی طرح حضرت سعید بن زید اور اسید بن حضیر سے
 بھی استفسار فرمایا حضرت اسید نے کہا "عمر کا باطن پاک ہے، وہ نلو کاروں
 کے دوست اور بدول کے دشمن ہیں مجھے خدمت اسلام کے لئے ان سے زیادہ
 قوی اور مستعد شخص نظر نہیں آتا"

وصیت نامہ :-

تجیل مشورت کے بعد آپ نے حضرت عثمان کو طلب کیا اور فرمایا: "محمد نامہ
 خلافت لکھئے" ابھی چند سطور لکھی گئی تھیں کہ آپ کو غش آگیا حضرت عثمان نے
 یہ کیفیت دیکھ کر یہ الفاظ اپنی طرف سے لکھ دیئے کہ میں عمر کو خلیفہ مقرر کرتا ہوں"
 تھوڑی دیر کے بعد سوش آیا تو حضرت عثمان سے فرمایا "جو کچھ لکھا ہے مجھے پڑھ
 کر سناؤ" حضرت عثمان نے ساری عبارت پڑھ دی تو بے ساختہ اللہ اکبر پکار اٹھے
 اور کہا "خدا کے تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے" جب وصیت نامہ تیار ہو گیا
 تو حضرت عثمان اور ایک انصاری کے ہاتھ مسجد نبوی میں بھیج دیا تاکہ مسلمانوں کو
 سناویں اور خود بھی بالا خانے پر تشریف لے گئے۔ شدت غنوف کے باعث اپنے
 قدموں پر کھڑے نہیں ہو سکتے تھے لہذا ان کی دختر نیک اختر حضرت اسماء روڑوں ہاتھوں سے
 سنبھالے ہوئے تھیں نیچے آدمی جمع تھے انہیں مخاطب کر کے فرمایا:۔
 "در کیا تم اس شخص کو قبول کرو گے جسے میں تم پر خلیفہ مقرر کروں؟" خدا کی قسم!

میں نے غور و فکر میں فدا پر ابر کئی نہیں کی۔ اس کے علاوہ میں نے اپنے کسی قریب و عزیز کو بھی تجویز نہیں کیا۔ میں عمر بن خطاب کو اپنا جانشین مقرر کرتا ہوں جو کچھ میں نے کیا ہے اسے تسلیم کر لو۔

وصیت نامہ کے الفاظ یہ تھے :-

”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ یٰ اَبُو بکرِ بِنِ ابِی قَحَافَةَ کَا وَصِیْتِ نَامِہِ ہِیْ اَبُو
اس نے آخر وقت دنیا میں، جبکہ وہ اس جہاں سے کوچ کر رہا ہے، اور
شروع وقت آخرت میں جبکہ وہ عالم بالا میں داخل ہو رہا ہے، قلب بند کرایا
ہے۔ یہ ایسے وقت کی نصیحت ہے جس وقت کافر ایمان لے آتے ہیں، بدکار
سنجیدل جلتے ہیں، بھوٹے حق کے روبرو گردن جھکا دیتے ہیں، اپنے
بعد عمر بن خطاب کو تم پر امیر مقرر کیا ہے، لہذا تم ان کا حکم سننا اور اطاعت
کرنا۔ میں نے اس معاملے میں خدا کی، رسول کی، اسلام کی، خود اپنی، اور آپ
لوگوں کی خدمت و پرہیز کا پورا لحاظ رکھا ہے، اور کوئی کوتاہی نہیں کی۔ اب
اگر عمر عدل کریں گے تو ان کے متعلق میرا علم اور حسن ظن یہی ہے۔ اگر وہ بدل
چاہیں تو ہر شخص اپنے کئے کا پورا بدو ہے۔ میں نے جو کچھ بھی کیا ہے، نیک نیتی
سے کیا ہے، اور غیب کا علم سوائے خدا کے اور کسی کو نہیں ہے۔ جو لوگ
ظلم کریں گے، وہ اپنا انجام جلد دیکھ لیں گے، والسلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔“
اس کے بعد آپ نے حضرت عمرؓ کو خلوت میں بلایا، اور مناسب وصیتیں کیں
پھر ان کے لئے یارگاہ و خداوندی میں دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے اور کہا :-
خداوند! میں نے یہ انتخاب اس لئے کیا ہے کہ مسلمانوں کی بھلائی ہو، مجھے

یہ خوف تھا کہ وہ کہیں فتنہ نفاق و فساد میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ اسے مالک ابو کعبہ میں لے گیا
 ہے تو اسے بہتر جانتا ہے میرے غور و فکر نے یہی رائے قائم کی تھی اور اس میں نے ایک
 ایسے شخص کو والی مقرر کیا ہے جو میرے نزدیک سب سے زیادہ مستقل مزاج ہے، اور
 سب سے زیادہ مسلمانوں کی بھلائی کا آرزو مند ہے۔ اسے اللہ میں تیرے حکم سے اس
 ذیل کے نافی کو چھوڑتا ہوں۔ اب تیرے بندے تیرے حوالے۔ وہ سب تیرے بندے
 ہیں، ان کی باک تیرے ہاتھ میں ہے۔ یا اللہ مسلمانوں کو صالح حاکم عنایت فرما، اور
 عمر کو خلفائے راشدین کی صف میں جگہ عطا کر، اور اس کی رعیت کو صلاحیت سے
 بہرہ مند فرما۔“

یہ حضرت صدیق اکبرؓ کی ولایت و قبولیت کا اعجاز تھا کہ اس قدر الم کٹھن اور پیچیدہ
 معاملہ اس قدر سہولت اور خوش اسلوبی سے طے ہو گیا۔ پہلے اور پچھلے مسلمانوں کا یہ
 فتوے ہے کہ خلافت پر عمر فاروقؓ کا تقرر حضرت صدیق اکبرؓ کا اسلام اور امت مسلمہ پر
 اتنا بڑا احسان ہے کہ قیامت تک اس کی مثال نہیں مل سکتی حضرت عمرؓ نے اپنی
 خلافت کے چند سالوں میں جو کچھ کیا اس کی صحیح حیثیت یہ ہے کہ اسلام کی طاقت
 فرش زمین پر بکھری پڑی تھی، آپ کے سے بچا کر کے بائیں طور منظم و مستحکم کیا کہ عرش عظیم
 تک پہنچا دیا۔

حضرت عائشہ صدیقہ قرانیہ ہیں کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے غابہ کی ۲۰ و سق
 کھجوریں مجھے سبہ کر دی تھیں۔ جب مرض کا غلبہ ہونے لگا تو ارشاد فرمایا: بیٹی ہیں
 تمہیں ہر حال میں خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔ تمہارے افلاس سے مجھے دکھ ہوتا ہے
 اور تمہاری خوش حالی سے مجھے راحت ملتی ہے۔ غابہ کی جو کھجوریں میں نے سبہ

کی تقسیم اگر تم نے ان پر قبضہ کر لیا ہو تو شیر اور نہ میری موت کے بعد وہ کھجوریں میرا ترکہ ہوں گی۔ تمہارے دوسرے دو بہن بھائی ہیں۔ ان کھجوروں کو از روئے قرآن ان سب میں تقسیم کرو پنا۔ حضرت صدیق نے فرمایا ”اے بزرگ باپ! میں آپ کے حکم کی تعمیل کروں گی۔ اگر اس سے بہت زیادہ مال بھی ہوتا تو میں اسے آپ کے ارشادِ نبویؐ سے چھوڑ دیتی۔“

وفات سے کچھ عرصہ پہلے ارشاد فرمایا: ”بیت المال کے وظیفہ کا حساب کیلئے اور بتایا جائے کہ میں نے آج تک کیا وصول کیا ہے۔ حساب کیا گیا تو معلوم ہوا کہ کل چھ ہزار دسھم ادا کئے گئے ہیں۔ ارشاد فرمایا: ”میری زمین فروخت کر کے یہ تمام رقم ادا کر دی جائے۔ اسی وقت زمین فروخت کی گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے بھائی کے ایک ایک مال کو بیت المال کے بارے سے سبکدوش کر دیا گیا۔ جب یہ ادا ہو چکی تو ارشاد فرمایا تحقیقات کی جائے کہ خلافت قبول کرنے کے بعد میرے سال میں کچھ اضافہ ہوا ہے یا معلوم ہوا کہ پہلا اضافہ ایک حبشی غلام کا ہے جو بچوں کو کھلاتا ہے اور مسلمانوں کی تلواروں کو معیقل بھی کرتا ہے۔ دوسرا اضافہ ایک اونٹنی ہے جس پر پانی لایا جاتا ہے۔ تیسرا اضافہ ایک سواری کی چادر ہے۔ ارشاد فرمایا کہ میری وفات کے بعد یہ تینوں چیزیں خلیفہ وقت کے پاس پہنچا دی جائیں۔“

رحلتِ مبارک کے بعد جب یہ سامان امیر المومنین حضرت فلق کے سامنے لایا گیا تو آپ روپے اور فرمایا: ”اے ابو بکر! تم اپنے جانشینوں کے واسطے کلام بہت دشوار کر گئے ہو۔“

حضرت صدیق اکبر کی حیاتِ پاک کا آخری دن تھا کہ حضرت عثمان غنی نائب سپہ سالار

عراق اپنے لیے۔ اس وقت حضرت امیر المومنین جان کئی کے آخری مراحل سے گزر رہے تھے۔ مثنیٰ کی آمد معلوم ہوئی تو کسی خطرے کا احساس کرنے کے انہیں اسی وقت بلا بھیجا۔ انہوں نے محاذ جنگ کے تمام حالات تفصیل سے بیان کئے اور کہا کہ کسریٰ نے اپنی تازہ دم فوجیں محاذ عراق پر بھیج دی ہیں۔ حالات سن کر آپ نے اسی وقت حضرت عمر فاروق کو طلب کیا اور فرمایا مد عمر جو کچھ میں کہتا ہوں اسے سنو اور اس پر عمل کرو۔ مجھے امید ہے کہ کج میری زندگی ختم ہو جائے گی۔ اگر دن میں میرا دم نکلے تو شام سے پہلے اور اگر رات میں نکلے تو صبح سے پہلے مثنیٰ کے لئے ملک بھیج دینا۔ عمرؓ ایسی ہی مصیبت کی وجہ سے دین اسلام کی خدمت اور حکم ربانی کی تعمیل کو کل پرستوی نہ کرنا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے بڑھ کر ہمارے لئے اور کونسی مصیبت ہو سکتی تھی۔ مگر تم نے دیکھا اس روز جو کچھ میں نے کرنا تھا میں نے کر دیا۔ خدا کی قسم! اگر میں اس روز حکم خداوندی کی تعمیل سے غافل ہو جاتا تو اللہ تعالیٰ ہم پر تباہی کی سزا مسلط کر دیتا۔ اور مدینہ کے گوشے گوشے میں فساد کی آگ بھڑک اٹھتی مگر اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو شام میں کامیاب عطا فرمائے تو پھر خالد کی فوجوں کو عراق کے محاذ پر بھیج دینا اس لئے کہ وہ آزمودہ کا بھی ہیں، اور عراق کے حالات سے باخبر بھی ہیں۔

انتقال کے روز دریافت فرمایا: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کس روز رحلت فرمائی تھی؟ حاضرین نے کہا: دو شنبہ کے روز۔ ارشاد فرمایا: تو میری آرزو بھی یہی ہے کہ میں آج رخصت ہو جاؤں۔ اگر اللہ تعالیٰ اسے پورا کر دے تو میری قبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرقد مبارک کے پاس بنائی جائے۔ اب وفات کا وقت قریب آ رہا تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ سے دریافت فرمایا: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

گو کہتے کپڑوں کا کفن دیا گیا تھا؟ عرض کیا "تین کپڑوں کا" ارشاد فرمایا: میرے کفن میں بھی تین کپڑے ہوں۔ یہ دو چادریں جو میرے بدن پر ہیں وھولی جائیں اور ایک کپڑا بنالیا جائے! یہ سن کر حضرت صدیق نے درود مندانہ فرمایا ابا جان! ہم اس قدر غریب نہیں ہیں کہ آپ کے لئے نیا کفن بھی نہ خرید سکیں! ارشاد فرمایا: "بیٹی نے کپڑے کی مڑوں کی نسبت زندوں کو زیادہ ضرورت ہے۔ میرے لئے ہی پٹا پرانا ٹھیک ہے۔"

موت کی ساعتیں لمحہ بہ لمحہ قریب آرہی تھیں۔ حضرت عائشہ نے فرط رنج و الم میں ایک شعر پڑھا جس کا ترجمہ یہ ہے:-

”بہت سی نورانی صورتیں ہیں جن سے بادل بھی پانی مانگتے تھے۔ وہ تپتوں کے فریادیں تھے، اور سیاؤں کے لیشٹ پناہ تھے۔“

یہ سن کر حضرت صدیق نے آنکھیں کھول دیں اور فرمایا: میری بیٹی! یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تھی!

حضرت عائشہ نے دوسرا شعر پڑھا:-

”قسم ہے تیری عمر کی جب موت کی چکی لگ جاتی ہے، تو پھر کوئی زرد مال کا نہیں دیتا۔“

یہ سن کر ارشاد فرمایا: میں نہیں، بلکہ اس طرح کہو: جَاءَتْ سَكْرَةَ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ذَاكَ مَا كُنْتَ هَمَّتْ حَيْدُ رَأْيِ تَرْفِيهِ اِيعْنِ مَوْتَ كِي بِهَوْنِي كَا وَقْتُ اَكْتَا
یہ وہی وقت ہے جس سے تم بھاگتے تھے۔“

آپ کی حیات پاک کا خاتمہ اس کلام پر ہوا: رَبِّ تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَاَلْحَقْنِي بِالصَّالِحِينَ۔ اے اللہ! مجھے سچا مسلمان ہونے کی حالت میں مار اور

اپنے نیک بندوں میں شامل کرے

جب روح اقدس نے پروانگی تو ۲۲ جمادی الآخر ۱۳ھ کی تاریخ تھی سو شہنشاہ
 کا فن تھا۔ عشر اور مغرب کا درمیانی وقت عمر شریف ۶۳ سال تھی۔ ایام خلافت
 دو برس تین مہینے اور گیارہ دن۔ آپ کی زوجہ محترمہ حضرت اسماء بنت عمیس
 غسل دیا۔ حضرت عبدالرحمان بن ابوبکر مجسم اطہر پر پانی بہاتے تھے حضرت عمر فاروق
 نے نماز جنازہ پڑھائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرقد مبارک کے ساتھ قبر شریف
 اس طرح کھودی گئی تھی کہ آپ کا سر مبارک حضرت رحمۃ للعالمین کے گوش پاک
 ساتھ ہے اور قبروں کے تعویذ برابر برابر آجائیں حضرت عمرؓ حضرت طلحہؓ حضرت
 عثمانؓ اور حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ نے میت پاک کو حجر میں اتارا، اور ایک ایسی
 برگزیدہ شخصیت کو جو رسول دو جہان کے بعد امت مسلمہ کی نسبت سے زیادہ مقبول
 محبوب، بزرگوار اور متقی شخصیت تھی ہمیشہ کے لئے چشم جہاں سے اوجھل کر دیا۔
 إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شہادتِ فاروق

مشیت الہی کی کرشمہ سازیاں دیکھو کہ جو شخص زمانہ کفر میں اسلام اور
مسلمانوں کا سب سے زیادہ دشمن تھا، اور انہیں قطعی نیست و نابود کرنا چاہتا
تھا، وہ شخص جب داعی اسلام کو قتل کرنے کے لئے نکلتا ہے، تو خود مقتول
حق و صداقت ہو کر بے اختیار ان کے قدموں میں گر پڑتا ہے، اور قبول اسلام کے
بعد ملت بیضا کے فروغ و ارتقار اور نشر و اشاعت اسلام میں وہ فیصلہ المثل
خدمات انجام دیتا ہے کہ تمام صحابہ کے لئے باعثِ رشک بن جاتی ہیں!
حبیب نبی الرحمت نے حضرت عمرؓ کو فاروقؓ کا لقب عطا فرمایا تھا تو اس کا مطلب
مقتدی بیٹھا کہ آپ نے قبول اسلام کے بعد حق و باطل کے درمیان عملی طور
پر ایک فرقِ عظیم پیدا کر دیا، اور خیر و شر کو ایک واضح امتیاز بخشا۔ اسی بنا پر
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ الْحَقُّ يَنْطَلِقُ عَلَى لِسَانِ عُمَرَ بْنِ

روحی تعالیٰ عمر فاروق کی زبان سے بولتا ہے "اس کا بین ثبوت یہ ہے کہ بار
 وحی حضرت عمرؓ کی تجاویز و آرا کی تائید میں نازل ہوئی۔ اس صاحب جلال و جبروت
 ہستی کے رعب و ہیبت کا یہ عالم تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو
 راستے سے عمر گزرتا ہے، اس راستے سے شیطان فوراً بھاگ جاتا ہے۔"
 علاوہ ازیں عمر فاروقی عدل و مساوات اور اسلامی جمہوریت کا نہایت کامل
 اور عظیم ترین نمونہ تھا۔ آزادی رائے اور آزادی تنقید و احتساب کی یہ کیفیت
 تھی کہ ایک بڑھیا اور ایک معمولی بدوی بھی خجرات بے باکی سے فاروق اعظم
 کے قول و فعل پر معترض ہوتے تھے، اور پھر ان سے کسی آمرانہ جبر و قہر کا رتہ توڑنے
 بغیر ان کا اطمینان بھی کروا جاتا تھا۔ خدمتِ خلق اور اعانتِ مساکین کا جذبہ آپ
 میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، جس کے تحت سامانِ خور و نوش اپنی پیٹھ پر لاؤ
 لاؤ کر بیوگان و یتیمی کے گھر پہنچاتے تھے اور قحط کے ایام میں اس فکر و تشویش سے
 دوتے دوئے رخصاروں میں گڑھے پڑ گئے کہ روزِ قیامت حضورِ حق رحایا کے متعلق
 پرسش ہوگی۔ امیر المومنین سفیریت المقدس اختیار کرتے ہیں تو غلام سے
 تقاضا کرتے ہیں کہ وہ اونٹ پر باری باری سوار ہو۔ الغرض خدمتِ خلقِ عدل و
 مساوات، اور صحیح اسلامی جمہوریت کے قیام و انصرام میں آج تک آپ کی مثال
 پیدائش ہو سکی۔ آپ کے اکثر ہم عصر لوگوں کو بھی یہ شکایت تھی کہ آپ کے مزاج
 میں قہر و جلال اور شدت و جبروت بہت زیادہ ہے اور بات بات پر آپ کی
 تیغ بے نیام ہو جاتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ آپ کا قہر و جلال ذاتی اغراض و مقاصد
 کے لئے تھا، یا غیرتِ حق کے تحت اسلام اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے

اریخی حقائق کے تحت اَحِبُّ لِلّٰهِ وَالْبِعْضُ لِلّٰهِ اَمَّكَ مَصَاقِقِ اَبِیْ كِبَارِیْسِ
 مَسِیْ كَسْ لَسْمَیْ وَ شَفَقَتِ تَهْمِیْ تُو خَالِصَتَا رِضَا اللّٰهِ كَسْ لَسْمَیْ، اَوْدَا كَرَا اَبِیْ كَسِیْ یَرِ
 جِیْرُ و نَشْرُ و بَرْتَسْتِ تَهْمِیْ، تُو و هِیْ صَرَفِ رِضَا لَسْمَیْ اللّٰهِ كَسْ لَسْمَیْ اَبِیْ كَسْمَیْ اِن تَمَامِ
 حَبِیْثِ و شَرَا كِبِیْرِ عِنَا مَسْ كِیْ یَسْخِ كَسْمِیْ پَرْتَسْمَیْ رَسْمِیْ تَهْمِیْ جُو كَسْمِیْ یَكْسِیْ طَرِیْحِ اِسْلَامِ اَوْدَا مَسْ كِیْ
 كُو ضَعْفِ پَنچَا تَسْمِیْ یَا كِتَابِ اللّٰهِ كِیْ غَلَطِ تَا وِیْلَاتِ سَمِیْ عَوَامِ النَّاسِ كُو كَمْرَاهِ كَرْتَسْمِ
 ہوں۔

سیرت فاروقی کے اس مجل سے تذکرہ کے بعد آپ کی زندگی کے آخری ایام

کی کیفیت ملاحظہ ہو۔

۳۳ھ میں کرمان، سبستان، مکران اور صغہان کے علاقے فتح ہوئے۔ گویا
 سلطنت اسلامی کی حدود مصر سے بلوچستان تک وسیع ہو گئیں۔ اسی سال آپ نے
 آخری حج فرمایا۔ حج سے واپس تشریف لارہے تھے کہ راہ میں ایک مقام پر ٹھہر
 گئے اور بہت سی کنکریاں جمع کر کے ان پر چادر بچھائی۔ پھر چیت لیٹ کر آسمان کی
 طرف ہاتھ اٹھائے اور دعا کرنے لگے۔

و خداوند ا! اب میری عمر زیادہ ہو گئی ہے، میرے قومی کمزور پڑ گئے ہیں، اور
 میری رعایا سہر جگہ پھیل گئی ہے۔ اب تو مجھے اس حالت میں اٹھانے کے میرے اعمال
 برباد نہ ہوں، اور میری عمر کا پیمانہ اعتدال سے متجاوز نہ ہو۔

ایک دن کعب بن جبار نے کہا: "میں توراہ میں دیکھتا ہوں کہ آپ شہید ہو گئے

یعنی مومن کی محبت اور عداوت صرف رسل کے الٰہی کے لئے ہوا کرتی ہے۔"

آپ نے فرمایا: "یہ کیسے ممکن ہے کہ عرب میں رہتے ہوئے شہید ہو جاؤں؟ پھر دعا فرمائی: "اے خداوند! مجھے اپنے رشتے میں شہادت عطا فرما، اور اپنے محبوب بنی کے مدینہ کی حدود کے اندر پیغامِ اجل ارزانی فرما۔"

ایک دفعہ خطبہ جمعہ میں آپ نے ارشاد فرمایا: "میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ ایک مرغ آیا ہے اور مجھ پر ٹھونگیں مار رہا ہے۔ اس کی تعبیر یہی ہو سکتی ہے کہ اب میری موت کا زمانہ قریب آ گیا ہے۔ میری قوم مطالبہ کر رہی ہے کہ میں اپنا ہاتھین مقرر کر دوں۔ یا درکھو کہ میں نہ تو موت کا مالک ہوں نہ دین و خلافت کا۔ اللہ تعالیٰ اپنے دین اور خلافت کا خود محافظ ہے۔ وہ انہیں کبھی نہیں ضائع کریگا۔"

زہری کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ کوئی مشرک جو بالغ ہو، مدینہ منورہ میں داخل نہیں ہو سکتا۔ اس سلسلہ میں حضرت مغیرہ بن شعبہ گورنر کو فونے آپ کو لکھا کہ "یہاں کو فونے میں فیروز نامی ایک بہت ہوشیار نوجوان ہے، اور وہ نقاشی، نجاری اور آہن گری میں بڑی مہارت رکھتا ہے اگر آپ اسے مدینہ میں داخلے کی اجازت دیں تو وہ مسلمانوں کے بہت کام آئے گا۔" حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ اس کو بھیج دیا جائے۔ فیروز نے مدینہ پہنچ کر شکایت کی کہ "مغیرہ بن شعبہ نے مجھ پر بہت زیادہ ٹیکس لگا رکھا ہے۔ آپ اس میں تخفیف کرا دیں۔" حضرت عمرؓ نے پوچھا: "کتنا ٹیکس ہے؟" فیروز نے جواب دیا: "دو سو روپے روزانہ رسالت آنے اور حضرت عمرؓ نے دریافت کیا: "تمہارا پیشہ کیا ہے؟" فیروز نے کہا: "نجاری، نقاشی اور آہن گری۔" حضرت عمرؓ نے فرمایا: "ان صنعتوں کے مقابلہ میں یہ رقم زیادہ نہیں ہے۔" فیروز کے لئے یہ جواب ناقابل برداشت تھا لہذا وہ بغض و عناد سے لبریز چلا گیا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ امیر المؤمنین میرے سوا ہر شخص

سے انصاف کرتے ہیں۔

چند روز کے بعد حضرت عمرؓ نے اُسے پھر یا فرمایا اور پوچھا: میں نے سنا ہے کہ تم ایک چکی تیار کر سکتے ہو جو ہول سے چلے۔ فیروز نے ترشروٹی سے جواب دیا کہ میں نہ دے لے ایک ایسی چکی تیار کروں گا جسے یہاں کے لوگ کبھی نہیں بھولیں گے۔

فیروز خست ہو گیا تو آپ نے فرمایا: یہ شخص مجھے قتل کی دھمکی دے گیا ہے، چنانچہ وہ دوسرے روز ایک دو دوہارا خنجر جس کا قبضہ وسط میں تھا، آستین میں چھپائے ہوئے صبح سویرے مسجد کے گوشے میں آ بیٹھا۔ مسجد میں کچھ لوگ صفیں سیدھی کونے پر مقرر تھے جب وہ صفیں سیدھی کر لیتے تھے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لاتے اور امامت کرتے تھے۔ اس روز بھی اسی طرح ہوا جب صفیں سیدھی ہو چکیں تو حضرت عمرؓ امامت کے لئے آگے بڑھے اور جونہی نماز شروع کی، فیروز نے دفعتاً گھات میں سے نکل کر چھوڑا کئے، جن میں ایک ناف کے نیچے پڑا۔ دنیا نے اس دردناک حالت میں بھی خدا پرستی کا ایک عجیب نظارہ دیکھا۔ اس وقت جب حضرت عمرؓ اپنے قدموں پر گر رہے تھے، آپ نے حضرت عبدالرحمان بن عوف کا ہاتھ پکڑ کر اپنی جگہ پر کھڑا کر دیا، اور بنو وہب میں زخموں کے صدمہ سے زمین پر گر پڑے۔ حضرت عبدالرحمان بن عوف نے اس حالت میں نماز پڑھائی کہ امیر المؤمنین حضرت فاروقؓ نے سانس پڑے پڑے ٹپ سے تھے۔ فیروز نے راہ گریزا اختیار کرتے ہوئے لعین اور لوگوں کو بھی زخمی کیا، لیکن آخر وہ پکڑا گیا اور اسی وقت اس نے خودکشی کر لی۔ بعد ازاں حضرت عمرؓ کو اٹھا کر گھر لایا گیا۔ آپ نے سب سے پہلے یہ دریافت فرمایا کہ میرا قاتل کون تھا؟ لوگوں نے عرض کیا فیروز۔ اس جواب سے چہرہ مبارک پر لبثا شت ظاہر ہوئی،

اور فرمایا: الحمد للہ کہ میں کسی مسلمان کے ہاتھ سے قتل نہیں ہوا۔ لوگوں کا خیال تھا کہ زخم چنڈاں کاری نہیں ہے، لہذا شفا ہو جائے گی۔ چنانچہ ایک طیب بلا یا گیا۔ اس نے نبیؐ اور دو دھڑ پلایا، مگر یہ دونوں چیزیں زخم کی راہ سے باہر آگئیں۔ اس سے تمام مسلمانوں پر افسردگی اور مایوسی طاری ہو گئی، اور وہ سمجھے کہ اب حضرت عمرؓ جاننا نہ ہو سکیں گے۔

رنجیدہ و مضطرب مسلمان آپ کی عیادت کے لئے آتے تھے، اور بے اختیار آپ کی تعریفیں کرتے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ آئے اور بے اختیار آپ کے فضائل و اوصاف بیان کرنے لگے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: اگر آج میرے پاس دنیا بھر کا سونا بھی موجود ہوتا تو میں اسے خوفِ قیامت سے دستکاری حاصل کرنے کے لئے قربان کر دیتا۔

جب تک حضرت عمر فاروقؓ عظیم مسلمانوں کی آنکھ کے سامنے تھے، انہیں نئے انتخاب کا تصور تک نہیں ہوا۔ وہ یوں سمجھتے تھے کہ شاید اسلام کا یہ سب سے بڑا خادم پویشی عرصہ و ماز تک امت رسولؐ کی خدمت و حفاظت کرتا رہے گا۔ لیکن جب عمر فاروقؓ ناگہان بستر پر پڑ گئے تو مسلمانوں کو پہلی دفعہ اپنی بے بسی اور اسلام کی تنہائی کا احساس ہوا۔ اب ہر مسلمان کو سب سے پہلی فکر یہی تھی کہ حضرت عمرؓ کے بعد اس امت کا محافظ کون ہوگا؟ جتنے بھی لوگ خبر گیری کے لئے آتے تھے، یہی عرض کرتے تھے: امیر المؤمنین! آپ اپنا جانشین مقرر کیے جاتے ہیں؟ آپ مسلمانوں کا یہ تقاضا سنتے تھے اور چپ ہو جاتے تھے۔ آخر ارشاد فرمایا: کیا تم یہ چاہتے ہو کہ بعد موت بھی یہ بوجھ میرے ہی کندھوں پر رہے؟ یہ نہیں ہو سکتا۔ میری

آرزو صرف یہی ہے کہ میں اس مسئلہ سے اس طرح الگ ہو جاؤں کہ میرے عذاب و ثواب کے دونوں پلڑے برابر رہ جائیں۔ حضرت فاروق اعظم نے انتخابِ خلافت کے مسئلہ پر مدتوں غور فرمایا تھا، اور وہ اکثر اس موضوع پر سوچا کرتے تھے۔ لوگوں نے متعدد مرتبہ ان کو اس حالت میں دیکھا تھا کہ سب سے الگ متفکر بیٹھے ہوئے ہیں اور کچھ سوچ رہے ہیں۔ دریافت کیا جاتا تو ارشاد فرماتے: "میں خلافت کے معاملہ میں حیران ہوں اور سمجھ میں نہیں آتا کہ کسے منتخب کروں؟" بارہا غور و فکر کے بعد بھی ان کی نظر کسی ایک شخص پر پڑتی نہیں تھی۔ بارہا ان کے منہ سے ایک بے ساختہ آواز نکل جاتی تھی، اور فرماتے تھے: "افسوس مجھے اس بار کا کوئی اٹھانے والا نظر نہیں آتا۔"

ایک شخص نے کہا: آپ عبداللہ بن عمر کو خلیفہ کیوں نہیں مقرر کرتے؟ فرمایا: "میں نے اس شخص پر غارت کرے۔ واللہ میں نے کبھی خدا سے استدعا نہیں کی کہ میرا بیٹا خلیفہ بن جائے۔ کیا میں ایک ایسے شخص کو خلیفہ بنا دوں جس میں اپنی بیوی کو طلاق دینے کی بھی صحیح قابلیت موجود نہیں ہے؟"

اسی سلسلہ میں فرمایا: "میں اپنے ساتھیوں کو خلافت کی حرص میں مبتلا دیکھ رہا ہوں۔ ہاں اگر کج سالم مولیٰ، ابو خلیفہ، یا ابو عبیدہ بن جراح زندہ ہوتے تو میں اس کے متعلق کہہ سکتا تھا۔ آپ کے اس ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اسی کو زیادہ پسند فرماتے تھے کہ انتخابِ خلیفہ کے مسئلہ کو چھوڑے بغیر اس دنیا کو عبور کر جائیں۔ لیکن مسلمانوں کا اصرار روز بروز بڑھتا چلا گیا۔ آخر آپ نے فرمایا کہ "میرے انتقال کے بعد عثمان، علی، طلحہ، زبیر، عبدالرحمان بن عوف اور سعد بن وقاص تین دن کے اندر جس شخص کو منتخب کریں، اسی کو خلیفہ مقرر کیا جائے۔"

آپنے زندگی کے آخری لمحات میں اپنے صاحبزادے عبداللہ کو طلب فرمایا وہ
 حاضر ہوئے تو ارشاد فرمایا۔ وہ حاضر ہوئے تو ارشاد فرمایا یہ عبد اللہ حساب کرو کچھ
 پر قرض کتنا ہے؟ حساب لگا کر بتایا گیا کہ ۷۸ ہزار روپے۔ آپ نے فرمایا: یہ قرض آج
 کے سال سے ادا کیا جائے۔ اگر ان میں استطاعت نہ ہو تو خاندان عدی سے امداد لی
 جائے۔ اگر پھر بھی ادا نہ ہو تو کل قریش سے لیا جائے۔ لیکن قریشی کے علاوہ دوسروں
 کو تکلیف نہ دی جائے۔“

حضرت عمر کے غلام نافع سے روایت ہے کہ حضرت عمر پر قرض کیونکر نہ
 سکتا تھا جبکہ ان کے ایک وارث نے اپنا حصہ وراثت ایک لاکھ میں بچا ہوسری
 روایت ہے کہ حضرت عمر کا مسکونہ مکان بیچ ڈالا گیا جس کو امیر معاویہ نے خریدا
 اور قرض ادا ہو گیا۔

تصفیہ قرض کے بعد بیٹے سے فرمایا: ”تم ابھی ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ
 کے پاس جاؤ اور ان سے التماس کرو، عمر چاہتا ہے کہ اسے اپنے ورثہ میں سے پاس
 دینے کی اجازت دی جائے۔“ عبداللہ بن عمر نے آپ کا یہ پیغام حضرت عائشہ
 صدیقہ کو پہنچایا۔ تو وہ بے حد رونا دہنا ہوئیں اور فرمایا میں نے یہ جگہ اپنے لئے محفوظ رکھی تھی مگر
 آج میں عمر کو اپنی ذات پر ترجیح دیتی ہوں۔“ جب بیٹے نے آپ کو حضرت عائشہ کی
 منظوری کی اطلاع دی تو بے حد خوش ہوئے اور اس آرزو کی قبولیت پر نہایت
 خاص سے شکر یہ ادا کیا۔

اب آپ کی درود و اذیت میں اضافہ ہوتا چلا جاتا تھا۔ اسی حالت میں تمام حاضرین
 کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا: ”مجھ شخص خلیفہ مقرر ہو وہ پانچ جماعتوں کے حقوق کا

خاص طور پر لحاظ رکھے۔ مہاجرین کا، انصار کا، اعراب کا، ان اہل عرب کا جو دوسرے شہروں میں جا کر آباد ہوئے ہیں، اور اہل ذمہ کا۔ پھر ہر جماعت کے حقوق کی تشریح فرمائی اور اہل ذمہ کے متعلق ارشاد فرمایا: میں خلیفہ وقت کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے عائد کردہ ذمہ داریوں کا لحاظ رکھے، اور اہل ذمہ کے تمام معاہدات پورے کئے جائیں۔ ان کے دشمنوں سے لڑا جائے، اور انہیں طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دی جائے۔

انتقال سے تھوڑے عرصہ پہلے اپنے بیٹے عبداللہ سے ارشاد فرمایا: میرے کفن میں بے جا صرف نہ کرنا۔ اگر میں اللہ کے ہاں بہتر ہوں تو مجھے از خود بہتر لباس مل جائے گا۔ اگر بہتر نہیں ہوں، تو بہتر کفن بے فائدہ ہے۔

بعد ازاں فرمایا: میرے لئے لمبی چوڑی قبر نہ کھدوائی جائے۔ اگر میں اللہ تعالیٰ کے ہاں مستحق رحمت ہوں تو میری قبر از خود مدنگاہ تک وسیع ہو جائے گی، اگر مستحق رحمت نہیں ہوں تو قبر کی وسعت میرے عذاب کی تنگی کو دور نہیں کر سکتی۔ میرے جنازہ کے ساتھ کوئی عورت نہ چلے، اور مجھے مصنوعی عذات سے یاد نہ کیا جائے۔ جب میرا جنازہ تیار ہو جائے تو مجھے جلد سے جلد قبر میں پہنچا دیا جائے۔ اگر میں مستحق رحمت ہوں تو مجھے رحمت ایزدی تک پہنچانے میں سبزی کرنی چاہئے۔ اگر میں مستحق عذاب ہوں تو ایک بے آدمی کا بوجہ جس قدر جلد کندھوں سے اتار دینا چاہئے، اسی قدر بہتر ہوگا۔ ان دروانگیز و صایک کے تھوڑے ہی عرصہ بعد داعی اجل کو لبیک کہا۔

یہ ہفتہ کا دن تھا ۱۲ مارچ ۱۹۳۶ء۔ اس وقت عمر ۶۳ برس کی تھی۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی، حضرت عبدالرحمان، حضرت علی، حضرت عثمان، حضرت طلحہ

حضرت سعد بن وقاصؓ اور حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ نے قبر میں اتارا اور اس طرح ذیل کے اسلام کا وہ درخشندہ آفتاب جس نے ایمان محکم اسحق کوئی کسحق پرستی اور اخلاص عمل کی غیر تنہا ہی ضیا پاشیوں سے اقصائے عالم کو منور کر دیا تھا، حجتہ للعالمین کے پہلو میں ہمیشہ کے لئے سلا دیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مسلمانوں کو حضرت عمر فاروقؓ کی شہادت سے جو صدمہ ہوا، الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ ہر مسلمان نے اپنی عقل کے مطابق انتہائی رنج و الم کا اظہار کیا۔ حضرت ام ایمنؓ نے کہا: جس روز عمر شہید ہوئے اسی روز اسلام کمزور پڑ گیا۔ حضرت ابواسامہؓ نے کہا: حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ اسلام کے مائی باپ تھے۔ وہ گزر گئے تو اسلام یتیم ہو گیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان صفات کے لوگ مرتے نہیں، بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زندہ رہتے ہیں۔ موت ان کے لئے ہے جو ایمان محکم، اخلاص اور تقویٰ سے عاری ہوں۔



عَنْ عَبْدِ اللَّهِ
رَضِيَ اللَّهُ

شہادتِ عثمان

حضرت عثمان رضی اللہ عنہما نورین خلائقائے راشدین میں بجلائے خود منفرد صفات کے حامل تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شرم و حیا میں انہیں سب پر فضیلت دیتے تھے ایک مجلس میں صحابہ کرام موجود تھے اور حضور کے سابق مبارک سے کپڑا اونچا ہو گیا۔ پنڈلی کو فوراً ڈھانپ لیا اور فرمایا عثمان چلا آ رہا ہے۔ ایمان محکم، ایشیا اور خدمت خلق میں بھی بڑا رتبہ رکھتے تھے۔ آگے چل کر بالتفصیل ذکر آئے گا کہ حبیب منجی کی زمین تنگ تھی تو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر زمین خریدنے سے منع سے مسجد کے لئے وقف کر دیا۔ مدینہ طیبہ میں بیرونہ کے علاوہ میٹھے پانی کا کوئی کنواں نہ تھا، اور مسلمان روزانہ تلت آب سے تکلیفیں اٹھاتے تھے۔ آپ نے یہ کنواں خرید کر تمام مسلمانوں پر وقف کر دیا۔ چہاں کی غرض سے لشکرِ عسرت کا ساز و سامان آپ ہی نے مہیا اور آراستہ کیا تھا۔ اور آپ کے لئے یہ کتنی بڑی دلیلِ فضیلت ہے۔

ہے کہ جب رسول اللہ صلعم نے حدیبیہ کے مقام پر آپ کو اپنا سفیر بنا کر قریش کے پاس بھیجا تو اپنے ایک ہاتھ کو حضرت عثمان کا ہاتھ قرار دے کر خود ان کی طرف سے بیعت لی تھی۔ علاوہ ازیں باغیوں کے سامنے اپنے بیان کے مطابق آپ یہ ناقابل تردید حقائق پیش کرتے ہیں کہ "میں اسلام میں پہنچا مسلمان ہوں رسول اللہ نے مجھ سے اپنی صاحبزادی کا نکاح کیا۔ ان کا انتقال ہو گیا تو دوسری صاحبزادی نکاح میں مرحمت فرمائی۔ میں نے کبھی نہیں گایا۔ میں نے کبھی کسی گناہ کی خواہش نہیں کی۔ جس وقت سے میں نے رسول اللہ صلعم کی بیعت کی تھی، میں نے بربنائے احترام اپنا دایاں ہاتھ کبھی اپنی شرمگاہ کو نہیں لگایا۔ یہی جب سے مسلمان ہوا ہوں، میں نے ہر جمعہ کے دن ایک غلام آزاد کیا۔ میں نے زمانہ جاہلیت میں یا بعد قبول اسلام کبھی زنا نہیں کیا۔ میں نے زمانہ جاہلیت میں یا مسلمان ہونے کے بعد کبھی چوری نہیں کی۔ میں نے رسول اللہ صلعم کی حیات پاک ہی میں قرآن حفظ کر لیا تھا۔"۔

العرض آپ کے فضائل و مناقب بے شمار ہیں۔ اور آپ کی سب سے بڑی اور فقیدانہ مثال قربانی یہ ہے کہ باغیوں میں محصور ہو جانے کے بعد اپنے حامیوں اور جانباڑوں کی تعداد کثیر موجود ہوتے ہوتے بھی انہیں جنگ آزما ہونے کی اجازت نہ گزرنے دی، تاکہ امت میں فتنہ و فساد اور قتل و قتال کا باعث نہ بنیں، اور اسی مقدس نصب العین کی خاطر جاہم شہادت بلا تامل نوش فرمایا۔ تفصیلات ملاحظہ ہوں:

باغیوں کا ایک بہت بڑا گروہ، جن میں اکثریت فتنہ انگیز منافقین کی تھی، اور جو

اسی بنا پر آپ کو "ذوالنورین" کہا جاتا ہے۔

آپ پر اقربانواز می اور اسم عہدوں پر افراد کے غلط تعین کا الزام لگائے تھے، جب
 آپ کے مکان کا رخ صرہ کر بیٹھا، تو حضرت عثمان نے متعدد بار انہیں حقائق سمجھانے
 کی کوشش فرمائی۔ ایک دفعہ آپ محل سرائے کی چھت پر تشریف لے گئے، اور باغیوں
 کو مخاطب کر کے کہا، اے لوگو! وہ وقت یاد کرو جب مسجد نبوی کی زمین تنگ تھی
 اور رسول اللہ نے فرمایا تھا، کون ہے جو اللہ کے لئے اس زمین کو خرید کر مسجد کے
 لئے وقف کر دے، اور جنت میں اس سے بہتر جگہ کا وارث ہو؟ وہ کون تھا جس
 رسول اللہ کے اس حکم کی تعمیل کی تھی؟ آوازیں آئیں، آپ نے تعمیل کی تھی، پھر فرمایا
 کیا تم آج اسی مسجد سے مجھے نماز پڑھنے سے روکتے ہو؟ اور میں تمہیں خنک قسم
 دیتا ہوں کہ وہ وقت یاد کرو جب مدینہ میں بیرونہ کے سوا بیٹھے پانی کا کوئی کنواں نہ تھا
 اور تمام مسلمان روزانہ قلت آب سے تکلیفیں اٹھاتے تھے۔ وہ کون تھا جس نے
 رسول اللہ کے حکم سے اس کنویں کو خرید لیا اور عام مسلمانوں پر وقف کر دیا؟ آواز
 آئی، آپ نے وقف فرمایا تھا، حضرت عثمان نے فرمایا، تم آج اسی کنویں کے
 پانی سے مجھے روک رہے ہو؟ پھر فرمایا، شکر عسرت کا ساز و سامان کس نے آراستہ
 کیا تھا؟ لوگوں نے جواب دیا، آپ ہی نے، پھر آپ نے فرمایا، کیا تم صدق و اخلاص
 سے اس واقعہ کی تصدیق نہیں کر سکتے کہ جب ایک دفعہ رسول اللہ احد پہاڑ پر چڑھے
 تو وہ ملنے لگا۔ آپ نے اس پہاڑ کو ٹھکرایا اور فرمایا، اے احد! ٹھہر جا کہ اس وقت
 تیری بیٹھ پر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید کھڑے ہیں، اور میں بھی اس وقت
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا؟ آوازیں آئیں، آپ نے سچ فرمایا، بعد انہیں
 آپ نے دریافت فرمایا، اے لوگو! خدا کے لئے مجھے بتاؤ کہ جب رسول اللہ نے

مجھے حدیبیہ کے مقام پر اپنا سفیر بنا کر قریش کے پاس بھیجا تھا تو کیا واقعہ پیش آیا تھا؟
 کیا یہ صحیح نہیں کہ رسول اللہ نے اپنے ایک ہاتھ کو میرا ہاتھ قرار دے کر میری طرف
 سے خود ہی بیعت لی تھی؟ مجمع میں سے آوازیں آئیں "آپ سچ فرماتے ہیں" لیکن
 افسوس کہ فضل و شرف کے اس اعتراف کے باوجود باغیوں کے لپستہ دل غمے
 مفسدانہ رخار وور نہ ہوا حج کی تقریب چند ہی روز میں ختم ہوئی چاہتی تھی اور باغیوں
 کو خطرہ تھا کہ مسلمان حج سے فارغ ہو کر مدینہ کی طرف ملیں گے، اور اس کے ساتھ
 ہی ان کا سارا منصوبہ ختم ہو جائے گا۔ اس لئے انہوں نے فی الفور اعلان کر دیا
 کہ حضرت عثمان کو قتل کر دیا جائے، حضرت امیر المومنین نے یہ ندا اپنے کانوں سے
 سنی اور فرمایا: اے لوگو! تم کیا جوہم کی پاداش میں میرے خون کے پیاسے ہو،
 شریعت اسلامی میں کسی شخص کے قتل کی تین ہی صورتیں ہیں۔ اس نے بدکاری کی
 ہتھکڑی سے سنگسار کیا جاتا ہے، اس نے قتل عمد کیا ہو تو وہ قصاص میں مارا جاتا ہے،
 وہ مرتد ہو گیا ہو تو اسے انکارِ اسلام پر قتل کر دیا جاتا ہے، تم اللہ کے لئے بتاؤ!
 کیا میں نے کسی کو قتل کیا ہے؟ کیا تم مجھ پر بدکاری کا الزام لگاتے ہو؟ کیا میں
 رسول اللہ کے دین سے پھر گیا ہوں؟ سنو، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے
 اور حضرت محمد رسول اللہ اس کے بندے اور رسول ہیں کیا اس کے بعد بھی
 تمہارے پاس میرے قتل کی وجہ جواز باقی ہے؟
 حضرت عثمان کے ان مددناک الفاظ کا کسی کے پاس کوئی جواب موجود
 نہ تھا لیکن پھر بھی مفسدین کے دلوں میں خوفِ خدا پیدا نہ ہوا، اور مفسدین کی حالت
 اپنے ناپاک وادوں پر اب بھی قائم تھی۔

جب حالات بہت زیادہ نازک ہو گئے تو حضرت مغیرہ بن شعبہ حضرت عثمان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے امیر المؤمنین! میں اس نازک وقت میں تین راہیں عرض کرتا ہوں۔ آپ کے طرفداروں اور جانباظوں کی ایک طاقتور جماعت یہاں موجود ہے۔ آپ جہاد کا حکم دیجئے، کیونکہ اس وقت بے شمار مسلمان رفاقتِ حق کے لئے کمر بستہ ہیں۔ اگر یہ رائے مقبول نہ ہو تو آپ صدر و رمازہ کے سامنے کی دیوار توڑ کر محاصرہ سے نکلئے، اور مکہ معظمہ تشریف لے جاتیے۔ وہاں کے لوگ وفادار ہیں۔ وہ آپ کا ساتھ دیں گے۔ پیکرِ استقلال حضرت عثمان نے فرمایا: ”میں مسلمانوں کے ساتھ جنگ نہیں کر سکتا مجھے یہ منظور نہیں کہ میں رسول اللہ کا خلیفہ ہو کر امت کا خون بہاؤں۔ میں وہ خلیفہ نہیں بنوں گا جو امتِ محمدیہ میں خوزیرِ می کی ابتداء کرے۔ میں مکہ معظمہ میں بھی نہیں جا سکتا، کیونکہ میں نے اپنے آقا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سلسلے کے قریش میں سے کوئی آدمی حرمِ محترم میں فتنہ و فساد کرنے کا، اور اس پر آدمی دنیا کا عذاب ہو گا۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس وعید کا کبھی مورد نہیں بن سکتا۔ باقی رہا شام کا اراکہ، تو یہ میرے لئے کس طرح ممکن ہو سکتا ہے کہ میں اپنے وارِ ہجرت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوس کی نعمت کو پس پشت ڈال دوں، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمسائیگی ترک کر دوں۔“

حالات اور زیادہ نازک ہو گئے تو آپ نے باغیوں کے سامنے، بنی چند اور اہلانی و دعوانی صفات کا تذکرہ کیا، جنہیں ابتداء میں گنوا یا گیا ہے، لیکن یہ صدا بھی صدا بہ صحرا ثابت ہوئی۔

جب حالات پہلے سے بھی زیادہ نازک ہو گئے، تو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی

حاضر خدمت ہوئے اور عرض کی: اے خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس وقت
سات سو جانبازوں کی جمیعت محلِ سرک اندر موجود ہے ایک بار اجازت دیجئے
کہ ہم باغیوں کی طاقت آزمائیں۔ ارشاد فرمایا: میں خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ ایک
بھی مسلمان میرے لئے خون نہ بہائے۔ پھر بیس غلاموں کو جو گھڑوں میں موجود تھے، طلب
فرمایا۔ وہ حاضر ہوئے تو فرمایا: آج جہنم اللہ کے لئے آزاد ہو، اس وقت زید بن سعد
حاضر ہوئے، اور عرض کیا: اے امیر المومنین! رسول اللہ کے انصار و روزہ پکھڑے
ہیں، اور چاہتے ہیں کہ آج پھر اپنا وعدہ نصرت پورا کریں۔ اگر لڑائی مقصد سے تو اجازت
نہ دوں گا۔ آج میری سب سے بڑی حمایت یہ ہے کہ کوئی مسلمان میرے لئے تلوار نہ
اٹھائے۔ حضرت ابو ہریرہؓ تشریف لائے اور نہایت انکسار کے ساتھ جہاد کی اجازت
طلب کی۔ وہ جانتے تھے کہ نائب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے جہاد کا ایک لفظ
لاکھوں مسلمانوں کو ان کے جھنڈے تلے جمع کر دے گا۔ لیکن آپ نے ارشاد فرمایا:
میرے ابو ہریرہؓ! کیا تمہیں یہ پسند آئے گا کہ تم تمام دنیا کے ساتھ مجھے بھی قتل کر دو؟
حضرت ابو ہریرہؓ نے عرض کیا: اے امیر المومنین! کوئی بھی مسلمان اس چیز کو پسند نہیں
کر سکتا۔ آپ نے فرمایا اگر تم نے ایک شخص کو بھی ناحق قتل کیا تو گویا تم نے سب مخلوق قتل
کر دی۔ یہ سورہ ماندہ کی ایک آیت کا مفہوم ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے یہ سنا تو خاموش
ہو گئے اور واپس تشریف لے گئے۔

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمان کے متعلق پیش گوئی فرماتے تھے
عام مسلمان حضرت عثمان کی خاموشی اور باغیوں کی تباہ کاریوں پر خون کے آنسو
رورہے تھے۔ مگر حضرت عثمان بالکل چپ تھے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

پیش کوئی کی تجیل کا انتظار فرما رہے تھے۔ ابھی جمعہ کا آفتاب طلوع نہ ہوا تھا کہ آپ نے
 روزہ کی نیت فرمائی۔ اسی صبح خواب میں دیکھا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے
 ہیں، اور حضرت صدیق اکبر اور حضرت عمر فاروق آپ کے ہمراہ ہیں۔ حضرت نے حضرت
 عثمان سے فرمایا: "عثمان بھلے آدمی اور ہم یہاں انطاری کے لئے تمہارے منظر پیش ہیں"
 آنکھ کھلی تو اپنی اہلیہ محترمہ سے فرمایا: "میری شہادت کا وقت قریب آ گیا ہے، اور باغی
 مجھے بھی قتل کر ڈالیں گے۔" انہوں نے درد مندانہ کہا: "امیر المؤمنین، ایسا نہیں ہو
 سکتا۔" آپ نے فرمایا: "میں یہ خواب دیکھ چکا ہوں،" جب لیٹر سے اٹھے تو آپ نے
 وہ پاجامہ طلب فرمایا جس کو آپ نے کبھی نہیں لینا تھا، اور اسے زیب تن فرمایا پھر
 بیس غلاموں کو آواز دیکر کے کلام اللہ کو کھولا اور اس کی تلاوت میں مصروف ہو گئے۔
 یہ حضرت عثمان کے حرم سر کے اندرونی حالات تھے۔ ٹھیک اسی وقت محل سرا
 کے باہر محمد بن ابوبکر نے تیر چالنے شروع کر دیئے، ایک تیر حضرت حسن کو جو دووانے پر
 کھڑے تھے، لگا اور وہ زخمی ہو گئے دوسرا تیر غل کے اندر روان تک پہنچا۔ ایک تیر سے
 حضرت علی کے غلام قیسر کا سر زخمی ہو گیا۔ یہ دیکھ کر محمد بن ابوبکر کو خوف پیدا ہوا کہ
 امام حسن کا خون رنگ لائے بغیر نہیں رہے گا۔ یہ سوچ کر انہوں نے اپنے دوسرا تھیل
 سے کہا کہ: "اگر بنی ہاشم پہنچ گئے تو وہ حسن کو زخمی دیکھ کر عثمان کو بھول جائیں گے، اور
 ہماری تمام کوششیں ناکام ہو جائیں گی۔ اس لئے چند آدمی اسی وقت محل سرا میں
 کودیں، اور اپنا کام ختم کر دیں۔ محمد بن ابوبکر کے ساتھیوں نے اس تجویز کے ساتھ
 اتفاق کیا۔ اور اسی وقت چند باغی دیوار بچاؤ کر محل سرا میں داخل ہو گئے۔ اس وقت
 جتنے بھی مسلمان محل سرا میں موجود تھے، اتفاق سے وہ سب اوپر کی منزل میں بیٹھے تھے،

اور حضرت عثمان نے بھی کسی منزل میں تین تہا مصروفِ تلاوت تھے محمد بن ابوبکر نے ہاتھ
 برٹھا کر حضرت عثمان کی ریش مبارک پکڑ لی اور اسے زور زور سے کھینچنے لگا۔ حضرت
 عثمان نے فرمایا بھئیے! اگر آج صدیق اکبر زندہ ہوتے تو اس منظر کو ہرگز پسند نہ فرماتا
 یہ سن کر محمد بن ابوبکر نے پشیمان ہوا اور پیچھے ہٹ گیا۔ مگر کنازہ بن بشر نے پیشانی مبارک
 پر لہسے کی سلاخ سے ایک دروناک ضرب لگائی اور یہ نائب رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 زخمی ہو کر زمین پر گر پڑا اور فرمایا: "بسم اللہ۔ تو کلمت علی اللہ" دوسری ضرب مسودان ہوا
 حمران نے ماری، جس سے خون کا فوارہ چل گیا عمرو بن حنق کو یہ سفاہت نادانی معلوم
 ہوئی۔ یہ ذلیل ترین بدوی حضرت عثمان کے سینے پر کھڑا ہو گیا، اور صیم مبارک و مطہر
 کو نیزے سے پھیندنے لگا۔ اسی وقت ایک اور بے رحم نے تلوار چلائی اور حضرت نائل
 نے اسے ہاتھ سے روکا تو ان کی تین انگلیاں کٹ کر گئیں۔ اسی کش مکش کے دوران
 میں حضرت امیر المومنین بے دم ہو رہے تھے کہ مرغیوں نے قفس عمرضری سے پرواز
 کر گیا۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
رَضَوُا لِلّٰهِ

شہادتِ علی مری

تاریخ اسلام میں خوارج کے فتنوں نے دین کی آڑ میں کتنے ہی سیاسی ہنگامے برپائے، اور مقصد تھا حصولِ اقتدار۔ خوارج کا عقیدہ یہ تھا کہ خدا کے بندوں پر حکومت بھی صرف خدا ہی کی ہوتی چاہئے۔ غلوات میں سے کسی کو حق نہیں سمجھتا کہ وہ انسان پر حکومت کرے۔ یہ لوگ اپنے عقیدے کی نشر و اشاعت کرتے رہے۔ سنی کہ ان کی تعداد وسیع و وسیط ہوتی گئی۔ چنانچہ ان ہی نے سازش کی کہ حضرت علیؑ کا خاتمہ کر دیا جائے تاکہ خدا کے بندوں پر ایک انسان کی حکومت و قیادت کا بھی خاتمہ ہو جائے۔ چنانچہ اس مخلص و ملعون مہم کے لئے ایک شخص ابن بجم کا تقرر عمل میں لایا گیا۔ اقدامِ قتل جمعہ کے دن نمازِ فجر کے وقت ہوا۔ مات بجم شعث بن قیس کنندی کی مسجد میں اس کے ساتھ بائیں کرتار ہا۔ اس نے کوفہ میں شیب بن بھرقامی ایک اور خارجی کو اپنا شریک کار بنایا تھا۔ دونوں تلوار لے کر چلے، اور اس دوازے کے مقابل بیٹھ گئے جس سے امیر المومنین نکلا کرتے تھے۔

(ابن سعد)

اس رات امیر المومنین کو نیند نہیں آئی حضرت حسنؑ سے روی ہے کہ سحر کے وقت میں حاضر ہوا تو فرمایا "فرزند! میں رات بھر جاگتا رہا ہوں۔ فرزند! بروہی بیٹھے ہنکھڑا لگ گئی تھی۔ خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ میں نے عرض کیا اے رسول! آپ کی امت سے میں نے بڑی تکلیف پائی۔" فرمایا "میرا کہ خدا تجھ ان سے چھٹکارا دے۔" اس پر میں نے دعا کی: "خدا یا مجھے ان سے بہتر رفیق عطا فرما اور انہیں مجھ سے بہتر ساتھی دے۔"

دکامل - ابن سعد

حضرت حسن علیہ السلام فرماتے ہیں: "اسی وقت ابن النباح مؤذن بھی حاضر ہوا اور پکارا "لوگو! نماز کی طرف آؤ" ایہ سن کر میں نے آپ کا ہاتھ تھام لیا۔ آپ اٹھے ابن النباح آگے تھا، میں پیچھے تھا۔ دروازے کے باہر نکل کر آپ نے پکارا "لوگو! نماز روزانہ آپ کا یہی دستور تھا کہ لوگوں کو نماز کے لئے مسجد میں آنے کے لئے جگرتے پھرتے تھے۔"

د ابن سعد

ایک روایت میں ہے کہ مؤذن کے پکارتے پر ضعف کے باعث اٹھے نہیں بلکہ لیٹے رہے۔ مؤذن دوبارہ آیا۔ مگر آپ سے پھر بھی اٹھانہ گیا۔ دوبارہ اس کے آواز دینے پر آپ مشکل سے سر پڑھتے ہوئے اٹھے، جن کا مفہوم یہ ہے:-

۱۔ موت کے لئے کمر کس لے، کیونکہ موت تجھ سے مزید ملاقات کرنے والی ہے۔

۲۔ اگر موت تیرے ہاں نازل ہو جائے، تو اس سے ہرگز خوفزدہ نہ ہو۔

آپ گھر سے نکل کر جو نہی آگے بڑھے، دو تلواریں چمکتی نظر آئیں، اور ایک آواز بلند ہوئی: "اے علی! حکومت خدا کی ہے، نہ کہ تیری! شیب کی تلوار تو طاق پر پڑی لیکن ابن محجم کی تلوار آپ کی پیشانی پر لگی، اور دماغ پھاڑ گئی۔ زخم کھانے ہی آپ چلائے۔"

پھر دو گار کی قسم میں کامیاب ہو گیا۔ اور ساتھ ہی آپ نے فرمایا: ”دیکھو، قاتل جانے
 نہ پائے۔“ لوگ ہر طرف سے ٹوٹ پڑے۔ شیب تو نکل بھاگا، لیکن ابن مجہم نے تلوار
 گھمانا شروع کر دی اور مجمع کو چیرتا ہوا آگے بڑھا۔ قریب تھا کہ وہ بھی مفسور ہو جائے لیکن
 مغیرہ بن نوفل بن عارث بن عبدالمطلب جو اپنے وقت کے مشہور پہلو ان تھے، ان
 کے پیچھے دوڑے اور ایک بھاری پتھر اس پر ڈال دیا، اور زمین پر وسارا۔ (الکامل)
 امیر المومنین گھر پہنچائے گئے۔ آپ نے قاتل کو طلب کیا جب وہ سامنے آیا تو
 فرمایا: ”اوشمن خدا! کیا میں نے تجھ پر احسان نہیں کئے تھے؟“ اس نے کہا ہاں! فرمایا
 ”پھر تو نے یہ حرکت کیوں کی؟“ کہنے لگا: ”میں نے اس تلوار کو چالیس دن تیز کیا تھا، اور
 خدا سے دعا کی تھی کہ اس سے اپنی بدترین مخلوق قتل کرائے۔“ حضرت علیؑ نے فرمایا
 ”تو اسی تلوار سے قتل کیا جائے گا، اور میں سمجھتا ہوں کہ تو ہی خدا کی بدترین مخلوق ہے۔“
 آپ کی صاحبزادی حضرت ام کلثوم نے بکا کر کہا: ”اوشمن خدا! تو نے امیر المومنین
 کو قتل کر ڈالا! کہنے لگا: ”میں نے امیر المومنین کو قتل نہیں کیا، البتہ تمہارے باپ کو قتل
 کیا ہے۔“ انہوں نے خفا ہو کر کہا: ”واللہ میں امید کرتی ہوں کہ امیر المومنین کا بال
 بیکانہ ہو گا کہنے لگا: ”پھر ٹسوے کیوں بھاتی ہو؟“ سجدہ میں نے مہینہ بھر اس تلوار کو
 زہر پالایا ہے۔ اگر اب بھی یہ بے وفائی کرے تو خدا اسے عارت کر دے۔“ (ابن سعد)
 امیر المومنین نے حضرت حسنؑ سے کہا: ”یہ قیدی ہے۔ اس کی خاطر تو واضح کرو۔ اچھا
 کھانا دو۔ نرم بچھو نا دو۔ اگر میں زندہ رہوں گا تو اپنے خون کا سب سے زیادہ ذمہ دار
 میں ہوں گا۔ قصاص لیں گا یا معاف کر دوں گا۔ اگر مر جاؤں گا تو اسے بھی میرے پیچھے
 روانہ کر دینا۔ رب العالمین کے حضور اس سے جواب طلب کروں گا۔“ (ابن سعد)

پھر آپ نے فرمایا: "اے نبی عبدالمطلب! ایسا نہ ہو کہ مسلمانوں کی خونریزی شروع کر دو، اور کہو کہ امیرالمومنین قتل ہو گئے۔ خیر دار میرے قاتل کے سوا اور کسی کو قتل نہ کیا جائے۔ اے حسن! اگر میں اس کی اس ضرب سے مر جاؤں تو ایسی ہی ضرب سے اسے بھی مارنا۔ اس کے ناک، کان کاٹ کر لاش کو خراب نہ کرنا کیونکہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فراتے سنائے کہ خیر دار ناک کان نہ کاٹو، اگرچہ وہ کتا ہی کیوں نہ ہو۔"

(طبری)

ایک روایت میں ہے کہ فرمایا: "اگر تم قصاص لینے ہی پر اصرار کرو تو چاہئے کہ اسے اسی طرح ایک ضرب سے مارو جس طرح اس نے مجھے مارا، لیکن اگر معاف کرو تو یہ چیز تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔ دیکھو زیادتی نہ کرنا، کیونکہ خدا زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

(کامل - ابن سعد)

آپ کی وصیت :-

پھر آپ بے ہوش ہو گئے جب ہوش میں آئے تو جناب بن عبد اللہ نے حاضر ہو کر کہا: "خدا نخواستہ اگر آپ وفات پا گئے تو کیا ہم حسن کے ہاتھ پر بیعت کریں؟" آپ نے جواب دیا: "میں تمہیں نہ اس کا حکم دیتا ہوں نہ اس سے منع کرتا ہوں۔ اپنی مصلحت تم بہتر سمجھتے ہو۔"

پھر اپنے صاحبزادوں حسن اور حسین کو بلا کر فرمایا:۔

میں تم دونوں کو تقویٰ الہی کی وصیت کرتا ہوں، اور اس کی کہ دنیا کا پیچھا نہ کرنا، اگرچہ وہ تمہارا پیچھا کرے۔ جو چیز تم سے دور ہو جائے، اس پر نہ کر مصلحت۔

ہمیشہ حق کہنا اور حق کرنا۔ یتیم پر رحم کھانا، بے کس کی مدد کرنا، آخرت کے لئے
عمل کرنا، ظالم کے دشمن بننا، اور مظلوم کے حامی، کتاب اللہ پر چلنا، خدا کے
معاملات میں ملامت کرنے والوں کی ملامت کی پرواہ نہ کرنا!

پھر اپنے تیسرے صاحبزادے محمد بن الحنفیہ کی طرف دیکھ کر فرمایا: ”جو نصیحت
میں نے تیرے بھائیوں کو کی، کیا تو نے حفظ کر لی؟“ انہوں نے عرض کی ”جی ہاں“ فرمایا
”میں تجھے بھی یہی وصیت کرتا ہوں۔ علاوہ ازیں تجھے وصیت کرتا ہوں، کہ اپنے دونوں
بھائیوں کے حقوق عظیم کا خیال رکھنا، ان کی اطاعت کرنا، اور ان کی رائے کے
بغیر کوئی کام نہ کرنا۔“ پھر امام حسنؑ اور امام حسینؑ سے فرمایا: ”میں تمہیں اس بارے
میں وصیت کرتا ہوں، کیونکہ یہ تمہارا بھائی ہے، تمہارے باپ کا بیٹا ہے، اور
تم جانتے ہو کہ تمہارا باپ اس سے محبت کرتا ہے!“

بعد ازیں امام حسنؑ سے فرمایا: ”فرزند! میں تمہیں وصیت کرتا ہوں:۔
خوف خدا کی، اپنے اوقات میں نماز قائم کرنے کی، مبعوثین کو ادا کرنے کی، بھیک
وضو کرنے کی، کیونکہ نماز بغیر طہارت مکمل نہیں، اور مانع زکوٰۃ کی نماز قبول نہیں، دین
وصیت کرتا ہوں، خطا میں صاف کرنے کی، دین میں عقل و دانش کی، ہر معاملہ میں تحقیق
کی، قرآن سے مزاولت کی، پرہیزی سے حسن سلوک کی، امر بالمعروف نہی عن المنکر
کی اور خواہش سے اجتناب کی!“ (طبری، جلد ۶)

پھر اپنی تمام اولاد کو مجموعی طور پر مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:۔
”اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا اور اس کے احکام کی اطاعت کرو۔ جو
تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے، اس کے لئے رنج و غم نہ کرو۔ اللہ کی عبادت

پر کمر بستہ رہو۔ نیک اعمال میں چسپت و چالاک بنو۔ سست نہ بنو۔ زلت
 قبول نہ کرو۔ خدا یا ہم سب کو ہدایت پر جمع کر دے۔ ہمیں اور انہیں دنیا سے
 بے رغبت کر دے۔ ہمارے اور ان کے لئے آخرت اول سے بہتر کر دے۔
 وفات کے وقت آپ نے یہ وصیت بکھوائی: یہ علی ابن طالب کی وصیت
 "وہ گواہی دیتا ہے کہ اللہ وحدہ لا شریک لہ کے سوا کوئی معبود نہیں
 اور یہ کہ محمد اس کے بندے اور رسول ہیں، میری نماز، میری عبادت،
 میرا عینا، میرا مرتا، سب کچھ اللہ رب العالمین کے لئے ہے۔ اس کا کوئی
 شریک نہیں، اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے، اور میں سب سے پہلا فرمانبردار مسلمان
 ہوں۔ پھر اے حسن! میں تجھے اور تمام اولاد کو یہ وصیت کرتا ہوں کہ خدا کا خوف
 کرنا، اور جب مرنا تو اسلام ہی پر مرنے سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے
 پکڑ لو اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو، کیونکہ میں نے ابوالقاسم در رسول اکرم (ص)
 کو فرماتے سنا ہے کہ آپس کا ملاپ قائم رکھنا روزے نماز سے بھی افضل
 ہے۔ اپنے رشتہ داروں کا خیال رکھو، ان سے بھلائی کرو، خدا تم پر حساب آسان
 کر دے گا، اور ہاں یتیموں کا خیال رکھو، ان کے منہ میں خاک مت ڈالو۔
 وہ تمہاری موجودگی میں ضائع نہ ہونے پائیں اور دیکھو تمہارے پڑوسی! اپنے
 پڑوسیوں کا خیال رکھو کیونکہ یہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت ہے۔ رسول
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برابر پڑوسیوں کے حق میں وصیت فرماتے رہے، یہاں تک
 کہ ہم سمجھے شاید انہیں درشتی شریک کر دیں گے۔ اور دیکھو قرآن! ایسا نہ ہو
 کہ قرآن پڑھنے والے کوئی تم پر سبقت لے جائے، اور نماز کی حفاظت کرو۔

کیونکہ وہ تمہارے دین کا ستون ہے۔ اور تمہارے رب کا گھر بیت اللہ شریفہ
 اپنے رب کے گھر سے غافل نہ ہو جاتا۔ اور جہاد فی سبیل اللہ راہ
 میں اپنے جان و مال سے جہاد کرتے رہو۔ اور زکوٰۃ ازکوٰۃ تمہارے پروردگار
 کا عقد ٹھنڈا کرتی ہے۔ اور ہاں تمہارے نبی کے ذمے! یعنی وہ غیر مسلم
 جو تمہاری حفاظت میں تمہارے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں، ایسا نہ ہو کہ ان پر
 تمہارے سامنے ظلم کیا جائے! اور تمہارے نبی کے صحابی! یاد رکھو
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابوں کے حق میں وصیت کی ہے
 اور فقرا و مساکین! انہیں اپنی روزی میں شریک کرو اور ان سے نیا صنی کا
 بوتاؤ رکھو اور تمہارے غلام غلاموں کا خیال رکھنا رکھنا ان پر کسی قسم کا ظلم
 نہ ہو، اللہ تعالیٰ کے معاملات میں اگر مخلوقات میں سے کسی پر وار نہ
 کرو گے تو اللہ تمہارے دشمنوں سے تمہیں محفوظ کر دے گا۔ خدا کے تمام بندوں
 سے نجات و رعایت کا سلوک رکھو۔ ان سے مٹھی بات کرو، کیونکہ ایسا ہی خدا
 نے حکم دیا ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ چھوڑنا، اور تمہارے
 اشرار تم پر مسلط کر دیئے جائیں گے پھر تم دعا میں کرو گے، مگر وہ قبول نہ ہو
 گی۔ باہم ملے جلے رہو، تمہیں تکلف اور سادگی پسند رہو۔ خبردار ایک دوسرے
 سے نہ کٹنا، اور نہ آپس میں پھوٹ ڈالنا۔ نیک اور تقویٰ پر ایک دوسرے
 کے مددگار رہنا، مگر گناہ اور زیادتی میں کسی کی مدد نہ کرنا۔ اللہ تعالیٰ سے
 ڈرتے رہو، کیونکہ اس کا عذاب بڑا ہی سخت ہے۔ اے اہل بیت! خدا
 تمہیں محفوظ رکھے اور اپنے نبی کریم کے طریقہ پر قائم رکھے۔ میں تمہیں خدا ہی

کے سپرد کرتا ہوں، اور تمہارے لئے سلامی اور برکت چاہتا ہوں۔ بعد ازیں
آپ نے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہا اور جان اپنے
جان آفرین کے سپرد کی۔

حیدر کمار کی سیرت و سوانح سے یہ حقیقت بالکل واضح ہے کہ آپ نہ صرف
تقویٰ، خلوص، لہیت اور اتباع کتاب و سنت میں کامل تھے، اور مسائل و علوم
شرعیہ میں حکمت و دسترس رکھتے تھے، بلکہ قوت و سطوت اور جرأت و شجاعت میں
بھی یکتائے روزگار تھے۔ قبول اسلام کے بعد آپ کی قوت و شجاعت اسلام اور ملت
بینا کے فروغ و ارتقاء کے لئے وقف رہی۔ علم فراست کے ساتھ ہی ساتھ آپ نے
قوت بازو اور ذوق و الفقار بھی چھار اسلام کو اور زیادہ مستحکم کیا، اور جہاد فی سبیل اللہ
میں ایسی عظیم الشان فتح سے ہمکنار ہوئے، جن کے تصور سے بھی کفار ہمیشہ لرزہ بر اندام
رہتے تھے۔ اگرچہ بالآخر وہ خود بھی خواجہ کے ایک سیاسی فتنہ و ہنگامہ کا شکار ہو گئے،
لیکن انہوں نے صحیح عقائد اسلام کی حقیقت ابدی کو کبھی مسخ نہ ہونے دیا۔ البتہ
آپ کی کنیت تھی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی شجاعت اور قوت تسخیر
کے پیش نظر آپ کو اسد اللہ کا خطاب مرحمت فرمایا تھا۔ علامہ اقبالؒ نے "اسرار خودی"
میں ان اسمائے علی مرتضیٰ کی حکمت و ماہیت بیان فرمائی ہے، جس کا تذکرہ یہاں
بے جا نہیں ہوگا۔ اس میں ہر مسلمان کے لئے چند در چند روحانی، اخلاقی اور عملی نکات و
مفادات مضمون ہیں۔

۱۵ حضرت علیؑ کی تلوار کا نام "سہ" یعنی "مٹی کا باپ" "سہ" یعنی "اللہ کا شیر"

عشق را سرمایہ ایمان علیؑ
 وہ علیؑ کہ عشق حق تعالیٰ کے لئے سرمایہ ایمان میں
 شرح اسمائے عقل و اندک حلیت
 وہ اسمائے علیؑ کا مفہوم و مطلب اچھی طرح سمجھنا ہے
 عقل از پیداوار و تربیون است
 عقل اس کی کج روی اور تمہ سے آہ و بکا کتنا
 چشم کو روگوش ناسنوا ازو
 اس کے باعث آنجہیں حقیقت کی انجی نہیں انجان ہے
 راہرواں را دل بریں زہن شکست
 اور اس لہزن سے دہروں کا دل شکستہ ہوا ہے
 این گل تاریک را اکسیر کرد
 اور اس تاریک مٹی کو اکسیر بنا لیا تھا
 "بلوتراب" از فتح اقلیم تن است
 اقلیم تن کو مسخر کر کے مٹی کا باپ "کہلاتم ہے
 گوہرش را آبر و خود داری است
 اور اس کے گوہر کی آبر و خود داری سے ہے
 باز گرداند ز مغرب آفتاب
 وہ سورج کو مغرب سے پلٹ کر لے آئے ہے

مسلم اعلیٰ شہ مردان علیؑ
 وہ سب سے پہلے مسلمان مردوں کے بادشاہ علیؑ
 سرکہ انکے رموز زندگیست
 جو شخص بھی رموز زندگی سے بخوبی آگاہ ہے
 خاک تاریکے کہ نام او بن است
 وہ خاک تاریک جسے خدا نے انسانی کہتے ہیں
 فکر گروں رس زمین پہا ازو
 آسمان کی سیر کرنے والی فکر اس زمین کی پستی پر ہے
 از ہوس تیغ و در و دار و بدست
 وہ زمین خاکی ہوس کی بنا پر دعویٰ تواریق میں لگے ہے
 شیر حق این خاک را تسخیر کرد
 شیر حق نے اسی خاک تیرہ کو مسخر کر لیا تھا
 مرتضیٰ از تیغ اور روشن است
 وہ مرتضیٰ جس کی تلوار سے حق نے فروغ پایا
 مرد کشور گیر از کرداری است
 مرد مومن اسی کرداری سے ملک فتح کرتا ہے
 بہر کہ و آفاق کرد و بوتراب
 جو شخص بھی دنیا میں مٹی کا باپ بن جاتا ہے

لہ یہ حضرت علیؑ کی کرامت و جہت آفتاب کی جانب اشارہ ہے

سہرہ زین بر مرگ تن تنگ بست
 جس نے بھی تن کے گھوڑے پر زین خوب کش کے باز
 نہیر پاش ایس جاشکوہ خیر است
 اس دنیا میں اس کے پاؤں کے نیچے شکوہ خیر ہے
 از خود اسکا ہی بدالہی کند
 وہ خود شناسی کے باعث اللہ کا ہاتھ بن جاتا ہے
 فات اور وازہ شہر علوم
 اس کی فات شہر علوم کا دروازہ ہے
 حکمران بایں شدن بر خاک خویش
 لہذا تجھ اپنی خاک تن پر حکمران ہونا چاہئے
 خاک گشتن مذہب پروانگی است
 مٹی ہو جانا تو صرف مذہب پروانگی ہے
 سنگ سوائے سمجھ گل نازک بدن
 اے مثل گل نازک بدن، پتھر کی مانند سخت ہو جا
 از گل خود آوے تعمیر کن!
 اپنی مٹی کے ایک ٹکڑے کو تو مانا آدمی تعمیر کر
 گر بنا سازی نہ دیوار و دے
 اگر تو اپنی دنیا کے دیوار و دے نہیں بنائے گا

چولنگیں بر خاتم دولت نشست
 وہ دنیا کی انگشتری میں نگ کی مانند بیٹھ گیا
 دست او اسجا قسیم کو تراست
 اور اس دنیا میں اس کا ہاتھ کو بتر تقسیم کرنے والا ہے
 ازید اللہی شہنشاہی کند
 اور اس بدالہی سے اس کو حکومت و سلطنت ملتی ہے
 زبیر فرمائش حجاز و حنین و روم
 اور حجاز و حنین و روم اس کے زبیر فرمان ہیں
 تلمے روشن خمیری ز تاک خویش
 تاک تو اپنی انگور کی پیل سے سے روشن پئے
 خاک لے اب شو کہ اس مروانگی است
 تو مٹی کا باپ بن کر حج کر ہی سچی مروانگی ہے
 تاشوی بنیاد دیوار بچمن
 تاکہ تو کسی دیوار بچمن کی بنیاد بنے
 آوے راعا لے تعمیر کن!
 اور پھر اس آدمی کے لئے ایک نئی دنیا بنا
 خشت از خاک تو بند و دیگرے
 تو کوئی اور تیری مٹی سے رشت تیار کر لے گا

عن تلمیح بحديث ثعلبہ: انا مدينۃ العلی و علی باکما یبغین فی علم کا شہر ہوں، اور علی اس شہر کا دروازہ ہے

جام تو فریادی بیدار سنگ
 اور تیرا پیالہ بیدار سنگ کے خلاف فریادی ہے
 سینہ کو یہاں کے سہمے تاکجا
 اور کب تک اپنے سینہ کے نیچے والہم پر چلتا ہے گا
 لذتِ تخلیق قسا نونِ حیات
 اور یہی تانوں حیاتِ تخلیق کہنے کی صبح لذت ہے
 شعلہ دربرین، خلیل آوازہ شو
 بغل میں شعلہ تو حیدر کے اور خلیل کا سانہو حق نگا
 ہست و میدان سپر انداختن
 جیسے کوئی سپاہی میدان میں اپنی ڈھال رکھنے
 یا مزاج اولباز و روزگار
 زمانہ یقیناً اس کے مزاج سے موافقت کرتا ہے
 مے شود جنگ آزما یا آسماں
 تو وہ بے دھڑک آسمان کے ساتھ جنگ کرتا ہے
 مے وہد ترکیب نوذرات را
 اور پھرتے ذرات کی ترکیب سے نئی دنیا تعمیر کرتا ہے
 چرخ نیلی قام را بر ہم زند
 اور چرخ نیلی قام کی بھی دھجیاں اڑا دیتا ہے

لئے جو چرخ ناہنجار تنگ
 اسے کہ چرخ ناہنجار کے ظلم ستم سے تنگ ہے
 نالہ و فریاد و ماتم تاکجا
 تو کب تک یہ نالہ و فریاد و ماتم جاری رکھے گا
 در "عمل" پوشیدہ مضمون حیات
 مضمون حیات تو قوتِ عمل ہی میں مخفی ہے
 خیز و خلاق جہاں تازہ شو
 اٹھ اور ایک جہاں تازہ کی تعمیر کر
 یا جہاں نام ساعد ساختن
 نام یافتی دنیا کا مطیع ہو جاتا تو ایسا ہے
 مرو خود واسے کہ باشد پختہ کار
 جو شخص بھی محکم و خود دار اور پختہ کار ہے
 گرنہ ساز و یا مزاج او جہاں
 اگر دنیا اس کے مزاج کے ساتھ سازگاہ نہ ہو
 بر کند دنیا و موجودات را
 اور موجودات کو اس کی بیخ و بن سے اکھڑ پھینکتا ہے
 گردش ایام را بر ہم زند
 وہ گردش ایام زمانہ کو دہم بر ہم کر دیتا ہے

کے کنداز قوت خود آشکار
 وہ اپنی بے پناہ قوتِ تغیر سے وہی دنیا
 وہ جہاں نتوانا اگر مردانہ کیفیت
 اس دنیا میں اگر مردانہ وارز تندرہ ہا جاسکے
 آزماید صاحبِ قلبِ سلیم
 ایک نندہ توانا دل رکھنے والا شخص تو
 عشقِ بادشواہ اور زید بن حارثہ است
 دشوار مہات مقام سے عشق رکھتا ہی سرتا گزیرے
 ممکناتِ قوتِ مردانِ کار
 مردانِ کار کی طاقت کی تمام ممکنات
 حریہِ دہل بہتال کیں است و بس
 اور بہت ہمت لوگوں کا حریہ تر بغض و کینہ ہی ہے
 زندگانِ قوتِ پیدا ستے
 وہ حقیقتِ زندگی ایک نمایاں قوت ہے
 عصبیہ بے جا سردی خونِ حیات
 عصبیہ جان خونِ حیات کا بجا بہرہ داری ہے
 ہر کہ در قعر مذلت ماندہ است
 ہر وہ شخص جو ذلت و کینت کی گہرائی میں رہ گیا

روزگار نو کہ باشد سازگار
 اسکا کد تلبے جو اس کے مزاج سے ماہگار
 ہرچہ مرواں جان سپردانِ ننگِ کسیت
 تو یہاں سے کی طرح بیرواں زما ہو کر مانی ہو ننگ
 زور خود را از مہاتِ عظیم
 اپنی قوت کو پیشہ عظیم مہات ہی سے آزمائے
 چمیل از شعلہ گل چید خوش
 اور چمیل اندک ہند شعلوں سے چمیل چلتا ہی نہیں
 رگرو دواز مشکل پسندی آشکار
 مشکل پسندی ہی سے نمایاں ہوا کرتی ہیں
 زندگی را این یک آئین است و بس
 انسان کی زندگی کا مدار کار اسی رذالت پر ہے
 اصل اواز ذوقِ استیلا ستے
 جس کی بنیاد ذوقِ تغیر پر رکھی گئی ہے
 سکتہ و ریتِ موزونِ حیات
 اور یہ شعور موزونِ حیات میں سکتے کا عیب ہے
 ناتوانی را قناعت خواندہ است
 کمزوری اور ناتوانی کو قناعت کہنے لگا

بطشت اخوف و دروغ آبتن است
 اور اس کا پیٹ خوف و کذب سے نمودار ہے
 شیریں از بہر زائیم قزہی است
 اور اس کا لودہ بری عادات کے لئے بجا نماز
 در کینہامی نشیند این غنیم
 کیونکہ تاترانی کا دشمن مختلف جگہ چھپ کر بیٹھا ہے
 مثل حربا بہر زایاں رنگش و گر
 کیونکہ گڑبگڑ کی مانند دشمن ہر لمحہ اپنا رنگ بدلتا ہے
 پردہ ہا پردے اوانداختند
 لہذا اس کے چہرے پر مختلف پردے ڈال دئے
 گاہے پوشد زوائے نکسار
 اور کبھی وہ عجز و انکسار کی چادر اٹھ کر آتی ہے
 گاہ پنہاں مرتہ معذوری است
 اور کبھی معذوری کی تر میں پوشیدہ ہے
 دل ز دست صاحب قوت بود
 اور صاحب قوت شخص سبھی دل چھین کر لے گئی
 گر خردا گاہی ہیں جام جم است
 اگر خرد و آگاہ ہے تو یہی جام جم ہے

تا توانی زندگی را بہتر است
 تا توانی زندگی کے لئے بہتر کا حکم رکھتی ہے
 از مکارم اندون او ہی است
 عمدہ صفات اخلاق سے اس کا باطن خالی ہے
 ہوشیار آلے صاحب عقل سلیم
 اپنے منہ و بیباور دل رکھنے والے شخص ہوشیار ہے
 گزردندی قریب او مخور
 اگر تو عقلمند ہے تو اس کا دھوکا نہ گزرنے کا
 شکل او اہل نظر نہ شناختند
 اہل نظر اس کی شکل و صورت کو پہچان نہیں سکے
 گاہ اور ارحم و نرمی پر وہ در
 کبھی تو رحم اور نرمی اس کی پردہ مادہ ہے
 گاہ او مستور و مجبوری است
 کبھی وہ مجبوری دیکھ لے گی کہ پردہ مخفی ہے
 چہرہ و شکل تن آسانی نمود
 اس نے اپنا چہرہ نمایاں کیا تو تن آسانی کی صورت
 با توانی صداقت کو اہم است
 صداقت تو ہمیشہ توانائی کا ساتھ دیتی ہے

زندگی گشت است و حال قوت و صلاقت است
شرح و مرحق و باطل قوت است

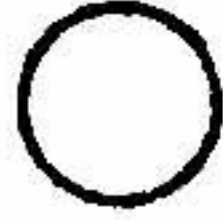
زندگی گویا ایک کھیتی ہے اور اس کا حامل قوت ہے
مرحق و باطل کی شرح بھی قوت و توانائی ہے

لے ز آدابِ امانت بے خبر

لے کہ تو آدابِ امانت حق سے بے خبر ہے

از دو عالم خویش را بہتر شمار

بجیثیتِ نائبِ حق خود کو دونوں جہاں سے بہتر سمجھ



عَنْ رَسُولِ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

سَيِّدَةُ النِّسَاءِ حَضْرَتُ فَاطِمَةَ الزَّهْرَاءِ

حضرت فاطمہؑ کا یہ حق تھا کہ وہ انتہائی خوش بخت ہوتیں اور مسرت و شادمانی کی حالت میں زندگی گزاریں، کیونکہ وہ تمام مسلمان عورتوں کی سرور، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب بیٹی تھیں۔ لیکن چونکہ اپنے والدِ اقدس کی محبت ان کے لئے بمنزلہ عبادتِ حق تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ان کے لئے ناقابلِ برداشتِ حد مرتبہ ثابت ہوئی، اور اس حد سے انہیں گھن کی طرح کھالیا۔ ان کے دل میں متواتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال رہتا اور زبان پر مسلسل رضوڑی کا اسم مقدس، جب وہ ماضی کے پردے الٹ کر نظر ڈالتیں تو اپنی پیاری والدہ اور بہنوں کو یکے بعد دیگرے اس دنیا سے رخصت ہوتے دیکھتیں۔ صرف رسول اللہ کی ذات ہی ایسی تھی جس نے ان کے اطمینان اور دل بستگی کا سامان ہو سکتا تھا، لیکن وہ بھی آخر اس دنیا کے نمانی سے رخصت ہو گئے، اور فاطمہؑ کیسے رہ گئیں

رسول اللہ کی وفات کے بعد حضرت فاطمہ گم سم سی رہتی تھیں۔ ان کے ذہن میں
 صرف آپ ہی کا خیال رہتا تھا، اور زبان پر صرف حضور ہی کا نام۔ انہوں نے آپ
 آپ پر لازم کر لیا تھا کہ صبح و شام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار مبارک کی زیارت
 کیا کریں، اور وہاں کھڑے ہو کر استغفروں سے اس پاک زمین کو ترک کیا کریں جو جس
 رحمتہ للعالمین سے مشرف و ذی وقار تھی۔ وہ وہاں عشق و محبت کی وارفتگی میں تلواریں
 بیٹھی آ رہی تھیں کہ یہ مسلسل کے گوہر تابدار حضور رسالت میں پیش کرتی رہیں اور جب وہ
 کا غبار نکال لیتیں، اور نجیدہ و افسردہ وہاں سے واپس آجاتیں۔ شدتِ سنج و راجح
 نے ان کے کمزور و نحیب جسم کو اور بھی گھلا دیا تھا۔ آخر بھائی ہی کے عالم میں یہ پاک
 مٹھ رہتی اس مقام قدس میں پہنچ گئی جہاں اس سے پہلے اس کے بھائی بہن اور وال
 پہنچ چکے تھے۔

ایک وقت وہ تھا کہ سیدۃ النساء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الموت
 ان کے سر ہانے بیٹھی والد محترم کے غم سحر و فراق میں بے اختیار رو رہی تھیں، اور حضور
 نے یہ دیکھ کر ان کے کان میں آہستہ سے کہہ دیا تھا: فاطمہ! غم نہ کر، میری وفات کے
 بعد سب سے پہلے تو ہی مجھے ملے گی۔ آج ان کی صفات نے نبی الرحمت کی وہ
 پیشین گوئی درست ثابت کی اور وہ اس رفیع منقوس سے حاصل ہو گئیں!
 حضرت فاطمہ کی وفات ۳ رمضان ۱۱ھ منگل گورات کے وقت ہوئی
 اس وقت آپ کی عمر تائیس یا اسی سال کی تھی۔

مسعودی نے بیان کیا ہے کہ حضرت فاطمہؑ کی تجہیز و تکفین کے بعد جب آپ کے
بی وقتار شوہر حضرت علیؑ گھر واپس گئے تو بے حد افسردہ تھے اور بار بار یہ اشعار
پڑھ رہے تھے

اری علی الدنیا علی کثیرہ
لکن اجتاع من خلیدین نرقہ
وان اقتادی فاطمہ بعد احمد
د صاحبہا حتی المسات علیل
وکل الذی دون الفراق قلیل
دلیل علی ان لایدوم خلیل

یعنی میں دیکھتا ہوں کہ فاطمہ کی وراثت کے بعد دنیا کی بیماریوں اور مصائب نے مجھے
ہر طرف سے گھیر لیا اور اہل دنیا نے تکمیل تک پہنچا دیا ہے۔ ہر اصل و یکہ عالی
کے بعد دو دوستوں ہی مفارقت ہونا ضروری ہے، اور وہ زمانہ جو جدائی کے بغیر
ہوتا ہے یعنی زمانہ رسولؐ بہت قصوراً ہوتا ہے۔ احمد رضی اللہ عنہ وسلم کے بعد فاطمہؑ
کی مفارقت اس بات کی دلیل ہے کہ دوست ہمیشہ نہیں رہتا۔

سیدۃ النساء فاطمہ الزہراءؑ کی فقید المثال سیرت و صفات کے پیش نظر علامہ اقبالؒ تحریر
فرماتے ہیں گمان کی حیات طیبہ تمام مسلمان عورتوں کے لئے تاقیاست ایک اسود کالمہ
ہے جس کی انہیں پیروی کرنی چاہئے۔ مندرجہ ذیل اشعار خاص طور پر قابل غور ہیں
میر تقی میرؒ ایک نسبت عیسیٰؑ پر
جلاب مریمؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی ایک ہی تعلق سے تخرم تھیں
نور چشم رحمتہ للعالمین
و رحمتہ للعالمین ک نور چشم یعنی دختر زمین
از سہ نسبت حضرت زہراؑ عزیز
لیکن جو نسبت فلانہ ازہرہ زمین تعلقات سے ممتاز ہیں
آل امام اولین و آخرین
جو مخلوقات میں اولین و آخرین کے امام تھے

لہذا الزہراءؑ تالیف عمر البریلنصرہ ترجمہ شیخ محمد احمد پانی پتی ص ۹۲ تا ۹۵

آل کہ جہاں وہ پیکر کیتی و مید
 دعویٰ ارحمت بن پیکر عالم میں صبح تازہ پہونکی
 بانو کے آل تاج محل اتی
 بعد ازاں وہ حضرت علی کی زویہ ہیں
 پادشاہ و کلبہ ایوان او
 وہ کہ پادشاہ ہو کر بھی جھوٹ پڑی ان کا عمل تھا
 ماوراء مرکز پر کار عشق
 بعد ازاں وہ مرکز پر کار عشق کی والدہ ہیں
 آل یکے شمع سبستان حرم
 وہ کہ سبستان حرم کی شمع ضیا پاش تھے
 تانشیندا تش پیکار و کیں
 اس لئے کہ جنگ اور عداوت کی آگ بجھ جائے
 وال و گرمول کے برابر جہاں
 اور وہ دوسرا فرزند کہ تمام سی کو کاروان کا دوست بنا
 ورنہ بولے زندگی سوزا و حسین
 زندگی کے نسخے میں سوز حسین ہی ہے
 سیرت فرزند ہا از اقبہات
 سچ پوچھو تو بیٹوں کی سیرت ماؤں ہی بنتی ہے

روزگار تازہ آئیں آفرید
 اور ایک تے دستور شری کے ساتھ ہی دنیا پیدا
 مرتضیٰ، مشکل کشا، شیر خدا
 وہ کہ مرتضیٰ، مشکل کشا، اور شیر خدا
 یک حسام و یک زره سامان او
 اور اور زره ان کا سامان تھا
 مادیر آل کارواں سالار عشق
 اور کارواں سالار عشق کی محترمہ تھی
 حافظ جمعیت خیر الامم
 اور امت محمدیہ کے اتحاد کے محافظ تھے
 پشت یاز و بر سر تاج و تکیں
 انہوں نے تاج و تخت کو بھی ٹھک کر دیا
 قوت بازوئے احرار جہاں
 اور دنیا کے حریت پسند لوگوں کی قوت بازو
 اہل حق حریت آموننا حسین
 اور اہل حق اسی سے حریت کا سبق پڑھتے ہیں
 جو ہر صدق و صفا از اقبہات
 اور ان میں جو ہر صدق و صفا مائیں ہی پیدا کرتی ہیں

ماوراء را اسوہ کامل بتول
 اور تمام مسلمان ماویل کے لئے اسوہ کامل رہی
 بایہود کے چادر خود را فروخت
 کہ اس کی خاطر یہودی کے پاس اپنی چادر بیچ دی
 گم رضائش و در رضائے شہرش
 اور ان کی رضا اور رضائے شوہری ہیں گم تھی
 آسیا گرداں و لب قرآن ہرا
 اور چکی پیستے ہوئے بھی تلاوت قرآن فرمائی تھی
 گوہر افسانہ سے بدایان نماز
 بلکہ ان کے گوہر اشک جائے نماز پر بکھرتے تھے
 پچھو بچم رنجت بر عرش بریں
 اور پھر عرش بریں پر انہیں شہنم کی طرح بکھیرتا تھا
 پاس فرمان جناب مصطفیٰ است
 اور توحید سے متعلق فرمان مصطفیٰ کا پاس ہے

مرزع تسلیم را حاصل بتول
 اطاعت کی کیفیت کا حاصل ناطقۃ الزہرا ہیں
 بہر محتاجے دلش آں گونہ سوخت
 ایک مسائل کے لئے ان کا دل اس قدر نرم ہوا
 نوری و ہم آتشی فرما بنرش
 نوری اور ناری مخلوق ان کی فرمانبردار ہے
 آں ادب پر و روہ سبب و رضا
 انہوں نے صبر و رضا سے جس تہذیب پایا تھا
 گریہ ہائے اوزد بالین بے نیاز
 وہ محض تیجے پر اپنے اسنسو میں گرا تے تھیں
 اشک ادب و جبریل انہیں
 یہ گوہر اشک جبرائیل زمین سے چن لیتا تھا
 رشتہ آئیں حق زنجیر باست
 آئین حق کا رشتہ مجھے زنجیر با ہو رہا ہے

در نہ گروے ترقبش گرویدے
 در نہ میں ان کے مزار کا پیہم طواف کرتا
 سجدہ با بر خاک او پاشیدے
 اداں کی خاک پر پے پے سجدے کرتا



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
رَضِيَ اللَّهُ

امام حسین علیہ السلام



قتل حسین اصل میں مرگت بنید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کہ بلا کے بعد

(مولانا محمد علی جوہر)

اہل کوفہ کی دعوت بیعت پر جب حضرت حسین اہل بیعت اور وفادار رفقاء سمیت
میدان کربلا میں وارد ہوئے، اور حالات کو توقعات کے برعکس پایا، تو رات کے وقت اپنے
اپنے ساتھی جمع کئے اور خطبہ فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کی حمد و ستائش کرتا ہوں۔ سچ و راحت ہر حالت میں اس کا
شکر گزار ہوں۔ الہی تیرا شکر کہ تو نے ہمارے گھر کو نبوت سے شرف کیا، قرآن
کا فرم عطا کیا، دین میں سمجھ بخشی، اور دیکھنے سننے اور عبرت پکڑنے کی قوتوں سے
سرفراز کیا۔ اب بعد۔ لوگو! میں نہیں جانتا کہ آج روئے زمین پر میرے ساتھیوں کے

افضل اور بہتر لوگ بھی موجود ہیں۔ یا میرے اہل بیت سے زیادہ ہمدرد، غلص
 اور ہی خواہ اہل بیت کس کے ساتھ ہیں۔ اسے لوگو! تم سب کو اللہ تعالیٰ میری
 طرف سے جزائے خیر دے۔ میں سمجھتا ہوں کہ کل میرا اور ان کا فیصلہ ہو جائے گا
 غور و فکر کے بعد میری سائے یہ ہے کہ تم سب خاموشی سے نکل جاؤ۔ رات کا وقت
 ہے۔ میرے اہل بیت کا ہاتھ پکڑو اور تاریکی میں ادھر ادھر چلے جاؤ میں خاموشی
 سے تمہیں رخصت کرتا ہوں۔ میری طرف سے کوئی شکایت نہ ہوگی۔ یہ لوگ
 صرف مجھے چاہتے ہیں۔ میری جان لے کر تم سے غافل ہو جائیں گے۔“
 یہ سن کر آپ کے اہل بیت بہت رنجیدہ اور سلبہ چین ہوئے۔ حضرت عباس نے
 کہا: ”یہ کیوں؟ کیا اس لئے کہ ہم آپ کے بعد زندہ رہیں؟ خدا ہمیں وہ دن نہ دکھائے۔“
 حضرت نے مسلم بن عقیل کے رشتہ داروں سے کہا: ”اے اولادِ عقیل! مسلم کا قتل
 کافی ہے، تم چلے جاؤ۔ میں نے تمہیں اجازت دی۔“ وہ کہنے لگے: ”ہمارے چلے جانے
 پر لوگ کیا کہیں گے؟“ یہی کہیں گے کہ ہم اپنے شیخ، سرنار اور عم زادوں کو چھوڑ کر
 بھاگ آئے۔ ہم نے ان کے ساتھ نہ کوئی تیر بھینکا، نہ نیزہ چلایا، اور نہ تلوار چلائی۔ ہمیں!
 و اللہ یہ سرگز نہ ہوگا۔ ہم تو آپ پر جان، مال، آل اولاد سب کچھ قربان کر دیں گے۔ آپ
 کے ساتھ ہو کر ٹریں گے۔ جو آپ پر گزے گی وہی ہم پر گزے گی۔ آپ کے بعد ہمیں
 زندہ نہ رکھے۔“

آپ اور آپ کے ساتھیوں نے پوری رات نمازِ استغفار اور دعا و تضرع میں
 گزار دی۔ رادھی گبتا ہے: ”دشمن کے سوار رات بھر ہمارے لشکر کے گرد چکر لگانے
 رہے۔ حضرت حسینؑ بلند آواز سے یہ آیت پڑھ رہے تھے:-“

الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَا عَلَىٰ لَدُنِّي وَأَنَا عَمَلِي لَدُنِّي
 لِيَزِدَّادُ وَاغَا وَاغَا عَذَابٌ مُّهِينٌ مَا كَانَ اللَّهُ لِيُذَرَ الْمُؤْمِنِينَ
 مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ

ترجمہ۔ کیا کافر و منکر یہ خیال کئے ہوئے ہیں کہ ہمارے ذمیل میں ان کی بہتری اور بھلائی مضموم ہے؟ ہم صرف اس لئے ذمیل دے رہے ہیں کہ ان کا جرم اور زیادہ ہو جائے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ خدا مؤمنین کو اسی حالت میں چھوڑ رکھنے والا نہیں۔ وہ پاک کو ناپاک سے الگ کر دکھائے گا۔

دسویں محرم کی نماز فجر کے بعد عمر بن سعد اپنی فوج لے کر نکلا۔ حضرت حسین نے بھی اپنے صحاب کی صفیں قائم کیں۔ ان کے ساتھ صرف ۳۲ سوار اور ۴۰ پیدل اہل آذ تھے۔ میمنہ پر زبیر بن العقیل کو مقرر کیا، علم اپنے بھائی عباس بن علی کے ہاتھ میں دے دیا۔ خیمہ کے پیچھے خندق کھود کر اس میں بہت سا آئینہ من و حیر کر دیا گیا، اور آگ جلا دی گئی تاکہ دشمن پیچھے سے حملہ آور نہ ہو سکے۔ اتنے میں دشمن کی فوج سے شمر بنی الجوشن گھوڑا اور ڈاتا ہوا لگا آپ کے لشکر کے گرد پھرا، اور آگ کو دیکھ کر پلایا۔

لئے حسین اقیامت سے پہلے ہی تم نے آگ قبول کر لی؟ حضرت نے جواب دیا: چوں کہ آگ کے لڑکے! تو ہی آگ کا زیادہ مستحق ہے! مسلم بن عوسج نے عرض کیا: مجھے اجازت دیجئے کہ اسے تیرا کر ہلاک کر دوں، کیونکہ بالکل نہ دیر ہے۔ حضرت نے منہ کیا اور فرمایا: نہیں میں لڑائی میں پہل نہیں کروں گا۔

دشمن کا رسالہ آگے بڑھتے دیکھ کر آپ نے دعا کی: "اللہ ہر مہیبت میں تجھی پر میرا بھروسہ ہے۔ ہر سختی میں تو ہی میرا پشت پناہ ہے۔ کتنی مہیبتیں

Marfat.com

پڑیں، دل کمزور ہو گیا، تدبیر نے جواب دے دیا، دوست نے بے وفائی کی، دشمن نے
 خوشیاں منائیں، مگر میں نے تجھی سے التجا کی، اور تو نے ہی میری دستگیری فرمائی! تو ہی ہر
 نعمت کا مالک ہے، تو ہی احسان دکر م فرما نے واللہ ہے آج بھی تجھی سے التجا کی جاتی ہے!
 جب دشمن قریب آ گیا تو آپ نے اونٹنی طلب کی، سوار ہوئے، قرآن سنانے رکھا
 اور دشمن کی صفوں کے سامنے کھڑے ہو کر بلند آواز سے یہ خطبہ دیا:-

وہ لوگو! میری بات سنو، جلدی نہ کرو، مجھے نصیحت کر لینے دو۔ اپنا عذر بیان
 کر لو۔ اپنی آمد کی وجہ بتے دو۔ اگر میرا عذر معقول ہو اور تم اسے قبول کر سکو
 اور میرے ساتھ انصاف کرو، تو یہ تمہارے لئے خوش نصیبی کا باعث ہوگا، اور
 تم میری مخالفت سے باز آ جاؤ گے۔ لیکن اگر سننے کے بعد بھی تم میرا عذر قبول
 نہ کرو، اور انصاف کرنے سے انکار کرو، تو پھر مجھے کسی بات سے بھی انکار نہیں
 تم اور تمہارے ساتھی ایک کرو، مجھ پر ٹوٹ پڑو، مجھے ذرا ہی بہلتانے دو۔ میرا
 اعتماد ہر حال میں صرف پروردگارِ عالم پر ہے، اور وہ نیکو کاروں کا حامی ہے
 آپ کی اہل بیت نے یہ کلام سنا تو شدتِ تاثر سے بسا اختیار ہو گئیں، اور خیمے سے
 آہ و بکا کی صدا بلند ہوئی۔ آپ نے اپنے بھائی عباسؓ اور اپنے فرزند علیؓ کو بھیجا تاکہ انہیں
 خاموش کر آئیں، اور کہا: "ابھی انہیں بہت رونا باقی ہے" پھر بے اختیار ہکا رٹھے "خدا
 ابن عباس کی عمر دلا کرے"۔ راوی کہتا ہے یہ جملہ اس لئے آپ کی زبان سے نکلا کہ
 مدینہ میں عبداللہ بن عباسؓ نے عورتوں کو ساتھ لے جانے سے منع کیا تھا، مگر آپ نے اس
 پر توجہ نہ کی تھی۔ اب ان کا بزرعِ فروع سنا تو عبداللہ بن عباسؓ کی بات یاد آ گئی۔ پھر
 آپ نے اس میں تفریقِ شریعہ کی۔

گو گو امیر حسب و نسب یاد کرو۔ سوچو کہ میں کون ہوں اور کون مستیوں
 کی اولاد ہوں۔ پھر اپنے گریبانوں میں منہ ڈالو، اور اپنے ضمیر کا محاسبہ کرو و منتخب
 خود کرو، کیا تمہارے لئے میرا قتل کرنا اور میری حرمت کا رشتہ توڑنا روایہ ہے؟
 کیا میں تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی لڑکی کا بیٹا، اور اس کے عم زاد حضرت
 علی کا بیٹا نہیں ہوں؟ کیا سید الشہداء حضرت حمزہؓ میرے باپ کے چچا نہ تھے؟
 کیا زوالجناحین حضرت جعفر طیار میرے چچا نہیں ہیں؟ — کیا تم نے رسول
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول نہیں سنا کہ آپ میرے اور میرے بھائی کے حق میں
 فرماتے ہیں بسبب اسباب اهل الجنة یعنی یہ دونوں جنت میں
 نوجوانوں کے مرفارہ میں، اگر میرا یہ بیان سچا ہے اور ضرور سچا ہے، کیونکہ
 واللہ میں نے ہوش سنبھالنے کے بعد آج تک کبھی بھوٹ نہیں بولا، تو
 بتلاؤ کیا تمہیں برہمنہ تلواریوں سے میرا استقبال کرنا چاہئے؟ اگر تم میری
 بات پر یقین نہیں کرتے، تو تم میں ایسے لوگ موجود ہیں جن سے تصدیق
 کر سکتے ہو۔ جابر بن عبد اللہ انصاری سے پوچھو، ابو سعید خدری سے
 پوچھو، سہیل بن سعد ساعدی سے پوچھو، انید بن ارقم سے پوچھو، انس بن
 مالک سے پوچھو۔ وہ تمہیں بتلائیں گے کہ انہوں نے میرے اور میرے
 بھائی کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے یا نہیں؟
 — کیا رسول اللہ کا یہ ارشاد بھی تمہیں میرا خون بہانے سے باز نہیں
 رکھ سکتا؟ — واللہ اس وقت روئے زمین پر بجز میرے کسی نبی کی
 لڑکی کا بیٹا موجود نہیں۔ میں تمہارے نبی کا بلا واسطہ نواسہ ہوں۔ کیا تم

اس لئے مجھے ہلاک کرنا چاہتے ہو کہ میں نے کسی کی جان لی ہے، کسی کا
 خون بہایا ہے، کسی کا مال چھینا ہے، کہو کیا بات ہے، اسخزمیراقصود
 کیا ہے؟ آپ نے بار بار پوچھا مگر کسی نے جواب نہیں دیا پھر آپ نے
 بڑے بڑے کو فیول کے نام لیے کر پکارنا شروع کیا: اے اشعب بن
 یعی! اے حجاب بن الجبر! اے قیس بن اشعث! اے یزید بن عمار!
 کیا تم نے مجھے نہیں لکھا تھا کہ پھل پک گئے، زمین سرسبز ہو گئی، نہر سیریل
 رہی ہیں۔ آپ آئیں گے تو اپنی فوج بھڑار کے پاس آئیں گے لہذا جلد آئیے۔
 یہ سن کر ان لوگوں کی زبانیں کھلیں، اور زانہوں نے کہا: ہرگز نہیں سم نے تو نہیں
 لکھا تھا، آپ چلا اٹھے: "سبحان اللہ! یہ کیا جھوٹ ہے، واللہ تم ہی نے لکھا تھا"
 بعد ازیں آپ نے پھر پکار کر کہا: "اے لوگو! چونکہ تم اب مجھے ناپسند کرتے ہو، اس
 لئے بہتر ہے کہ مجھے چھوڑ دو میں یہاں سے واپس چلا جاتا ہوں" یہ سن کر قیس بن
 اشعث نے کہا: "کیا یہ بہتر نہیں کہ آپ اپنے آپ کو اپنے عم زادوں کے حوالے کر دیں
 وہ وہی برتاؤ کریں گے جو آپ کو پسند ہے۔ آپ کو ان سے کوئی گزند نہیں پہنچے گا"
 آپ نے جواب دیا: "تم سب ایک ہی تھالی کے چٹے بٹے ہو۔ اے شخص! کیا تو چاہتا
 ہے کہ بنی ہاشم تجھ سے مسلم بن عقیل کے علاوہ ایک اور خون کا بھی مطالبہ کریں، نہیں
 واللہ! میں ذلت کے ساتھ اپنے آپ کو ان کے حوالے نہیں کروں گا"

عدی بن حمران سے روایت ہے کہ ابن سعد نے جب فوج کو حرکت دی تو حمران
 بن یزید نے کہا: "خدا آپ کو سنوارے! کیا آپ اس شخص سے واقعی لڑیں گے؟"
 ابن سعد نے جواب دیا: "ہاں، واللہ! لڑائی، ایسی لڑائی جس میں کم از کم یہ ہو گا کہ سر

کٹیں گے، اور ہاتھ شانوں سے اڑ جائیں گے، حوٹنے کے لیے کہا، کیا ان تین شرطوں میں سے کوئی ایک بھی قابل قبول نہیں، جو اس نے پیش کی ہیں؟ ابن سعد نے جواب دیا: "بجدا اگر مجھے اختیار ہوتا تو ضرور منظور کر لیتا، مگر کیا کروں، تمہارا حاکم منظور نہیں کرتا، حوٹن زیندہ رہ سُن کر اپنی جگہ پر لوٹ آیا۔ اس کے قریب خود اس کے قیدی کا بھی ایک شخص کھڑا تھا۔ اس کا نام قرہ بن قیس تھا، حوٹنے سے کہا، یہ تم نے اپنے گھر کو پانی پلا لیا؟"

بعد میں قرہ کہا کرتا تھا کہ "سو کے اس سوال ہی سے میں سمجھ گیا تھا کہ وہ امام حسینؑ کے خلاف لڑائی میں شریک نہیں ہونا چاہتا، اور مجھے وہاں سے ٹالنا چاہتا ہے۔ تاکہ میں اس کی شکایت حاکم سے نہ کروں۔" یہ سوچتے ہوئے میں نے جواب دیا، میں نے اپنے گھوڑے کو پانی نہیں پلا یا ہے۔ میں ابھی جاتا ہوں۔ یہ کہہ کر میں دوسری طرف روانہ ہو گیا۔ میرے انگ ہوتے ہی حوٹنے نے امام حسینؑ کی طرف آہستہ آہستہ بڑھنا شروع کیا۔ یہ دیکھ کر اس کے قیدی کے ایک شخص ہاجر بن اوس نے کہا: "کیا تم حسینؑ پر حملہ کرنا چاہتے ہو؟ حوٹن خاموش ہو گیا۔ ہاجر کو شک ہوا اور کہنے لگا: تمہاری خاموشی مشتبہ ہے۔ میں نے کبھی کسی جنگ میں تمہاری یہ حالت نہیں دیکھی۔ اگر مجھ سے پوچھا جائے کہ کوفہ میں سب سے بہادر کون ہے؟ تو تمہارے نام کے سوا کوئی اور نام میری زبان پر نہیں آسکتا۔ پھر تم اس وقت یہ کیا کر رہے ہو؟ حوٹنے نے سنجیدگی سے جواب دیا: "بجدا میں جنت یا دوزخ کا انتخاب کر رہا ہوں۔ واللہ میں نے جنت کا انتخاب کر لیا ہے، چاہے میں اس لڑائی میں شہید کیوں نہ کروں یا جاؤں۔" یہ کہا اور گھوڑے کو اڑنے لگا کہ شکر حسینؑ میں پہنچ گیا۔



حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں پہنچ کر حوٹنے کہا: "ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں یہ وہ بد بخت ہوں جس نے آپ کو کوٹنے سے روکا، راستہ بھر آپ کا پیچھا کیا، اور اس جگہ اترنے پر مجبور کیا۔ خدا کی قسم! میرے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ یہ لوگ آپ کی شرطیں منظور نہ کریں گے، اور آپ کے معاملہ میں اس حد تک پہنچ جائیں گے۔ اللہ اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ وہ ایسا کریں گے، تو میں ہرگز اس حرکت کا ترکیب نہ ہوتا۔ میں اپنے قصوروں پر نادم ہو کر توبہ کے لئے آپ کے پاس آیا ہوں۔ میں آپ کے رسول پر قربان ہونا چاہتا ہوں۔ کیا آپ کے خیال میں یہ اقدام و عمل میری توبہ اور بخشش کے لئے کافی نہیں ہوگا؟ حضرت نے محبت و مروت سے فرمایا: "ہاں، اللہ تعالیٰ تیری توبہ کو قبول فرمائے، تجھے بخش دے، تیرا نام کیا ہے؟" اس نے کہا: "حزبن یزید" فرمایا: "تو حور یعنی آزاداں ہی ہے جیسا کہ تیری ماں نے تیرا نام رکھ دیا ہے، تو دنیا اور آخرت میں انشاء اللہ حور ہے۔"

بعد ازیں حرد دشمن کی صفوں کے سامنے پہنچا اور کہا: "اے لوگو! حسینؑ کی پیشگی ہوتی شرطوں میں سے کوئی شرط منظور کیوں نہیں کر لیتے تاکہ خدا تجھے اس امتحان سے بچالے؟ وہ بولے: "یہ ہمارے سردار عمر بن سعد موجود ہیں۔ یہی جواب دیں گے۔" عمر نے کہا: "میری دلی خواہش تھی کہ ان کی شرطیں منظور کر سکتا۔" اس کے بعد حوٹنے نہایت جوش و خروش سے تقریر کی، اور اہل کوفہ کو ان کی بد عہدی اور غداری پر شرم و غیرت دلائی۔ لیکن اس کے جواب میں انہوں نے تیرے سامنے شروع کر دیئے حوٹنے بیکھ کر مجبوراً اخیمہ کی طرف لوٹ آیا۔

اس واقعہ کے بعد عمر بن سعد نے اپنی کمان اٹھائی اور لشکر حسینؑ کی طرف بیکھ کر

تیر پھینکا، گواہ رہا سب سے پہلا تیر میں نے چلایا ہے، پھر تیر باری سہرے میں
 شروع ہو گئی۔ تھوڑی دیر بعد زیاد بن ابیہ، اور علیہ اللہ بن زیاد کے غلام لیا
 سالم میدان میں نکلے اور مبارزت طلب کی۔ قدیم طریق جنگ میں مبارزت کا طریق
 تھا کہ فریقین کے لشکر سے ایک ایک جنگ آزما نکلتا، اور پھر دونوں باہم دگر بیا
 چنانچہ لشکر حسین سے ضعیف بن مظاہر اور بریر بن حضیر نکلنے لگے، مگر حضرت حسین
 نے انہیں منع کیا۔ عبداللہ بن عمیر الکلبی نے کھڑے ہو کر عرض کیا مجھے اجازت دے
 کہ مبارزت کے لئے نکلوں۔ یہ شخص اپنی بیوی کے ساتھ حضرت کی حمایت کے
 کوٹے سے چل کر آیا تھا۔ سپاہ رنگ، نومذرا اور کثادہ سینہ تھا۔ آپ نے اس
 صورت دیکھ کر فرمایا: "بے شک یہ مرد میدان ہے" اور اجازت دے دی۔
 نے چند پھیروں میں دونوں حریف زبرد کے قتل کر ڈالے۔ اس کی بیوی ام ویر
 ہاتھ میں لاٹھی لئے کھڑی تھی اور جنگ کی ترغیب دیتی تھی۔ پھر ایک سے اس
 جوش آیا کہ میدان جنگ کی طرف بڑھنے لگی۔ حضرت حسین نے یہ دیکھ کر بہت متاثر
 ہوئے اور فرمایا: "اہل بیت کی طرف سے خدا تمہیں جزائے خیر دے، لیکن عورتوں
 کے ذمہ لڑائی نہیں"۔

اس کے بعد ابن سعد کے مہینہ نے حملہ کیا۔ جب بالکل قریب پہنچ گئے تو حضرت
 کے رفقاء نے ہر گھٹنے ٹیک کر کھڑے ہو گئے، اور نیزے سے کھڑے نیزوں
 منہ پر گھوڑے بوسھہ نہ سکے اور لڑنے لگے۔ حضرت کی فوج نے اس موقع سے فائدہ
 اٹھایا اور تیر باری کسی کے بہت سے آدمی قتل اور زخمی کر دیئے۔ اب باقاعدہ جنگ
 جاری ہو گئی، طرفین سے منتخب جوان نکلنے لگے اور تلوار کے جوہر دکھاتے تھے۔ حضرت

کے طرف داروں کا پلہ بھاری تھا۔ جو بھی ان کے سامنے آتا تھا، مارا جاتا تھا۔ مہینہ کے سپہ سالار عمرو بن العجاج نے یہ حالت دیکھی تو پکارا اٹھا

بے وقوف! پہلے تم یہ جان لو کہ کس سے لڑ رہے ہو؟ یہ لوگ جان پر کھیلے ہوئے ہیں تم اسی طرح ایک ایک کر کے قتل ہوتے جاؤ گے۔ ایسا نہ کرو، یہ مٹھی بھر میں انہیں تو پتھروں سے مار سکتے ہو۔ عمرو بن سعد نے یہ رائے پسند کی اور حکم دیا کہ مبارک موقوف کی جائے اور عام حملہ شروع ہو۔ چنانچہ مہینہ آگے بڑھا، اور کشت و خون شروع ہو گیا۔ ایک گھڑی بعد لڑائی رکی تو نظر آیا کہ حسینی فوج کے نامور بہادر مسلم بن عوسجہ خاک و خون میں پڑے ہیں۔ حضرت حسین دوڑ کر لاش پاس پہنچے ابھی سانس باقی تھا، آہ بھر کر فرمایا: "مسلم تجھ پر خدا کی رحمت! مسلم بن عوسجہ اس جنگ میں آپ کی جانب سے پہلے شہید تھے۔"

لڑائی اپنی پوری ہولناکی سے جاری تھی۔ اب دوپہر ہو گئی، مگر کوئی فوج جغلبہ حاصل نہ کر سکی۔ وجہ یہ تھی کہ لشکرِ امامؑ مجتمع تھا اور حسینی فوج نے تمام خیمے ایک جگہ جمع کر دیئے تھے، جس کے سبب دشمن صرف ایک ہی رخ سے حملہ کر سکتا تھا۔ عمر بن سعد نے یہ دیکھا تو خیمے اکھاڑ ڈالنے کے لئے آدمی بھیجے۔ حسینی فوج کے صرف چند ہی آدمی یہاں مقابلہ کے لئے کافی ثابت ہوئے۔ وہ خیموں کی آڑ سے دشمن کے آدمی قتل کرنے لگے۔ جب یہ صورت بھی ناکامیاب رہی تو عمرو بن سعد نے خیمے جلا دینے کا حکم دیا۔ سپاہی آگ لے کر دوڑے۔ حسینی فوج نے یہ دیکھا تو مضطرب ہوئی، مگر حضرت حسینؑ نے فرمایا ان کے اس فعل پر تشویش مت کرو۔ جلائے دو۔ یہ ہمارے لئے اور بھی بہتر ہے۔ اب دیکھو سے حملہ نہیں کر سکیں گے۔" امدان کے حسب ارشاد ہوا بھی یہی۔

اسی اثنا میں ظہیر بن القین نے شمر پر زبردست حملہ کیا اور اس کی فوج کے قدم
 اکھاڑ دیئے، مگر کب تک؟ ذرا دیر کے بعد پھر دشمن کا ہجوم ہو گیا اب حسینؑ لشکر
 بے بسی صاف ظاہر تھی بہت سے لوگ قتل ہو چکے تھے، کسی نامی سردار مارے جا چکے
 تھے حتیٰ کہ عبداللہ بن عمیر بھی، جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے، قتل ہو چکا تھا اس کی بیوی
 ام وہب بھی شہید ہو چکی تھی۔ یہ میدان جنگ میں ٹھپی اپنے مقتول شوہر کے چہرے سے
 مٹی صاف کر رہی تھی اور یہ کہتی جاتی تھی: "مجھے جنت مبارک ہو، شمر نے جب اسے پکھا
 تو قتل کر ڈالا، اب لہو منہ و بدن عبداللہ صاندی نے اپنی بے بسی کی حالت محسوس کی اور ظاہر
 حسین سے عرض کیا: دشمن اب بالکل آپ کے قریب آ گیا ہے۔ واللہ آپ اس وقت
 تک قتل نہیں ہونے پائیں گے، جب تک میں قتل نہ ہو جاؤں۔ لیکن میری آرزو ہے
 کہ اپنے بہرہ ور و گار اور معبود سے نماز پڑھ کر ملوں، جس کا وقت قریب آ گیا ہے!"
 یہ سن کر حضرت نے سر اٹھایا اور فرمایا: دشمنوں سے کہو ہمیں نماز کی ہہلت دیں
 مگر دشمنوں نے یہ درخواست منظور نہیں کی اور لڑائی بدستور جاری رہی۔ یہ وقت بہت
 سخت تھا، کیونکہ دشمن نے اپنی پوری قوت لگا دی۔ غضب یہ ہوا کہ حسینؑ میسرہ کے
 سپہ سالار حبیب بن مظاہر بھی قتل ہو گئے۔ گویا فوج کی کمر ٹوٹ گئی۔ ان کے بعد ہی
 حر بن زبید کی باری تھی۔ وہ جوش میں رجزیہ اشعار پڑھتے ہوئے دشمن کی صفوں میں
 گھس پڑے، اور دشمنان حسینؑ کو قتل کرنے لگے، چند لمحوں کی بات تھی، حر زخمی
 سے چور ہو کر گئے اور جان بحق تسلیم ہو گئے۔ اب ظہر کا وقت ختم ہو رہا تھا، حضرت
 نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ نماز پڑھی۔ نماز کے بعد دشمن کا دباؤ اور بھی زیادہ ہو گیا
 اس موقع پر آپ کے میسرہ کے سپہ سالار ظہیر بن القین نے میدان اپنے ہاتھ لے لیا،

دریہ شعر پڑھتے ہوئے دشمن پر ٹوٹ پڑے۔

انا زہیرا لنا ابن القین اذروہم بالسیف عن حیاء

میں زہیرا بن القین ہوں میں اپنی تلوار کی نوک سے انہیں حسین سے دھکے دوں گا۔
پھر دشمن کی طرف لوٹے اور انہیں قتل کرتے رہے یہاں تک کہ خود شہید ہو گئے
اب آپ کے ساتھیوں نے دیکھا کہ دشمن کو روکنا ناممکن ہے چنانچہ انہوں نے طے کیا
کہ آپ کے سامنے ایک ایک کر کے قتل ہو جائیں۔ لہذا دو غفاری بھائی آگے بڑھے
اور رٹنے لگے، حتیٰ کہ عشق حسین وہ بھی شہید ہو گئے۔

ان کے بعد دو جاہری ٹیپے کے سامنے آئے۔ دونوں بھائی تھے اور زار و قہار رو
رہے تھے۔ حضرت نے انہیں دیکھا تو فرمانے لگے "اے میرے بھائی کے فرزندو!
کیوں روتے ہو۔ ابھی چند لمحوں بعد تمہاری آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی۔" انہوں نے
شکستہ آواز میں عرض کیا "ہم اپنی جان کی فکر میں نہیں روتے بلکہ ہم آپ کی موجودہ
کیفیت پر روتے ہیں۔ دشمن نے آپ کو گھیر لیا ہے، اور ہم آپ کے کسی کام نہیں
اسکتے۔" پھر دونوں نے بڑی شجاعت سے لڑنا شروع کیا۔ وہ بار بار چلاتے تھے
السلام علیک یا ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!

ان کی شہادت کے بعد حنظلہ بن اسعد حضرت کے سامنے آ کر کھڑے ہوئے
اور باواز بند انہیں مخاطب کیا: اے قوم! میں ڈرتا ہوں کہ عادیثو کی طرح تمہیں
بھی عذاب الہی کا روندہ دیکھنا پڑے۔ میں ڈرتا ہوں کہ تم ہوا و نہ ہو جاؤ۔ اے
قوم! حسین کو قتل نہ کرو، لیسا نہ ہو کہ خدا تم پر اپنا غضب اور عذاب نازل کر دے۔
لیکن ان کے نصائح پر عمل کرنے کی بجائے انہیں بھی شہید کر دیا گیا۔

الغرض یکے بعد دیگرے تمام اصحاب قتل ہو گئے۔ اب بنی ہاشم اور خاندان
کی باری تھی۔ سب سے پہلے آپ کے صاحبزادے علی اکبر میدان میں آئے اور
دشمن پر حملہ کیا۔ ان کا رجز یہ تھا :-

”میں علی بن حسین بن علی ہوں۔ قسم رب کعبہ کی کہ ہم قرب نبی کے زیادہ حقدار
ہیں۔ قسم خدا کی نامعلوم باپ کے لڑکے کا بیٹا (یزید) ہم پر حکومت نہیں کر سکے گا
وہ بڑی شجاعت کے ساتھ لڑے۔ بالآخر مرہ بن منقذ العبدی کی تلوار سے شہید
کئے۔ ایک داوی کہتا ہے میں نے دیکھا کہ خیمے سے ایک عورت تیزی کے ساتھ نکلی
وہ اتنی حسین تھی جیسے طلوع کرتا ہوا سورج ہو۔ وہ چلا رہی تھی ”آہ بھائی! آہ بھتیجے
میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا کہ یہ زینب بنت فاطمہ بنت رسول اللہ
ہیں۔ لیکن حضرت حسین نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا، اور خیمے میں پہنچا آئے پھر علی کی
نعش اٹھائی اور خیمے کے سامنے لا کر رکھ دی۔

ان کے بعد اہل بیت اور بنی ہاشم کے دوسرے جان فروش قتل ہوتے رہے،
یہاں تک کہ میدان میں ایک جوان رہنا نمودار ہوا۔ وہ اس قدر حسین تھا کہ بیان نہیں
کیا جاسکتا۔ وہ بڑی شدت کے ساتھ دشمن پر حملہ آور ہوا۔ عمرو بن سعد ازوی نے
اس کے سر پر تلوار ماری۔ نوجوان چلایا ”ہائے چچا! اور زمین پر گر پڑا۔ آواز سنتے
ہی حضرت حسین غضبناک شہر کی طرح قاتل پر لپکے اور تلوار کا ایک بے پناہ وار
کیا جس سے اس کا نصف بازو کٹ گیا۔ زخم کھا کر قاتل نے پکارنا شروع کیا۔ فوج
اسے بچانے کے لئے ٹوٹ پڑی مگر گھبراہٹ میں بچانے کی بجائے اسے روند ڈالا
داوی کہتا ہے جب غبار چھٹ گیا تو کیا دیکھتا ہوں حضرت حسین لڑکے کے سر ہانے

مٹے میں۔ وہ ایڑیاں رگڑ رہا ہے، اور آپ فرماتے ہیں: ان کے لئے ہلاکت جنہوں
 نے تجھے قتل کیا ہے۔ قیامت کے دن تیرے تانا کو یہ کیا جواب دیں گے؟ بخدا تیرے
 پاؤں کے لئے یہ سخت حسرت کا مقام ہے کہ تو اسے پکارے اور وہ جواب نہ دے۔
 اجواب دے مگر تجھے اس کی آواز فائدہ نہ پہنچا سکے۔ میرے بھتیجے انیسویں کہ تیرے
 بچا کے دشمن بہت ہو گئے، اور دوست باقی نہ رہے۔ اس حال میں اللہ ہی کی
 ہستی ہی کافی ہے؛ پھر اللہ نے اپنی گود میں اٹھالی اور اسے حالیکہ لڑکے کا سینہ آپ
 کے سینہ سے ملا ہوا تھا اور پاؤں زمین پر رگڑتے جاتے تھے آپ نے اسے لاکر علی اکبر
 کے پہلو میں لٹا دیا۔ راوی کہتا ہے میں نے حاضرین سے پوچھا یہ کون ہے؟ انہوں نے
 نبایا یسیہ تاسم بن حسن بن علی رضی اللہ عنہما ہیں۔ عین اس وقت حضرت حسین کے بہا
 لڑکا پیدا ہوا، اور وہ آپ کے پاس لایا گیا۔ آپ نے اسے گود میں لیا اور اس کے
 کان میں اذان دینے لگے۔ اچانک ایک تیرا یا اور بچے کے حلق میں پویست ہو گیا۔
 بچے کی روح اسی وقت پرواز کر گئی۔ آپ نے تیرا اس کے حلق سے کھینچ کر نکالا اور خون سے
 چلو بھرا اور اس کے جسم پر ملنے لگے اور فریاد کرنے لگے: واللہ لو خدا کی نظر میں
 حضرت صالح کی اونٹنی سے زیادہ معزز و محترم ہے۔ اور محمد اللہ کی نظر میں حضرت
 صالح سے زیادہ افضل ہیں۔ الہی! اگر تو نے ہم سے اپنی نصرت رکھ لی ہے تو وہی کر
 جس میں بہتری ہے

اسی طرح ایک ایک کر کے اکثر بنی ہاشم اور اہل بیت شہید ہو گئے ان سب
 کے بعد خود آپ کی باری تھی آپ میدان میں تنہا کھڑے تھے دشمن یا غار کر کے آئے
 تھے مگر وار کرنے کی بہت نہ پڑتی تھی۔ سہرا ایک کی خراش تھی کہ یہ گناہ عظیم دوسرے کے

مرد لے لیکن شمر و الجوشن نے ساتھیوں کو برا لکھتے کرنا شروع کیا۔ ہر طرف سے اس
 کو گھیر لیا گیا۔ اہل بیت کے خیمے میں عورتیں اور چند خور و سال لڑکے گئے تھے
 سے ایک لڑکے نے آپ کو اس طرح گھرا دیکھا تو جوش سے بے خود ہو گیا، اور خیمہ
 لکڑی لے کر دوڑ پڑا۔ حضرت زینب کی نظر پڑ گئی تو دوڑ کر بکڑ لیا۔ حضرت حسین نے
 دیکھ لیا اور بہن سے کہا اسے روکے رکھو، اور ہر آنے زپائے لگا لڑکے نے زور کر کے
 اپنے آپ کو چھڑا لیا اور حضرت کے پہلو میں پہنچ گیا۔ عین اسی وقت بحرین کو بے نے
 پر تلوار اٹھائی لڑکے نے فوراً ڈانٹ بتائی وہاں وحیدت امیرے چچا کو قتل کرنے کا
 سنگدل حکم آونے اپنی تلوار لڑکے پر چھوڑ دی۔ اس نے ہاتھ پر روکی، اور ہاتھ کو
 گیا۔ بچہ اس شدید اذیت سے چلا آیا۔ حضرت نے اسے سینے سے چپٹا لیا اور فرمایا
 ”صبر کر، اسے ثواب خداوندی کا ذریعہ بنا۔ اللہ تعالیٰ تجھے بھی تیرے صالح بزرگوں
 تک پہنچا دے گا، رسول اللہ علی بن ابی طالب، حمزہ، جعفر اور حسن بن علی تک
 اب آپ پر ہر طرف سے نزع شروع ہوا۔ آپ نے بھی تلوار چلانا شروع کی اپیل
 قوت پر ٹوٹ پڑنے، اور تن تنہا اس کے قدم اکھاڑ دیئے۔ عبداللہ بن عمار جو خون
 جنگ میں شریک تھا، روایت کرتا ہے کہ میں نے نیزے سے حضرت حسین پر حملہ کیا
 ان کے بالکل قریب پہنچ گیا۔ انہیں چاہتا تو قتل کر سکتا تھا مگر یہ خیال کر کے ہٹ گیا کہ
 گناہ اپنے سر کیوں لوں۔ میں نے دیکھا کہ وائیں بائیں حضرت پر حملے ہو رہے تھے
 وہ جس طرف مڑ جاتے تھے دشمن کو بھگا دیتے تھے واللہ میں نے کبھی کسی شکستہ دل کو
 جس کا تمام کنبہ اس کی آنکھوں کے سامنے قتل کر دیا گیا ہو، ایسا شجاع ثابت
 اور مطمئن نہیں دیکھا۔ حالت یہ تھی کہ وائیں بائیں سے دشمن اس طرح بھاگ کھڑے

ہوتے تھے جس طرح شیر کو دیکھو دیکھ کر بکریاں بھاگ جاتی ہیں۔ دیر تک یہی حالت ہی
 اسی آثار میں آپ کی بہن زینب بنت فاطمہؓ زینبہ سے باہر نکلیں اور وہ چلا رہی تھیں
 مدکاش، آج آسمان زمین پر ٹوٹ پڑے۔ یہ وہ موقع تھا جبکہ عمر بن سعد حضرت حسینؓ
 کے بالکل قریب آگیا۔ حضرت زینبؓ نے پکار کر کہا: اے عمر! کیا ابو عبد اللہ تمہاری
 آنکھوں کے سامنے قتل ہو جائیں گے؟

عمر نے یہ سن کر منہ پھیر لیا، مگر اس کے رخسار اور ڈاڑھی پہا نسوؤں کی لڑیاں
 بہنے لگیں۔

رطانی کے دوران میں آپ کو بہت سخت پیاس لگی۔ آپ پانی پینے فرات کی
 طرف چلے، مگر دشمن کب جانے دیتا تھا۔ اچانک ایک تیر آیا اور آپ کے حلق میں
 پیوست ہو گیا۔ آپ نے تیر کھینچ لیا اور ہاتھ منہ کی طرف اٹھائے اور دونوں جلوخون
 سے بھر گئے۔ آپ نے خون آسمان کی طرف اچھالا اور خدا کا شکر ادا کیا۔ الہی میرا شکوہ بھی
 سہے۔ دیکھو تیرے رسول کے نواسے سے کیا برتاؤ کیا جا رہا ہے، پھر آپ اپنے خیمے
 کی طرف لوٹنے لگے، تو شمر امداس کے ساتھیوں نے یہاں بھی تعرض کیا۔ یہ دیکھ کر حضرت
 نے محسوس کیا کہ ان کی نیرت خراب ہے اور خیمہ لوٹنا چاہتے ہیں۔ فرمایا: اگر تم میں دین
 نہیں اور تم روز قیامت سے نہیں ڈرتے، تو آداب انسانیت کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے
 دنیاوی شرافت ہی پر قائم رہو۔ میرے خیمے کو اپنے جابلوں اور اوباشوں سے محفوظ رکھو
 شمر نے جواب دیا: اچھا ایسا ہی کیا جائے گا اور آپ کا خیمہ محفوظ رہے گا۔

اب بہت دیر ہو چکی تھی۔ رلوی کہتا ہے کہ دشمن اگر چاہتا تو آپ کو بہت پہلے قتل
 کر ڈالتا۔ مگر یہ گناہ کفیل بھی اپنے سر نہ لینا چاہتا تھا۔ یہ صورت حال دیکھ کر شمر فاجوش

جدا یا متہارا برا ہو کیا انتظار کرتے ہو کیوں ان کا کام تمام نہیں کر دیتے۔ اب پھر
 طرف سے نزعہ ہوا۔ آپ نے بکار کر کہا۔ مہتمم میرے قتل پر ایک دو مہرے کو کیوں ابھارتا
 ہو؟ واللہ میرے بعد کسی بندے کے قتل پر اللہ تعالیٰ اتنا غضبناک نہیں ہوگا، جتنا مجھ پر
 تمہارے ظلم و تعدی سے۔ مگر اب حالات بہت بگڑ چکے تھے، اور آپ کی نصیحت و تلقین
 کو کوئی نہیں سنتا تھا۔ زرعمہ بن شریک تمہی نے آپ کے بائیں ہاتھ کو زخمی کر دیا۔ پھر
 شانے پر تلوار ماری۔ آپ کمزوری سے لڑ پھڑائے۔ لوگ مدیت سے پیچھے ہٹے، مگر سنان
 بن انس نخعی نے بڑھ کر نیزہ مارا اور آپ زمین پر گر پڑے۔ اس نے ایک شخص سے
 کہا سر کاٹ لے۔ وہ سر کاٹنے کے لئے پدکا مگر جرات نہ ہوئی سنان بن انس نے غضب
 ہو کر کہا "عدا تیرے ہاتھ شکل کر ڈالے" پھر وہ خود جوش سے اتر آیا اور آپ کا سر زمین سے
 جدا کر دیا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اَهْلًا بَلْ اَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ
 لَا تَشْعُرُوْنَ ۝

جو حضرات اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید کئے گئے، انہیں مردہ ہرگز مت کہو، بلکہ وہ تو حقیقی

معنوں میں زندہ ہیں مگر تم ان کی زندگی کو سمجھ نہیں سکتے۔

حقیقت یہ ہے کہ امام الشہداء حضرت حسین علیہ السلام اس آیت قرآنی کی عملی تفسیر

تھے کہ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَّقَ الْبَاطِلُ، اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوًّا يَعْنِي "حق نمودار ہوا

اس کے نمودار ہوتے ہی باطل فنا ہو گیا کیونکہ باطل کے لئے فنا ہونا ازل ہی سے مقدر ہے

انہوں نے معدودے چند اعزاز و فقاہت کے ساتھ جانبان باطل کے لشکر خیار کاوٹ کر مقابلہ

کیا۔ ان کی آنکھوں کے سامنے تمام رفقار شہید ہو گئے، اہل بیت کے بچے شہید ہو گئے،

بن ایسے بابوس کن ماحول میں تین تہارہ جانے کے باوجود ان کے صبر و استقامت،
 دیم و بہت اور توکل علی اللہ میں ذرہ برابر ضعف نہ آیا۔ ہاں وہ بے بار و مددگار ہو کر
 غداروں، منافقوں اور بدعہدوں کے مقابل سینہ سپر رہے، اور تا دم واپسین بیرون
 لمل کا مقابلہ کرتے ہوئے جام شہادت نوش فرمایا۔ گویا جس دینِ حق میں اتہالی قربانی
 کے کراس کے ناموس و تقدس کی حفاظت کی!۔

غریب و سادہ و رنگین ہے داستانِ حرم
 نہایت اس کی حسین، ابتلا ہے اسمعیلؑ

واقبال

تاریخ کے اس عظیم الشان اور عبرت آموز معرکہ حق و باطل سے واضح ہے کہ
 باطل کے توکمی مذاہب ہو سکتے ہیں، کسی طریق عمل ہو سکتے ہیں، کئی مسلک و مشرب
 ہو سکتے ہیں، جو ماحول اور ذہنی اغراض و مفادات کے تحت متغیر ہوتے رہتے ہیں۔
 جیسا کہ کوفہ کے غدار، بدعہد اور نام نہاد ”مسلمان“ نے کیا، لیکن حق اپنی ایک ہی
 زلی وابدی صورت میں قائم و دائم رہتا ہے، اور دنیا کی مادی قوتیں اپنے اتہالی
 ساز و سامان کے باوجود اسے مرعوب و مغلوب نہیں کر سکتیں :-

حقیقتِ ابدی ہے مقامِ شبیری
 بدلتے رہے ہیں اندازِ کوفی و شامی!

واقبال

سہ جو درحقیقت منافقین تھے، اور تاریخ میں اسام اور مسلمانوں کو تیب بھی ضعف و نقصان پہنچا ہے، ایسے

ہی منافقوں کے ذریعے پہنچا ہے۔

معرکہ کر بلا جو ایک ادا عم اور تعمیری پیغام ہمارے سامنے لاتا ہے، وہ یہ ہے کہ
 اسلامی جمہوریت کا درس قرآن حکیم نے پے در پے دیا تھا، اور جس پر حضرت صلی اللہ
 اور خلفائے راشدین نے بدرجہ اتم عمل پیرا ہو کر دکھایا، حضرت حسینؑ نے اپنی اور اپنے
 کی قربانیاں دے کر بھی اس روح جمہوریت کو زندہ و پائندہ اور فعال رکھا، انہوں نے
 سب کچھ جس کے تصور سے بھی کلیجے دہل جاتے ہیں، خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت
 لیکن یزید اور اس کے حامیوں کی آمریت اور جبر و استبداد کے سامنے تسلیم خرم
 کیا، اس میدان کا رزار کا ذرہ ذرہ آج تک شاید ہے کہ وہ ناموس اسلام کے فقیر
 اور زندہ جاوید محافظ تھے! —

مردا، نہ داد دوست در دست یزید
 حقا کہ بنائے لالہ است حسینؑ

اسلامی جمہوریت کے حفظ و بقا کے لئے سید رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ایک
 قربانی ہے جو تاقیامت ملت کو پکار پکار کر یہ حیات افروز اور حیات آموز درس
 دے گی کہ مسلمان اپنی جان کی بازی لگا کر بھی اپنی روایتی جمہوریت کے ناموس و تقویٰ
 کو برقرار رکھ سکتا ہے لیکن کسی بد کردار مطلق العنان آمر اور جابر و مستبد شخص کی قیادت
 فرمانروائی قبول نہیں کر سکتا!

حشر تک چھوڑ گئے ایک درخندہ مثال
 حق پرستوں کو نہ بھولے گا یہ احسان حسینؑ

رمولانا محمد علی جوہر

عَنْ مُحَمَّدٍ
رَضِيَ اللَّهُ

عبد اللہ ذوالجبارین

قبول اسلام سے پہلے آپ کا نام عبدالعزیز تھا۔ ابھی شیرخوارگی کی منزل میں تھے کہ باپ کا انتقال ہو گیا۔ والدہ نہایت غریب تھیں، اس لئے چچا نے پرورش کا بیڑا اٹھایا۔ جب جوانی کی عمر کو پہنچے تو چچا نے اونٹ، بکریاں، غلام، سامان اور گھڑ پارے دے کر ضروریات سے بے نیاز کر دیا۔ ہجرت نبویؐ کے بعد توحید کی صدا میں عرب کے گوشے گوشے گونجنے لگی تھیں، اور ان کے کان میں براہ پہنچ رہی تھیں۔ چونکہ لوحِ نظرت بے میل اور شفاف تھی، اور قبولِ حق کی صلاحیت رکھتی تھی، اس لئے انہوں نے دل ہی دل میں قبولِ اسلام کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اسلام کی صدائے سخی جو عرب کے کسی بھی گوشے میں بلند ہوتی۔ ان کے لئے ذوق و شوق کا تازیانہ بن جاتی۔ قبولِ اسلام کے لئے ہر روز قدم بڑھاتے، مگر چچا کے خوف سے پھر پیچھے ہٹا لیتے۔ انہیں ہر وقت اسی کا انتظار رہتا کہ چچا اسلام کی طرف مائل ہوں تو یہ بھی سملنے لگوش یا اسلام ہو جائیں

اس انتظار میں بیٹھے گذرے مہینے مہینے اور سال ختم ہو گئے یہاں تک کہ مکر فتح ہو گیا۔
 دین حق کا پرچم ہر طرف لہرانے لگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تطہیرِ حرم کے بعد مدینہ
 میں واپس تشریف لائے تھے کہ ذوالحجہ دین کا پیمانہ حدیث بھی لبریز ہو گیا۔ آپ چچا کی خدمت
 میں حاضر ہوئے اور کہا "محترم چچا! میں کہی برسوں سے آپ کے قبولِ اسلام کی راہ
 تک رہا ہوں، مگر آپ کا حال وہی ہے، جو پہلے تھا۔ اب میں اپنی عمر پر زیادہ اہمیت
 نہیں کر سکتا مجھے اجازت دیجئے کہ آستانہ اسلام پر سر رکھ دوں۔"

ذوالحجہ دین کو جس بات کا خطرہ تھا، وہی پیش آگئی۔ ادھر "قبولِ اسلام" کے
 الفاظ ان کے ہونٹوں سے باہر نکلے، ادھر چچا آپ سے باہر ہو گیا، اور کہنے لگا، اگر
 اسلام قبول کرو گے تو میں اپنا تمام سامان تم سے واپس لے لوں گا، تمہارے جسم سے
 چادر اتار دوں گا، تمہاری کمر سے تہبند تک چھین لوں گا، تم اپنی دنیا سے بالکل تہی دست
 کر دیئے جاؤ گے اور ایسے حال میں یہاں سے نکلو گے کہ تمہارے جسم پر کپڑے کا ایک تار
 بھی باقی نہیں رہے گا۔"

چونکہ آپ کے قلب و دماغ میں اسلام راسخ ہو چکا تھا، اور توحید کا نشہ کو
 ایسا نشہ نہیں تھا جو دنیوی نقصانات کے خوف یا چچا کی سرد نہری و ترش کلامی سے
 اتر جائے لہذا انہوں نے بے باکی سے جواب دیا:

"وہ لے عم محترم! میں مسلمان ضرور ہوں گا، میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع
 ضرور کروں گا۔ اب میں شرک و بت پرستی کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ آپ کا رد و مال آپ
 کے لئے مبارک، اور میرا اسلام میرے لئے مبارک۔ تھوڑے دنوں تک موتساں تمام
 چیزوں کو مجھ سے چھڑا دے گی، پھر کیا برائے، اگر میں آج خود ہی انہیں چھوڑ دوں۔"

پ اپنا سب مال و اسباب سنبھال لیں۔ میں اس کے لئے دینِ حق کو قربان نہیں کرتا۔

ذوالبجاءین نے یہ کہا اور چچا کے تقاضے کے مطابق اپنا لباس اتار دیا جو تلاتا بیٹے، چادر اتار دی اور اس کے بعد تہبند بھی اتار کر ان کے سپرد کر دیا۔ پھر چچا کے ہر نے گھر سے اس طرح نکلے کہ خدائے واحد کے اسم مقدس کے سوا کوئی بھی اور چیز ساتھ نہ تھی۔

اس حال میں آپ اپنی ماں کے گھر میں داخل ہوئے، ماں نے انہیں مادرِ زاد پر نہ بچھو کر آنکھیں بند کر لیں، اور پریشانی ہو کر پوچھا: "اے میرے بیٹے! تمہارا یہ حال ہے؟" ذوالبجاءین نے کہا: "اے ماں! اب میں مومن و موحد ہو گیا ہوں! اللہ اللہ مومن و موحد ہو گیا ہوں" کے الفاظ ان کے حال کے کس قدر مطابق تھے، کیونکہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسولِ برحق کی خوشنودی کے لئے تمام دنیوی ساز و سامان کو مسترد کر دیا تھا، اور توحید ہی کو اپنی تمام سعادت و کامرانی کا منبع یقین کر لیا تھا۔ ماں نے پوچھا: "تو اب کیا ارادہ ہے؟" کہنے لگے: "اب میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جاؤں گا اور ان کے دست مبارک پر اسلام قبول کروں گا۔ صرف یہ چاہتا ہوں کہ مجھے ستر پوشی کے بقدر کپڑے دیا جائے۔" ماں نے ایک کبیل دیا۔ آپ نے اس کبیل کے دو ٹکڑے کیئے۔ ایک ٹکڑا تہبند کے طور پر باندھا، اور دوسرے چادر کے طور پر اوڑھا، اور اس طرح یہ مومن و موحد مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ باو سحر مسجدِ نبویؐ میں اکھیلیاں کر رہی تھی کہ گروسے اٹا ہوا ذوالبجاءین تلموں کی چھاؤں میں مسجدِ نبویؐ میں داخل ہوا، اور ایک دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر داعیِ برحق

کا انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز صبح کے لئے کھڑے ہوئے۔ حضور نے صحن مسجد میں قدم رکھا تو ذوالبجادیین سلمنے تھا۔ فرمایا: "آپ کون ذوالبجادیین نے جواب دیا؟" ایک فقیر اور مسافر۔ عاشق جمال اور طالب دیدار۔ نام عبدالعزیزی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالبجادیین کے تمام حالات سنا تسمت سنے، اور فرمایا: "یہیں ہمارے قریب ٹھہرو، اور مسجد میں رہا کرو۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالعزیزی کی بجائے عبداللہ ان کا نام رکھا۔ اور اصحاب صفہ میں شامل کر دیا۔ یہاں اللہ کا یہ موحّد بندہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ قرآن حکیم سیکھتا اور سمجھتا تھا اور آیات ربانی کو بڑے ہی ولولہ اور جوش سے پڑھتا رہتا تھا۔ حضرت عمار فاروقی نے ان کی بلند آواز قرأت سن کر ایک دفعہ فرمایا: "اے دوست اس قدر اونچی آواز سے نہ پڑھو کہ دوسروں کی نماز میں خلل واقع ہو۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا: "اے فاروق! انہیں چھوڑ دو۔ یہ تو خدا اور رسول کے لئے سب کچھ چھوڑ چکا ہے۔" جب اللہ کو اطلاع ملی کہ عرب کے تمام عیسائی قبائل قیصر روم کے جھنڈے تلے متحد ہو گئے ہیں، اور وہ رومی فوجوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں پر حملہ آور ہو رہے ہیں، اس وقت عرب کی گرمی خوب زوروں پر تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آدمیوں اور روپیے کے لئے اپیل کی۔ تمام اصحاب نے بقدر گنجائش و توانا مال و اسباب خدمت اسلام کے لئے وقف کر دیا۔ عبداللہ ذوالبجادیین کے پاس یہی خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے سوا کچھ بھی موجود نہ تھا۔ انہوں نے اپنی زندگی پیش کر دی۔

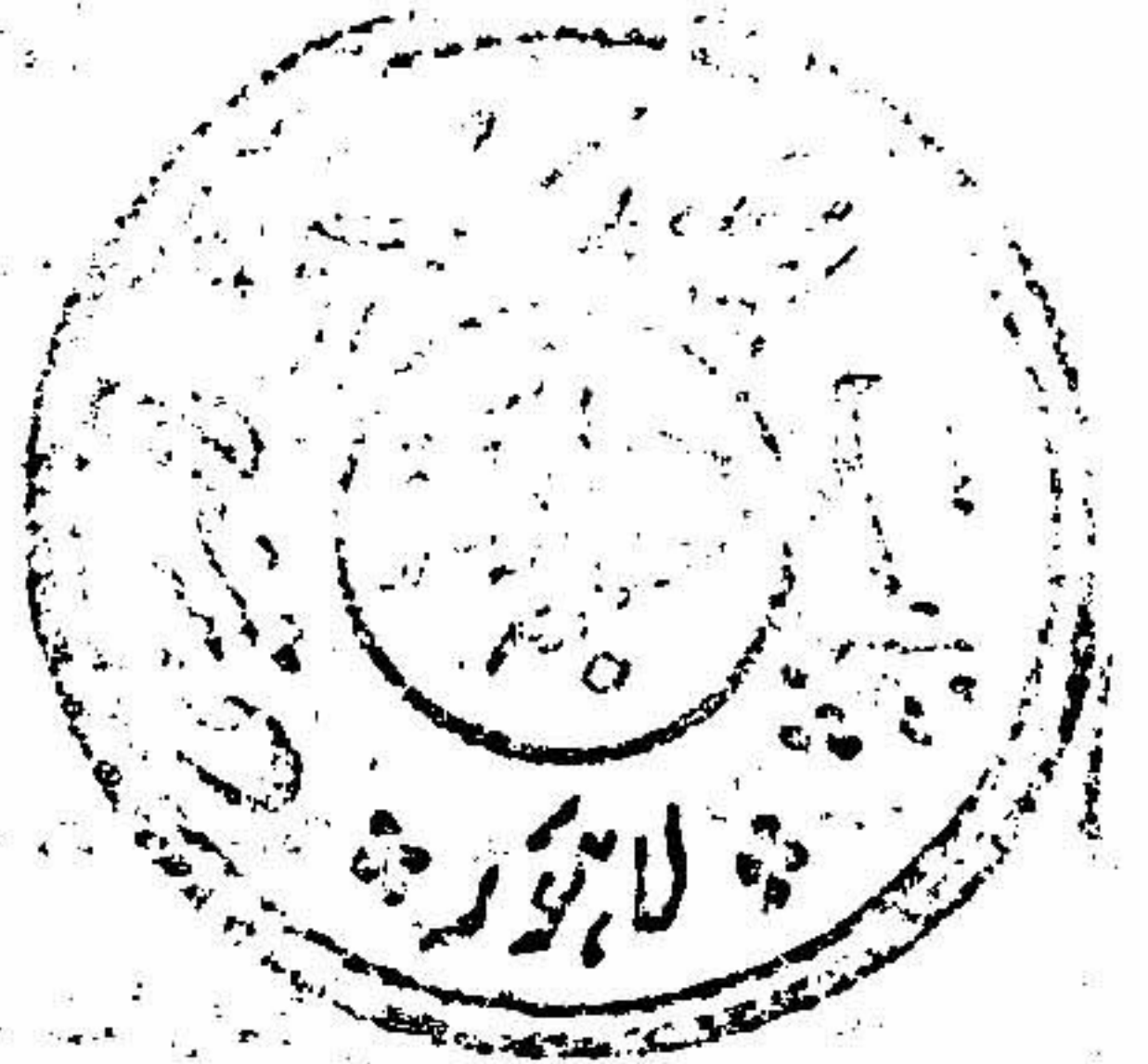
آنحضرت اسی ہزار مجاہدین کی جمعیت کے ساتھ بحرم اشجار کے طوفانوں میں

منورہ سے روانہ ہوئے۔ سواریاں اس قدم تک تھیں کہ اٹھارہ اٹھارہ آدمیوں
 حصے میں ایک ایک اونٹ آیا سامانِ رسد اس قدر قلیل تھا کہ مسلمان درختوں
 پتے کھاتے تھے، اور قیدصر روم کے مقابلے پر منزل بہ منزل چلے جا رہے تھے۔ عبداللہ
 البجاوین ولولہ جہاد سے لبریز تھا، شوق شہادت سے سرشار تھا اور اسی وطن میں
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں آیا اور کہنے لگا: "یا رسول اللہ! آپ
 فرمائیے کہ میں راہِ خدا میں شہید ہو جاؤں؟" رسول اللہ نے فرمایا: "تم کسی درخت
 چھلکا اتار لاؤ؟" عبداللہ درخت کا چھلکا لے کر خوشی خوشی حاضر خدمت ہوا۔ حضور
 چھلکا لیا اور اسے عبداللہ کے بازو پر باندھ دیا۔ اور زبان مبارک سے فرمایا: "پوچھو گا
 کفار پر عبداللہ کا خون حرام کرتا ہوں؟" عبداللہ ارشاد نبویؐ پر حیران سا رہ گیا اور
 نے لگا: "یا رسول اللہ! تو شہادت کا آرزو مند تھا۔" فرمایا جب تم راہِ خدا میں
 ل پڑے، پھر اگر بنجارے بھی مر جاؤ تو شہید ہو۔ مجاہدین اسلام تبوک کے مقام پر
 نیچے تھے کہ عبداللہ کو بیچ بنجا آ گیا یہی بنجاران کے لئے پیغام شہادت تھا۔ رسول اللہ
 ران کے انتقال کی خبر پہنچائی گئی تو آپ صحابہ کے ساتھ تشریف لائے۔ ابن عمار
 زنی سے روایت ہے کہ رات کا وقت تھا، حضرت بلال کے ہاتھ میں چوران تھا، حضرت
 بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ اپنے ہاتھوں سے میت کو لحد میں اتار رہے تھے۔ حضور
 رسول اللہؐ کے اندر کھڑے تھے، اور حضرت عمرؓ سے فرمایا: "تھے اُمّیاں الیٰ انکما
 یعنی اپنے بھائی کو اوب سے لحد میں اتارو۔"

جب میت لحد میں رکھ دی گئی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-
 ایٹھیں میں خود رکھوں گا پتا منچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے

قبر میں ایٹھیس لگا ہیں اور جب تدفین مکمل ہو چکی تو دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور
فرمایا :-

واللہی! میں آج شام تک مرے ولے سے خوش رہا ہوں۔ تو بھی اس سے راہ
ہو جا۔ حضرت ابن مسعود نے یہ نظارہ دیکھا تو فرمایا: اے کاش! اس قبر میں
میں دفن کیا جاتا۔



رضی اللہ عنہ

عمر بن العاص

حضرت عمر بن العاص کی شجاعت، تدبیر اور فتوحات سے تاریخ کے صفحات لبریز ہیں۔ مصر کی فتح، سلاطین کی تدبیر و قیادت کا نتیجہ تھی۔ خلافت اموی کے قیام و استحکام میں ان ہی کی سیاست کا فرما تھی۔ وہ اپنے عہد کی سیاست میں ہمیشہ پیش پیش رہے۔ ایک ایسے سیاسی مدیر نے موت کا کس طرح خیر مقدم کیا، ذیل کی سطور میں اس کی تفصیل ملے گی:

جب بیماری نے خطرناک صورت اختیار کر لی اور آپ کو زندگی کی کوئی امید باقی نہ رہی تو اپنی فوج خاصہ کے افسر اور سپاہی طلب کئے۔ پھر لیٹے لیٹے ہی ان سے سوال کیا: میں تمہارا کیا ساتھ تھا؟ انہوں نے بڑی سرگرمی سے جواب دیا: سبحان اللہ! آپ نہایت ہی بہرہ بان آقا تھے۔ بڑی قیاضی سے ہماری مدد کرتے تھے۔ ہمیں خوش رکھتے تھے۔ یہ کرتے تھے، وہ کرتے تھے۔ ابن عاص نے یہ سن کر بڑی سنجیدگی سے کہا: میں یہ سب کچھ اس لئے کرتا تھا کہ تم مجھے موت کے منہ سے بچاؤ گے، کیونکہ تم سپاہی تھے، اور میدان جنگ

میں اپنے سردار کے لئے سپرد تھے۔ لیکن یہ دیکھو موت سامنے کھڑی ہے اور میرا کام تمام
 دینا چاہتی ہے۔ آگے بڑھو اور اس کو مچھڑ سے دور کرو۔ سب حاضرین حیرت
 ایک دوسرے کا منہ تھکنے لگے۔ پریشان تھے کہ کیا جواب دیں۔ اسے ابو عبد اللہ اور
 بعد انہوں نے کہا: "واللہ ہم آپ کی زبان سے ایسی فضول بات سننے کے سرگرم ہوئے
 تھے۔ آپ جانتے ہیں کہ موت کے مقابلہ میں ہم آپ کے کچھ بھی کام نہیں آسکتے۔
 آہ بھری اور حسرت سے کہا: "واللہ یہ حقیقت میں خوب جانتا ہوں۔ واقعی تم مجھے موت
 سے ہرگز نہیں بچا سکتے۔ لیکن اسے کاش! میں یہ بات پہلے سے سوچ لیتا۔ اے کاش
 میں نے تم میں سے ایک آدمی بھی اپنی حفاظت کے لئے نہ رکھا ہوتا۔ ابن ابی طلحہ
 حضرت علیؑ کا بھلا ہوا کیا ہی خوب کہہ گیا ہے کہ "آدمی کی سب سے بڑی محاذ
 خود اس کی اپنی موت ہے۔" (طبقات ابن سعد)
 راوی کہتا ہے: "معم عمر بن العاص کی عیادت کو حاضر ہوئے وہ موت کی سختیوں
 مبتلا تھے۔ اچانک دیوار کی طرف منہ پھیر لیا اور چھوٹ چھوٹ کر رونے لگے۔ ان
 بیٹے عبد اللہ نے کہا: "آپ کیوں روتے ہیں۔ کیا رسول اللہ آپ کو یہ بشارتیں نہیں
 چکے ہیں؟ انہوں نے بشارتیں سنائیں، لیکن ابن العاص نے روتے ہوئے کہا: "میرے
 پاس سب سے افضل دولت لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ کی شہادت
 مجھ پر زندگی کی تین حالتیں گزری ہیں۔ ایک وقت وہ تھا کہ میں اپنے دل میں رسول
 صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کی دشمنی نہیں رکھتا تھا۔ میری سب سے بڑی تمنا یہ تھی
 کسی طرح قابو پا کر آپ کو قتل کر ڈالوں۔ اگر میں اس حالت میں اس نیت کے ساتھ
 جاتا تو یقیناً جہنمی مرتا۔ پھر ایک وقت آیا جب اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں اسلام کی

لہی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا یا رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم، میں بیعت کرتا ہوں۔ آپ نے دست مبارک دلا دیا، مگر میں نے پھلپنا
 کھینچ لیا۔ فرمایا: ”عمر، تجھے کیا ہوا؟“ میں نے عرض کیا: ”ایک شرط چاہتا ہوں“ فرمایا
 ”یہی شرط؟“ میں نے عرض کیا: ”یہ شرط کہ ما قبل زندگی کے متعلق میری تشریح ہو جائے۔“
 میں پریشان ہوا۔ اسے عمر و ابی ایوب نے معلوم نہیں کہ اسلام اپنے سے پہلے تمام گناہ مٹا
 دیتا ہے، ہجرت بھی مٹا دیتی ہے؛ — حج بھی مٹا دیتا ہے؛ یہ ابن عباس کی مشہور
 روایت ہے جیسے شیخین نے بھی روایت کیا ہے۔ — ”اس وقت میں نے اپنا حال یہ
 بھانپا کہ نہ تو رسول اللہ سے زیادہ مجھے کوئی دوسرا انسان محبوب تھا اور نہ رسول اللہ
 سے زیادہ کسی کی عزت میری نگاہ میں تھی۔ میں سوچ کھتا ہوں کہ اگر کوئی مجھ سے آپ کا
 بلیہ پوچھے تو میں نہیں بتا سکتا۔ کیونکہ اتہامی عظمت و ہیبت کی وجہ سے میں آپ کو
 نظر بھر کر دیکھ ہی نہیں سکتا تھا۔ اگر میں قرب رسول کی اس کیفیت میں مر جاتا تو میرے
 بنتی ہونے کی پوری امید تھی! — پھر ایک زمانہ ایسا آیا جس میں ہم نے بہت اونچ
 بیچ کا مہ کئے۔ میں نہیں جانتا کہ اب میرا کیا حال ہوگا۔“

پھر آپ نے حاضرین سے بطور وصیت فرمایا: ”جب میں مروں تو میرے ساتھ اپنے
 والیاں نہ جائیں، نہ آگ جائے۔“ دفن کے وقت مجھ پر مٹی آہستہ آہستہ ڈالنا۔ میری
 قبر سے نارغ ہو کر اس وقت تک میرے قریب رہنا جب تک جانور ذبح کر کے ان کا
 گوشت تقسیم نہ ہو جائے کیونکہ تمہاری موجودگی سے مجھے انس حاصل ہوگا۔ پھر میں جان
 لوں گا کہ اپنے پروردگار کو کیا جواب دوں۔ (طبقات ابن سعد)

لہ یہ عربوں کے ایام جاہلیت کی رسوم تھی۔

ان کے ہوش و حواس آخری وقت تک قائم تھے۔ معاویہ بن خدیج عبادت کرنا
 دیکھنا نزع کی حالت ہے۔ پوچھا: کیا حال ہے؟ آپ نے جواب دیا: شاید نزع سے
 رہا ہوں۔ بگڑتا زیادہ ہوں، بتا کم ہوں۔ اس صورت میں اس بوڑھے کا بچنا کیونکر

عقد الویدوا بن

حضرت عبداللہ ابن عباس عبادت کو آئے، سلام کیا، طبیعت پوچھی کہنے لگے
 اپنی دنیا کم بنائی، مگر دین زیادہ بگاڑ لیا۔ اگر میں نے اسے بگاڑا ہوتا جسے سنوارا ہے
 اسے سنوارا ہوتا جسے بگاڑا ہے، تو یقیناً میں بازمی لے جاتا۔ اگر مجھے اختیار ملے تو
 اسی چیز کی آندہ کروں، مگر محاسبہ اعمال سے بچ سکوں تو ضرور بھاگ جاؤں۔ اس وقت
 میں مغلیس کی طرح آسمان اور زمین کے درمیان معلق ہو رہا ہوں۔ نہ اپنے ہاتھوں
 کے زور سے اوپر چڑھ سکتا ہوں، نہ پیروں کی قوت سے نیچے اتر سکتا ہوں۔ اسے
 جیسے مجھے کوئی ایسی نصیحت کر جس سے فائدہ اٹھاؤں۔ ابن عباس نے جوار
 دیا: اے عبداللہ اب وقت کہاں؟ آپ کا بھتیجا تو خود بوڑھا ہو کر آپ کا بھائی
 گیا ہے۔ اگر آپ رونے کے لئے کہیں تو میں حاضر ہوں جو مقیم ہے وہ سفر کا کیونکر یقین
 سکتا ہے؟ عمرو بن العاص یہ جواب سن کر بہت افسردہ خاطر ہوئے اور کہنے لگے:
 کیسی سخت گھڑی ہے۔ اس وقت اسی برس سے زیادہ کا سن۔ اے عباس! تو مجھے
 کی رحمت سے ناامید کرتا ہے؟ — الہی تو مجھے خوب تکلیف دے یہاں تک کہ تیرے
 وعدہ ہو جائے، اور تیری رحمانندی لوٹ آئے!

ابن عباس نے کہا: ابو عبداللہ! آپ نے جو چیز لی تھی، وہ تو تھی تھی، اور اب
 چیز دے رہے ہو، وہ پرانی ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے؟ اس پر آندہ خاطر ہو گئے، اور کہا: ابن

کیوں پریشان کرتے ہو، جو بات کرتا ہوں اسے کاٹ دیتے ہو۔
 عمرو بن العاص زندگی میں اکثر کہا کرتے تھے ”مجھے ان لوگوں پر تعجب ہے جن
 کو اس موت کے وقت درست ہوتے ہیں، مگر موت کی حقیقت بیان نہیں کرتے“
 بل کو ان کی یہ بات یاد تھی جب وہ خود اس مرحلہ پر پہنچے تو حضرت عبداللہ بن عباس
 یہ مقولہ یاد دلایا۔ عمرو بن العاص نے ٹھٹھری سانس لی اور جواب دیا۔ جان من اموت
 صفت بیان نہیں ہو سکتی۔ موت کی کیفیت ناقابل بیان ہے۔ لیکن میں اس وقت
 صراحت یہ کہہ سکتا ہوں کہ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا آسمان زمین پر ٹوٹ پڑا ہے،
 میں دونوں کے درمیان پڑ گیا ہوں؟
 (الکامل - جلد ۱)

گویا میری گردن پر دھنوی پہاڑ رکھا ہے۔ گویا میرے پیٹ میں کھجور کے کائے بھر
 لے ہیں۔ گویا میری سانس سوئی کے ناکے سے نکل رہی ہے۔“ (ابن سعد)
 اسی حال میں انہوں نے ایک صندوق کی طرف اشارہ کر کے اپنے بیٹے عبداللہ سے
 کہا ”اسے لے لو! آپ کے بیٹے عبداللہ کا نہ بد مشہور ہے۔ انہوں نے کہا ”مجھ اس کی
 ضرورت نہیں“ عمرو نے کہا ”اس میں دولت ہے“ عبداللہ نے پھر انکار کیا۔ اس پر
 اقول کر کہنے لگے: کاش! اس میں سونے کی بجائے بکری کی میلنیاں ہوتیں۔ جب بالکل
 آخری وقت آگیا، تو انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھادیئے، مٹھیاں
 اس لیے، اور دعا کے لئے یہ کلمات زبان پر تھے: ”الہی! تو نے حکم دیا، اور ہم نے
 حکم عدولی کی۔ الہی! تو نے منع کیا اور ہم نے نافرمانی کی۔ الہی! میں بے قصور نہیں ہوں
 کہ میں معذرت کروں۔ طاقت در نہیں ہوں کہ غالب آ جاؤں۔ اگر تیری رحمت
 شامل حال نہ ہوئی تو میں ہلاک ہو جاؤں گا“
 (ابن سعد - الکامل)
 اس کے بعد اپنے تین مرتبہ لا الہ الا اللہ کہا اور جان بحق تسلیم ہو گئے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

معاویہ بن ابی سفیان

امیر معاویہ بن ابی سفیان کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ عرب کا وہ
جرم، عقل و تدبیر، اور سیاسی فہم و شعور اس دماغ میں جمع ہو گیا تھا۔ عربی کتب اور
تاریخ ان کی تدبیر و سیاست کے واقعات سے لبریز ہیں۔ تقریباً پوری زندگی ان
حکومت میں سپر سہوئی اور ہمیشہ ان کی سیاست کامیاب رہی۔ لیکن ان کی سیاست
کی بدترین لغزش اور اجتہادی غلطی یہ ہے کہ انہوں نے مسند خلافت جیسے مقدس
و مہوارانہ منصب کے لئے محض اپنا بیٹا ہونے کی وجہ سے بڑی حد تک نااہل شخص
تعیین کر دیا، جو بعد میں تمام مسلمانوں کے لئے بالعموم اور اہل بیعت کے لئے بالخصوص
گو ناگوں فتنوں اور مصیبتوں کا باعث ہوا، اور جس کی ہوس اقتدار کے تحت خانہ
نبوت کے تقدس، امن و سکون اور اذلی احترام کو سخت صدمہ پہنچا۔
جب ان کے مرض الموت نے خطرناک صورت اختیار کر لی اور لوگوں پر

وت کے چہرے ہونے لگے، تو امیر معاویہ کو نشتہ و فساد کا اندیشہ پیدا ہوا۔ ولی عہد
 یزید جسے جبراً بنو شمشیر ولی عہد منوایا گیا، دار الخلافہ سے دور تھا، اور ابتری پیدا ہوا۔
 نے کا قوی احتمال ہوا۔ بنا بریں انہوں نے فوراً اپنے تیمارداروں سے کہا: "میری
 حوصل میں خوب سرمہ لگاؤ، اور سرمہ میں تیل ڈالو۔" حکم کی تعمیل کی گئی۔ سرمہ اور تیل کی
 ش نے بیمار چہرے میں تازگی اور شگفتگی پیدا کر دی۔ پھر انہوں نے حکم دیا: میرا بچھونا
 بنچا کرو، اور میرے پیسے تیکے لگا کر مجھے بٹھا دو۔" اس حکم کی بھی تعمیل کی گئی۔ پھر کہا: "لوگوں کو
 شری کی اجازت عام دو۔ سب آئیں، اور کھڑے کھڑے سلام کر کے رخصت ہو جائیں۔"
 کی بیٹھنے نہ پاتے، "لوگ اندر آنا شروع ہوئے جب وہ سلام کر کے باہر جائے، تو
 پس میں کہتے: "کون کہتا ہے کہ خلیفہ مر رہے ہیں؟" — وہ تو نہایت تر و تازہ اور زندہ
 میں۔ جب سب لوگ چلے گئے تو امیر معاویہ نے یہ شعر پڑھا:

وتقلد المشائین الیہم انی لیسیب الدھر لا اقصم

یعنی "میں شامت کرنے والوں کے سلسلے اپنی کمزوری ظاہر ہونے نہیں دیتا۔ میں
 انہیں ہمیشہ سی و کھاتا ہوں کہ زمانے کے موصائب مجھے متناوب نہیں کر سکتے، یہ ضروری ہے کہ
 دورانِ عدالت میں قریش کی ایک جماعت عیارت کو آئی۔ امیر معاویہ نے اس کے سامنے
 دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا: دنیا، آہ و نیا اس سے سوا کچھ نہیں جسے ہم اچھی طرح
 دیکھ چکے ہیں، اور جس کا ثوب تجربہ کر چکے ہیں۔ خدا کی قسم ہم اپنی جوانی کے عالم میں بہار و دنیا کی
 طرف دوڑے اور اس کے خوب نمونے لوٹے۔ مگر ہم نے دیکھا کہ دنیا نے بہت جلد پائنا
 کھایا اور بالکل کا یا پٹ ڈی۔ اس نے ایک ایک کے ہارے تمام توہمات کی
 گریں کھول ڈالیں۔ پھر کیا ہوا؟ — دنیا نے ہم سے بے وفائی کی، ہماری جوانی چھین

لی اور میں بوڑھا بنا دیا۔ آہ! یہ دنیا کتنی خراب جگہ ہے۔ یہ دنیا کیسا برا مقام ہے!

لاحیاء علوم الدین - جلد ۶

امیر معاویہ نے اپنی بیماری میں استخری خطبہ یہ دیا۔

”اے لوگو! میں اس کھیتی کی بالی ہوں جو کٹ چکی ہے۔ مجھے تم پر حکومت ملی تھی، مگر میرے بعد جتنے حاکم آئیں گے وہ مجھ سے بڑے ہوں گے۔ ٹھیک اسی طرح جیسے اگلے حکام مجھ سے بہت اچھے تھے!“
جب وقت استخری سوالوں کا مجھے بچھا دیا۔ چنانچہ بچھا دے گئے۔ دیر تک وہاں میں مصروف رہے۔ پھر روتے لگے اور کہا:

”و معاویہ! تو اپنے رب کو اب یاد کرتا ہے، جبکہ بڑھاپے نے کسی کام کا نہیں رکھا اور جسم کی چولیس ڈھیلی ہو گئیں۔ اس وقت کیوں خیال نہ آیا، جب شباب کی ڈالی تروت اور ہری بھرتی تھی!“

پھر چلا کر روئے اور دعا کی ”اے رب! میں سخت دل گنہگار اور بوڑھے پورچھو الہی اس لغزش میں اور ٹھوکر میں معاف کر دے، اس کے گناہ بخش دے اور اپنے وسیلہ حکم کو اس کے شامل حال کر جس نے تیرے سوا کسی سے امید نہیں کی، تیرے سوا کسی بھروسہ نہیں کیا!“

ان کی دونوں بیٹیاں ان کی تیمارداری کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ انہیں بخور دیکھ کر تم ایک ڈالواں ڈول جو کو کو روٹین بدلواری ہی ہو۔ اس نے دنیا بھر کے خزانے جمع کر لیے، لیکن کاش وہ دونوں میں نہ ڈال جائے۔“

وفات سے پیشتر امیر معاویہ نے شعیب بن رمیلہ کے اشعار پڑھے جو اس

نجاح کی مدح میں کہے تھے، اور جن کا ترجمہ درج ذیل ہے :-
 ۱۔ تمہری موت کے ساتھ دنیا میں سخاوت اور فیاضی بھی فرجائے گی۔
 ۲۔ سالوں کے ہاتھ لوٹا دیئے جائیں گے، اور دین و دنیا کی محرومیاں ان کی انتظام
 میں ہوں گی۔

یہ سن کر لڑکیاں چلا اٹھیں۔ ”ہرگز نہیں، امیر المومنین، ہرگز نہیں! خدا آپ کو
 سلامت رکھے!“

انہوں نے کوئی جواب نہ دیا، اور ایک اور شعر پڑھا جس کا مفہوم ہے :-
 ”جب موت اپنے ناخن گاڑ دیتی ہے تو کوئی تعویذ بھی نفع نہیں پہنچاتا“
 پھر ہوش ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد آنکھ کھولی، اور اپنے عزیزوں کو دیکھ کر کہا :-
 ”اللہ عزوجل سے ڈرتے رہنا، کیونکہ جو اس سے ڈرتا ہے، خدا اس کی ^{ظن} عطا
 کرتا ہے۔ اس شخص کے لئے کوئی پناہ نہیں جو خدا سے بے خوف ہے۔“ (طبری)
 نیزہ کی آمد :-

امیر معاویہ کی نازک حالت سے قاصد کے ذریعہ ولی عہد نیزہ کی اطلاع کیا گیا۔
 وہ فوراً روانہ ہوا۔ پہنچتے پہنچتے ان کی حالت اور بھی اتر چکی تھی۔ اس نے باپ کو پکارا،
 مگر وہ بول نہ سکے۔ نیزہ رونے لگا اور دو سونہرے شمع پڑھے جن کا مطلب یہ ہے کہ :-
 ۱۔ اگر کوئی آدمی بھی دنیا میں ہمیشہ زندہ رہتا، تو بلاشبہ یہ آدمیوں کا امام زندہ
 رہتا۔ وہ نہ عاجز ہے، نہ کمزور ہے۔

۲۔ وہ بڑا ہی عاقل و مدبر و فیہم ہے، لیکن موت کے وقت کوئی تدبیر کسی کام
 نہیں آیا۔

معاویہ نے یہ سن کر اسٹکھیں کھول دیں، اور کہا: "میرا بڑا بھائی ہے، وہ تجھ سے
 میرا بڑا بھائی ہے۔ جان پدنا ایک مرتبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھا جب
 آپ ضروریات سے فارغ ہوئے یا وضو کرتے تو میں دست مبارک پر پانی ڈالتا۔
 آپ نے میرا کرتہ دیکھا، وہ مونڈھے سے پھٹ گیا تھا، فرمایا: "معاویہ! تجھے میں کرتہ
 پہنا دوں؟ میں نے عرض کیا: میں آپ پر قربان، ضرور پہنایے اپنا نچھاپا نے
 کرتہ عنایت کیا، مگر میں نے اسے ایک مرتبہ سے زیادہ نہیں پہنا، وہ میرے پاس
 تک موجود ہے۔ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بال ترشوائے میں نے تھوڑے
 سے بال اور کرتے ہوئے ناخن اٹھائے تھے۔ وہ بھی آج تک میرے پاس شیشی
 میں رکھے ہیں۔ ذرا کچھ جب میں مر جاؤں تو غسل کے بعد یہ بال اور ناخن میری آنکھوں
 کے حلقوں اور تھنوں میں رکھ دینا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کرتہ بچھا کر مجھے اس
 پر لٹا دینا، اور کفن پہنانا۔ اگر مجھے کسی چیز سے نفع پہنچ سکتا ہے، تو وہ یہی ہے۔"

(استیعاب عقدا الفرید)

سکرات موت کی حالت میں یہ شعر زبان پر جاری تھا۔
 فہل من خلد املکنا فہل بالموت یا اللہ علی
 یعنی اگر ہم مر جائیں گے تو کیا کوئی بھی ہمیشہ زندہ رہے گا؟ کیا موت کسی
 کے لئے کوئی عیب ہے؟

عین وفات کے وقت ان کے الفاظ یہ تھے۔

کاش میں نے کبھی سلطنت نہ کی ہوتی۔ کاش میں لذت حاصل کرنے میں اندھا
 نہ ہوتا۔ کاش میں اس درویش خدمت کی طرح ہوتا جو کھڑے پر زندہ رہتا ہے، مگر ذرا لٹی میں مصروف رہتا ہے۔
 (عقد الفرید)

رَضِيَ اللهُ
عَنْهُ

حضرت خبیب

مسلمانوں کی ہجرت مدینہ سے کفار کو یقین ہو گیا تھا کہ وہ الگ رہ کر ان کے
مخلاف جنگ کی پوری تیاری کریں گے، اہل عرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت
کو قبول کر لیں گے، اور جب یہ قطرہ دریا بن گیا، تو ہماری سرکاری اور قیامت کا جاہ رہا،
اسلام کے سیلابِ حق کے سامنے جس وقت غمناک کی طرح بہ جائے گا۔
مدینہ پہنچ کر مسلمانوں کو پہل کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی قریش مکہ نے اپنی مافی
پریشانیوں کے ماتحت خود ہی "آپیل مجھڑا" کی روش اختیار کر لی تھی۔ جب بدر اور
احد کے میدانوں میں ان کے تیغ آزمادوں کا زعم باطل بھی ختم ہو گیا، تو وہ مسلمانوں کے خلاف
مبارزہ کے حال بچھلنے لگے۔ انہوں نے غفل اور قمار کے سات آدمیوں کو، رسول اللہ
کے پاس بھیجا، اور کہا: "ایا اگر آپ ہمیں چند مبلغ اسلام عنایت فرادیں تو ہمارے تمام
قبیلے مسلمان ہو جائیں گے"۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عاصم بن ثابت کی ماتحتی میں کل
دس بزرگ صحابہ کا وفد ان کے ساتھ بھیج دیا۔ ایک گھنٹی میں کفار کے دوسو مسلح جوان

مسلمانوں کے اس تبلیغی وفد کا انتظار کر رہے تھے جب مبلغین اسلام یہاں پہنچے تو یہ نیا
 تلواروں نے بجلی بن کر ان کا استقبال کیا۔ مسلمان اگرچہ اشاعتِ قرآن کے لئے گھروں
 سے نکلے تھے، مگر تلواروں سے خالی نہ تھے۔ احساسِ خطرہ کے ساتھ ہی دوسروں
 کے مقابلے میں دس تلواریں نیاموں سے باہر نکل آئیں، اور مقابلہ شروع ہو گیا۔ کچھ
 صحابی مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہوئے، لیکن جنید بن عبدی اور زید بن عمرو
 دونوں مجاہدین کو کفار نے محاصرہ کر کے گرفتار کر لیا۔ سفیان بن زینب انہیں لکے لگا لیا، اور
 یہ دونوں پکیرانِ ایمان و صداقت نقدِ قیمت پر ماکہ کے درندوں کے ہاتھ فروخت
 کر دیئے گئے۔

حضرت جنیدؓ اور حضرت زید کو حارث بن عامر کے گھر ٹھہرایا گیا، اور پہلا حکم
 یہ دیا گیا کہ انہیں نہ تو روٹی دی جائے اور نہ پانی۔ حارث بن عامر نے حکم کی تعمیل کی اور
 ان کا کھانا بند کر دیا۔ ایک دن حارث کا نو عمر بچہ چھری سے کھیلتا ہوا حضرت جنیدؓ
 کے پاس پہنچ گیا اس مرد صالح نے، جو کسی روز سے زہوکا اور پیاسا تھا، حارث کے
 بچے کو گود میں بٹھالیا اور چھری اس کے ہاتھ سے لے کر زمین پر رکھ دی۔ جب مال نے
 پلٹ کر دیکھا تو حضرت جنیدؓ چھری اور بچے لئے ہوئے بیٹھے تھے۔ وہ عورت چونکہ
 مسلمانوں کے کردار سے ناواقف تھی، لہذا یہ حال دیکھ کر لڑکھرائی اور بے تابانہ چیخنے
 چلانے لگی۔ حضرت جنیدؓ نے عورت کی تکلیف و پریشانی محسوس کی تو فرمایا کہ بی
 تم مٹھن رہو۔ میں بچے کو فزع نہیں کرونگا۔ مسلمان ظلم نہیں کیا کرتے، ان الفاظ کے ساتھ
 ہی جنیدؓ نے گود کھول دی، معصوم بچہ اٹھا، اور دوڑ کر مال سے لپٹ گیا۔
 قریش نے چند روز انتظار کیا کہ یہ دونوں مسلمان اپنے دین سے برگشتہ ہو کر ان میں

مل جائیں گے۔ مگر جب فاقہ کشی کے احکام اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے، تو قتل کی تاریخ کا اعلان کروایا گیا۔ کھلے میدان میں ایک ستون نصب تھا، اور یہ اپنی بے بسی پر رو رہا تھا اس کے چاروں طرف بے شمار آدمی ہتھیار سنبھالے کھڑے تھے ان میں سے بعض تلواریں چمک رہے تھے، بعضے نیزے تان رہے تھے، بعض کمان میں تیر چوڑ کر نشانہ ٹھیک کر رہے تھے، کہ آواز آئی وہ خبیث آ رہا ہے۔ مجمع میں شور برپا ہو گیا۔ لوگ ادھر ادھر۔ دوڑنے لگے بعض لوگوں نے اپنے ہتھیار سنبھالے اور حملہ کرنے اور خون بہانے کے لئے تیار ہو گئے۔

مرد صالح خبیثؓ جب تشریف لائے تو انہیں صلیب کے نیچے کھڑا کر دیا گیا ایک شخص نے انہیں مخاطب کیا اور کہا خبیثؓ ہم تمہاری مصیبت سے درومند ہیں۔ اگر اب بھی اسلام چھوڑ دو تو جان بخشی ہو سکتی ہے۔

حضرت خبیثؓ خطاب کرنے والے کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: جب اسلام ہی باقی نہ رہا، تو پھر جان بچا نا بیکار ہے۔ اس جواب میں ایمان محکم اور غم و استقامت کی جو نقبہ مثال ہو، چٹھی، وہ بجلی کی طرح کفار کے خرمین باطل پر گرمی، مجمع ساکت ہو گیا، اور حاضرین پیر و ابن اسلام کے غلوں سے بے باکی اور للہیت سے دم بخور ہو گئے۔

حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا: خبیثؓ! کوئی آخری آرزو ہے تو بیان کرو۔ حضرت خبیثؓ نے فرمایا: دو رکعت نماز ادا کر لینے کے علاوہ کوئی آرزو نہیں۔ ہم سے آوازیں آئیں بہت اچھا، نماز سے فارغ ہو جاؤ۔ یہ حضرت خبیثؓ کا قلب حق پرست، جو عشق الہی کی بے پایاں لذتوں میں ڈوب چکا تھا، زندگی

کی آخری نماز کے سوز و سرور میں ایسا محو ہوا کہ وقت کی قیود باطل ہو گئیں، اور نماز
 اچھا خاصا طویل پکڑ گئی۔ لیکن عقل مصلحت کیس نے انہیں روکا، اور ایک ایسی سر
 آواز میں، جسے صرف شہیدوں کی روح ہی سن سکتی ہے، انہیں رفرح اسلام کی
 سے یہ پیغام دیا کہ اگر نماز زیادہ لمبی کر دو گے، تو کفار یہ سمجھیں گے کہ مسلمان موت
 ڈر گیا ہے۔ اس پیغام حق کے ساتھ ہی حضرت خدیبؓ نے دائیں طرف گردن موڑ دی
 اور کہا: "السلام علیکم ورحمۃ اللہ" کفار اگر سوچ نہیں لے، مگر ان کی کھینچی ہوئی تلوار
 نے جواب دیا: "وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ" پھر آپ نے بائیں طرف گردن موڑی اور
 السلام علیکم ورحمۃ اللہ" کفار اب بھی خاموش نہ رہے، مگر نیزوں کی انیاں اور تیروں
 نے انہیں رو رو کر پکاریں: "اے مجاہد اسلام! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ" ساتھ ہی
 نے انہیں مجبور و بہت حق کی جانب سے وہ مژدہ عظیم سنایا جو صرف ارواح شہداء کے
 مخصوص و مقدر ہے!

مرو مجاہد خدیبؓ سلام پھیر کر حلیب کے نیچے کھڑے ہو گئے۔ کفار نے انہیں
 پھانسی کے ستون کے ساتھ جکڑ دیا اور پھر نیزوں اور تیروں کو دعوت دی کہ وہ
 بڑھیں اور ان کے صدق ایمان اور صبر و استقامت کا امتحان لیں۔ ایک شخص
 آیا اور اس نے خدیبؓ مظلوم کے جسم پاک کے مختلف حصوں پر نیزے سے ہلکے چر
 لگائے اور وہی خون اظہر جو چند ہی لمحے پیشتر حالت نماز میں شکر و سپاس کے آنسو
 آنکھوں سے بہا تھا، اب زخموں کی آنکھ سے شہادت کے مشکہ قطرے بن کر ٹپک
 لگا پکیر صبر و فنا خدیبؓ کے دردناک مصائب کا تصور کیجئے، آپ ستون کے
 پکڑے ہوئے ہیں۔ کبھی ایک تیرا آتا ہے اور دل کے پار ہو جاتا ہے، کبھی نیزہ لگتا

اور سینے کو چیر جاتا ہے۔ ان کی آنکھیں آستے آستے تیروں کو دیکھ رہی ہیں، ان کے عضو عضو سے خون بہ رہا ہے، مگر درد و اذیت کی اس انتہا میں بھی ان کا دل اسلام سے مخرف نہیں ہوتا۔ اتنے میں ایک اور منقہ اقبال آگے آیا اور اس نے حضرت خدیب کے بگڑے پر نیرے کی انی رکھ دی، پھر اس قدر دبا یا کہ وہ مکر کے پار ہو گئی۔ یہ جو کچھ ہوا اسے حضرت خدیب کی آنکھیں دیکھ رہی تھیں، اور عجم کا ذرہ ذرہ محسوس کر رہا تھا، مگر ہونٹوں سے آہ تک نہیں کی۔ حملہ آور نے کہا: "اب تو تم جی پسند کرو گے کہ نہڑیاں لگ جائیں، اور تم اس مصیبت سے چھوٹ جاؤ۔" حضرت خدیب نے ہتھیاروں کے سر چرکے کو دل کی حوصلہ مندی سے برداشت کر لیا تھا، مگر زبان کا یہ گھاؤ برداشت نہ ہو سکا۔ اگرچہ زبان کا خون نچر چکا تھا، مگر جوش ایسا نے اس خشک لونیٹریے میں بھی تاپ گویائی پیدا کر دی، اور آپ نے جواب دیا: "اے ظالم خدا جانتا ہے کہ مجھے جان سے نیا پسند ہے مگر یہ پسند نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں ایک کاشا بھی چھبے!"

نماز کے بعد تادم آخر حضرت خدیب پر جو جو حالتیں گزریں، آپ بے ساختہ

شعروں میں انہیں ادا فرماتے رہے۔ ان اشعار کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

۱۔ لوگ انبؤہ و انبؤہ میرے گرد کھڑے ہیں قبیلے، جماعتیں، اور مجھے یہاں

سب کی ماضی لازم ہو گئی ہے!

۲۔ یہ تمام اجتماع اظہارِ عداوت کے لئے ہے، یہ سب لوگ میرے خلاف اپنے

جوش و انتقام کی نالائش کر رہے ہیں، اور مجھے یہاں موت کی کھونٹی سے باندھ دیا گیا ہے

۳۔ ان لوگوں نے یہاں اپنی موتیں بھی بلا رکھی ہیں اور بچے بھی۔ اور مجھے ایک مضبوط

اور اونچے ستون کے پاس کھڑا کر دیا گیا ہے۔

۴۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر میں اسلام سے انکار کر دوں تو یہ مجھے آزاد کر دیں گے مگر میرے لئے ترکِ اسلام سے قبولِ موت بہت زیادہ آسان ہے۔ مگر چہ میری آنکھوں سے آنسو جاری ہیں، مگر میرا دل بالکل پرسکون ہے۔

۵۔ میں دشمن کے سامنے گروں نہیں چھکاؤنگا، میں فریاد نہیں کرونگا، میں ان خوفزدہ نہیں ہوؤنگا، اس لئے کہ میں جانتا ہوں کہ اب اللہ تعالیٰ کی طرف جا رہا ہوں۔
۶۔ میں موت سے نہیں ڈر سکتا، اس لئے کہ موت بہر حال آنے والی ہے مجھے صرف ایک ہی ڈر ہے، اور وہ دوزخ کی آگ کا ڈر ہے۔

۷۔ مالکِ عرش نے مجھ سے اسلام کی خدمت لی ہے، اور مجھے صبر و ثبات کا حکم دیا ہے۔ اب کفار نے زور کو بے میرے جسم کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا ہے اور زندگی کے متعلق میری تمام امیدیں ختم ہو گئی ہیں۔

۸۔ میں اپنی عاجزی، بے وطنی اور بے بسی کی اللہ سے فریاد کرتا ہوں۔ تمہیں معلوم، میری موت کے بعد ان کے کیا ارادے ہیں۔ جو بھی صورتِ حال ہو، جب میں راہِ حق میں جان دے رہا ہوں، تو مجھے ان کے طرزِ سلوک کی پروا نہیں۔

۹۔ مجھے اللہ کی ذات سے امید ہے کہ وہ میرے گوشت کے ایک ٹکڑے کو برکت عطا فرمائے گا۔ یا اللہ! جو کچھ آج میرے ساتھ ہو رہا ہے، اپنے رسولِ برحق کو اس کی اطلاع پہنچا دے۔

حضرت سعید بن عامر حضرت عمر فاروق کے عامل تھے۔ بعض اوقات آپ کو بیٹھے بیٹھے دورہ پڑتا اور آپ وہیں بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ ایک دن حضرت خالد بن

پوچھا: آپ کو یہ کیا مرض ہے؟ جواب دیا: "میں بالکل تندرست ہوں۔ اور
 کوئی مرض نہیں ہے۔ جب حضرت غیبیہؓ کو پھانسی دی گئی تھی تو میں اس
 ج میں موجود تھا۔ جب وہ ہوش و ربا واقعات یاد آتے ہیں تو مجھ سے سنبھلا
 میں جاتا، اور میں کانپ کر بے ہوش ہو جاتا ہوں۔"



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
رَضِيَ اللهُ

عبداللہ زبیر

والد کا اسم گرامی حضرت زبیر بن عوام والدہ حضرت اسماء، نانا حضرت صدیق اکبر، نانا
حضرت عائشہ صدیقہ، پھوپھی حضرت خدیجہ، دادی حضرت صفیہ۔ ان رشتوں سے بھی آپ
کی اسلامی اور روحانی عظمت و سیادت کا اندازہ کیا جائے! بدیہہ منورہ میں تولد ہوئے
ساتھ آٹھ برس کی عمر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی سعادت حاصل ہوئی۔
۲۱ سال کی عمر تھی کہ جنگ یرموک میں شامل جہاد ہوئے۔ فتح طرابلس ۲۶ ہجری آپ کے
حسین تدبیر کا نتیجہ تھی جنگ جمل میں حضرت عائشہ صدیقہ کی حمایت میں دل کھول کر لڑے
جنگ صدیقین میں غیر جانبدار رہے۔

اسی اثنائیں مروان کے جانشین عبدالملک نے اطرافِ شام میں بہت بڑی قوت
پیدا کر لی، اور قبیل انیس کہ ابن زبیر شام پر فوج کشی کرتے، عبدالملک نے عراق پر ہلے بولے
اور گورنر کو فز کو شکست دے کر عراق پر قابض ہو گیا۔ اب عبدالملک اس قابل تھا کہ وہ ابن

سے آخری فیصلہ کر لے۔ اپنے اسی خیال کے ماتحت ایک دن اس نے ایک بہت بڑا
 مجمع کیا، اور ایک گرم جوش تقریر کے بعد مجمع عام سے پوچھا: تم میں سے کون ہے جو ابن زبیر
 کے قتل کا بیڑا اٹھائے؟

حجاج بولا: یہ خدمت میں سرانجام دل گا۔ عبدالملک نے دوبارہ پوچھا: کونسا ایسا
 مرد میدان ہے، جو ابن زبیر کو ختم کر دے؟ حجاج بولا: یہ خدمت میرے سپرد کی جائے ہیں
 آپ کے حکم کی تعمیل کرونگا، چنانچہ یہ خدمت حجاج کے سپرد کر دی گئی، اور وہ ۶۲ھ طبری
 میں ایک فوج گراں کے ساتھ مکہ معظمہ پر حملہ آور ہوا۔ حضرت ابن زبیر حرم کعبہ میں بنا گزین
 تھے۔ حجاج نے حرم کو چاروں طرف کھیرا، اور آتش زنی اور سنگ بازی کا بے پناہ سلسلہ
 جاری کر دیا۔ گورے حرم کعبہ میں گر کر اس طرح پھٹتے تھے، جیسے دو پہاڑ ٹکڑ ٹکڑ کھلتے ہیں، اور
 ٹکڑ ٹکڑ پڑے پڑے ہو جاتے ہیں۔ ابن زبیر بڑے سکون و اطمینان سے آگ اور پتھروں
 کی برسات کا مقابلہ کرتے رہے، یہاں تک کہ کئی مہینے ختم ہو گئے۔ جب نماز کا وقت آتا
 تو آپ صحن کعبہ میں قبلاً روکھڑے ہو جاتے۔ آپ کے چاروں طرف پتھروں کی برسات شروع
 رہتی، مگر آپ اسے گرو غبار سے زیادہ اہمیت نہ دیتے۔ یہاں تک کہ رسد بالکل ختم
 ہو گئی، اور فوج سواری کے گھوڑوں کو فوج کر کھالے لگی۔ مگر معظمرہ میں قحط نے اس قدر
 شدت اختیار کر لی کہ ہر دو دو بار سے درود فریاد کی صدا میں بلند ہوئیں۔ ابن زبیر کے ساتھی
 ناز کشی کے عذاب سے تنگ آکر روزانہ بھاگتے تھے، اور حجاج کی صفوں میں شامل ہو جاتے
 تھے۔ گھوڑے ہی عرصے میں یہ تعداد دس ہزار تک پہنچ گئی۔ ابن زبیر کے دلچسپ جگر حجاز اور
 حبیب بھی ان سے الگ ہو گئے اور حجاج کے ساتھ لگے۔ بیٹے نے بہادرانہ مقابلہ
 کیا اور میدان جنگ میں شہید ہو گیا۔

اب ابن زبیر اپنی والدہ حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق کی خدمت میں مشورہ
 کے لئے حاضر ہوئے۔ اس وقت حضرت اسماء کی عمر سو برس سے زیادہ تھی جس پر
 مسام ہیں، ان کے قلب و جگر پراتنے ہی داغ تھے بیٹے نے کہا: اماں میرے تمام
 اور میرے بیٹے میرا ساتھ چھوڑ چکے ہیں۔ صرف چند بندگان صدق و وفا باقی ہیں، مگر وہ
 حملے کا جواب نہیں دے سکتے۔ دوسری طرف دشمن ہمارے مطالبات کو تسلیم نہیں کر رہا۔
 حالات میں آپ کا مشورہ کیا ہے؟ حضرت اسماء نے جواب دیا: بیٹا اگر تم حق پر ہو تو
 اور حق کی حفاظت کے لئے جان دے دو، جس کی خاطر تمہارے بہت سے ساتھی قربان
 چکے ہیں۔ لیکن اگر تم حق پر نہیں ہو، تو پھر تمہیں سوچنا چاہئے تھا کہ تم اپنی اور دوسرے لوگوں
 ہلاکت کے ذمہ دار بن رہے ہو۔ ابن زبیر نے کہا: اس وقت میرے تمام ساتھی مجھے جو
 دے گئے ہیں، یہ سن کر حضرت اسماء بولیں: "ساتھیوں کی عدم رفاقت شریف اور دنیا
 انسانوں کے لئے کوئی نعمت نہیں رکھتی۔ غور کرو کہ تمہیں اس دنیا میں کب تک رہنا
 سہی کے لئے جان دے دنیا حق کو پس پشت ڈال کر زندہ رہنے سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ ماہر
 بولے: "مجھے اندیشہ ہے کہ بنی امیہ کے لوگ میری لاش کو منظر کریں گے، مجھے سولی پر لٹکا
 دیں گے، اور کسی بھی بے حرمتی سے کوتاہی نہیں کریں گے۔" حضرت اسماء نے کہا: بیٹا! اگر
 بکری ذبح ہو جائے، تو پھر کھال اتارنے سے اس کو تکلیف نہیں ہو کرتی۔ اچھا اب میدان
 جنگ کو سدھارو اور اللہ تعالیٰ سے امداد طلب کر کے اپنا فرض ادا کرو۔ ابن زبیر نے
 مل کے سر پر بوسہ دیا اور کہا: اے ماہر محترم میں اللہ کی راہ میں کمزور ثابت نہ ہوں گا۔ میرا
 صرف یہ تھا کہ آپ کو اطمینان دلا دوں کہ آپ کے بیٹے نے اس باطل پر جان نہیں دی۔
 حضرت اسماء بولیں: "بیٹا! میں تو ہر حال صبر و شکر ہی سے کام لوں گی۔ اگر تم مجھ سے پہلے

لے بیٹے تو میں صبر کروں گی۔ اگر کامیاب واپس لوٹے تو میں تمہاری کامیابی پر خوش ہوں گی
 پھاب تم قربانی دو۔ انجام خدا کے ہاتھ میں ہے۔" ابن زبیر بولے میرے حق میں دعائے خیر
 فرمائیے۔"

حضرت اسماعیل نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے: "لے اللہ! میں اپنے بیٹے کو تیرے سپرد
 لے رہی ہوں۔ تو اسے استقامت دے، اور مجھے صبر و شکر کی توفیق عطا فرما! ابن زبیر نے کہا
 یہ ہماری یہ آخری ملاقات ہے، آج میری زندگی کا آخری دن ہے، اور پھر سر جھکانے
 آگے بڑھے۔ درو منداں نے جو حصہ منڈیٹے کو گلے سے لگایا اور بوسہ دیا، پھر فرمایا
 بیٹیا! اپنا فرض پورا کر دو۔" ابن زبیر اس وقت زرہ پہنے ہوئے تھے حضرت اسماعیل کو جب
 یہ بوسہ کی کڑیاں محسوس ہوئیں تو ان کے دل پہ ایک دھچکا سا لگا۔ آپ نے تعجب سے فرمایا
 "میرے بیٹے! یہ کیا ہے؟" انہی کی راہ میں جان دینے والوں کا یہ طریقہ تو نہیں ہوتا۔" اس پر ابن زبیر
 کھڑے ہوئے، زرہ اتار کر جسم سے الگ پھینک دی، اور رہنہ چھتے ہوئے تیغ بکف شامی فوج
 کی طرف آئے۔ پھر اس دلولہ و جوش سے حملہ آور ہوئے کہ میدان کانپ اٹھا چونکہ شامی فوج
 کی گنتی بے قیاس تھی، لہذا اس کے ساتھی حملے کی تاب نہ لا کر ادھر ادھر بکھر گئے۔ اس
 وقت ایک شخص نے پکار کر کہا: "ابن زبیر! پیچھے ہٹ کر حفاظت گاہ میں چلے آئیے۔" آپ نے
 آواز دینے والے کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا، اور لکارتے ہوئے آگے بڑھے۔ آپ نے فرمایا
 میں اس قدر بزدل نہیں ہوں کہ اپنے بہادر ساتھیوں کی موت کے بعد خود اس موت سے
 بھاگ نکلوں۔" ابن زبیر اپنے باقی ماندہ چند ساتھیوں کے ساتھ پیچھے ہونے شیر کی طرح
 شامی فوج پر حملہ کرتے تھے، اور جس طرف اپنی تلوار لے کر منڈتے تھے، صفیں الٹ جاتی
 تھیں، اور لاپس صاف ہو جاتی تھیں۔ چونکہ آپ کے جسم کو زرہ کی حفاظت حاصل رہتی

لہذا آپ بے دریغ تلوار چلا تے تھے، اور حیم کا خون بہتے ہوئے باول کی طرف بھاگتا تھا۔ حجاج نے تمام شامی فوجوں کو حرکت دی، اپنے منتخب بہادروں کو آگے بڑھایا اور پھر اس قوت و شدت کے ساتھ حملہ کیا کہ شامی فوجیں زور کرتے ہوئے خانہ کعبہ کے دروازوں تک پہنچ گئیں۔ لیکن بزنزی کی باگ اب بھی ابن زبیر کے ساتھیوں کے ہاتھوں تھی۔ یہ مٹھی بھر جوان تلواروں کی بجلی اور نعرہ ہائے تکبر کی کڑک کے ساتھ جس طرف بھاگتے تھے، شاہیوں کا ہجوم پر اگندہ ہو جاتا تھا۔ یہ حال دیکھ کر حجاج بھی اپنے گھوڑے سے اتر پڑا۔ اس نے اپنے علمبردار کو آگے بڑھایا، اور اپنے سپاہیوں کو لاکارا ٹھیکہ اسی وقت ابن زبیر اپنی جگہ سے تڑپ کر اٹھے، باز کی مانند لپکے، اور اس بڑھتے ہوئے سیلاب کا رخ پھیر دیا، اسی اشار میں خانہ کعبہ کے پیاروں سے آذان کی صدا میں بلند ہوئیں۔ اللہ اکبر سنتے ہی اس اللہ کے بندے نے تلوار نیام میں ڈال دی، اور اپنی ایک صف سپاہ حجاج کے مقابلہ میں چھوڑ کر خود مقام اہلہ سیم میں جا کھڑا ہوا۔

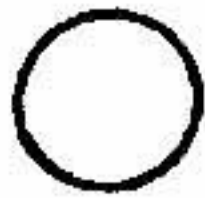
ابن زبیر جب نماز سے لوٹے تو معلوم ہوا کہ آپ کے ساتھی بکھر چکے ہیں، علم چھین چکا ہے، اور علمبردار قتل ہو چکا ہے۔ اس نظارہ حسرت و یاس سے دل کا جو حال ہوا، بیان میں نہیں آسکتا۔ پھر بھی یہ بے فوج کا سپہ سالار اور بے علم کا مجاہد مردانہ وار لڑتا بڑھا اور یہ ایک ہی جوان دس ہزار میں گھس کر تلوار چلانے لگا۔ سامنے سے ایک تیر آیا، اور اس نے ابن زبیر کا سر کھول دیا۔ ماتھا چہرہ اور وارٹھی خون سے تر ہو گئے۔ لیکن اس وقت بھی ان کی زبان پر یہ رجز جاری تھا:

وَكَسَا عَلِيٌّ الرَّحَقَابَ قَدَّحِي كَلُومَنَا
 وَلَكِنْ أَقْدَامُنَا تَقَطَّرُ لَدُنَّا

یعنی ”ہم وہ نہیں ہیں کہ پیٹھ پھیرنے سے ہماری ایڑیوں پر خون گرنے، بلکہ ہم وہ ہیں
 سینہ سپر رہتے ہیں، اور ہمارے پنجوں پر خون گرتا ہے۔“
 ابن زبیر رجزہ پڑھتے جاتے تھے، تلوار چلاتے جلتے تھے، اور آگے بڑھتے جلتے تھے
 ان تک کہ زمین پر گر پڑے، اور شہادت کی سعادت عظمیٰ حاصل کی۔ حجاج نے حسبِ وعدہ
 ن کا سر کاٹ کر عبدالملک کے پاس بھیج دیا، اور ان کی لاش شہر کے باہر ایک اونچی
 جگہ پر لٹکا دی۔ حضرت اسماء کو اس درونماک صورتِ حال کی اطلاع ہوئی تو آپ نے
 حجاج کو پیغام بھیجا کہ ”ابن زبیر کی لاش کو سولی سے ہٹا دیا جائے“ حجاج نے جواب
 دیا ”میں اس نظارے کو قائم رکھنا چاہتا ہوں۔“ حضرت اسماء نے پھر کہا ”مجھے
 جو چیز تکفین کی اجازت دی جائے“ مگر حجاج نے اس سے بھی انکار کر دیا۔ قریش یہاں
 آتے تھے اور اپنے نامور اور بہادر کی لاش سولی پر دیکھ کر چلے جاتے تھے۔ ایک دن
 حضرت اسماء بھی ادھر سے گذریں۔ ابن زبیر کی لاش اب بھی سولی سے لٹکی کھڑی تھی
 آپ نے بیٹے پر نظر ڈالی اور فرمایا ”کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ یہ سوار بھی اپنے گھوڑے
 سے اترے؟“ علامہ شبلی نعمانی نے حضرت اسماء کے ان دلیرانہ الفاظ کا کس قدر اچھا
 ترجمہ کیا ہے :-

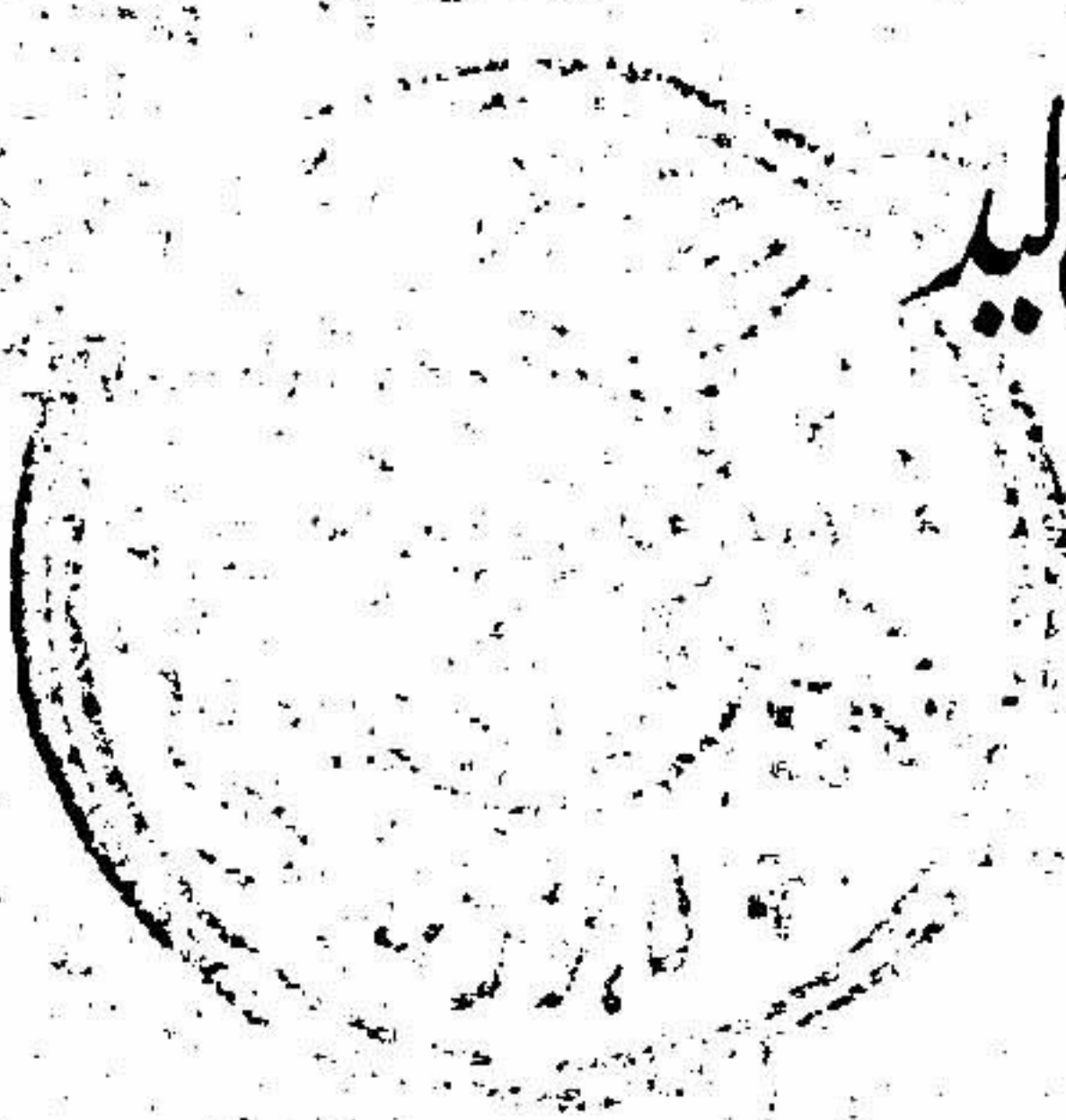
لاش لٹکی رہی سولی پر کئی دن لیکن
 ان کی ماں نے نہ کیا رنج و الم کا اظہار
 اتفاقات سے اک دن جو ادھر جا لگیں
 دیکھ کر لاش کو بے ساختہ بولیں اک بار

ہو چکی دیر کہ مہر سے کھڑا ہے یہ خطیب
 اپنے مرکب سے اترتا نہیں اب بھی یہ سوار



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
رضی اللہ

حضرت خالد بن ولید



اسلام لانے کے بعد حضرت خالد بن ولید نے اپنے آپ کو ستمین اسلام کی خدمت
کے لئے وقف کر دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں آپ کو جہاد سب سے زیادہ پسند تھا، اور
کی تمام تر کوشش اسی چیز پر صرف ہوتی تھی کہ دشمنان دین کو چین سے نہ بیٹھنے دیا جائے۔
فرمایا کرتے تھے کہ: "زندگی کی کوئی رات مجھے میدان جنگ کی سخت رات سے زیادہ محبوب
نہیں جس میں میں ہاجرین کو ساتھ لے کر دشمنوں سے لڑوں۔" آپ کی شدید خواہش تھی
کہ آپ کی وفات تلواروں اور نیزوں کے سائے میں ہو۔ جب آپ کی وفات کا وقت قریب
آیا، تو بستر پر جان دینے کے خیال سے آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور
آپ نے نہایت حسرت بھرے الفاظ میں فرمایا:

میں ایک سو سے زائد مسنگوں میں لڑا ہوں، میرے جسم کا کوئی حصہ
ایسا نہیں جہاں تلوار، تیر، یا نیزے کے زخم کا نشان نہ ہو۔ میری سب سے

بڑی خواہش یہ تھی کہ میں میدان جنگ میں شہادت حاصل کرتا لیکن افسوس کہ
 آج میں بستر پر پڑا ہوا اس طرح جان دے رہا ہوں جس طرح اونٹ جان
 دیتا ہے۔

یدر علیٰ بکھتے ہیں: حضرت خالد بن ولید نے اسلام میں حمص میں اپنے بستر پر
 وفات پائی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ نے مدینہ میں وفات پائی، لیکن پہلی روایت زیادہ
 صحیح ہے۔

اس ضمن میں ہم بعض ایسے بڑے بڑے لوگوں کے اقوال درج ذیل کرتے ہیں،
 جنہوں نے آپ کی زندگی کے سر پہلو کا اچھی طرح مشاہدہ کیا تھا، ان صاحب امتیاز اور عظیم
 ہستیوں کے اقوال سے آپ کے اخلاق و عادات اور رجحان طبع کی صحیح اور روشن تصویر
 سامنے آجائے گی۔ یہ حضرات آپ کے ہم عصر تھے، اور انہوں نے آپ کے متعلق جو
 کچھ کہا، وہ اپنے ذاتی تجربے کی بنا پر کہا۔ اس لئے ان کے اقوال ایک قطعی فیصلے کا درجہ
 رکھتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کے متعلق فرماتے ہیں: "خالد کو تکلیف نہ دو، کیونکہ
 وہ اللہ کی تلواروں سے ایک تلوار ہے، جسے اللہ نے کافروں پر گرایا ہے۔"
 ایک اور موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "یہ اللہ کا بندہ بھی کیا خوب
 آدمی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی تلواروں سے ایک تلوار ہے جسے اس نے کفار اور منافقین

۱۵ اسعد الغابہ جلد ۲ صفحہ ۱۰۴۔ المعارف لابن قتیبة صفحہ ۹۲ شرح بخاری از علامہ عینی جلد ۱۶

صفحہ ۲۲۵۔ اللہ الاستیعاب جلد ۱ صفحہ ۱۵۱۔ السیرة المحلیة جلد ۳ صفحہ ۲۸۶

پر کھینچا ہے۔

حضرت ابو بکر صدیق کو جب ایس اور امغیشیا کے معزول کے ودان میں آپ کے کارناموں کا حال معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا: "اے گروہ قریش! تمہارے شیر نے ایک شیر پر حملہ کر دیا، اور اس کے بھٹ میں گھس کر اس کو مغلوب کر دیا۔ اب عورتیں خالد بن ولید سے عاجز ہیں۔"

جب حضرت عمرؓ نے حضرت خالدؓ کو معزول کرنے پر اصرار شروع کیا، تو حضرت ابو بکر صدیق نے فرمایا: "میں اس تلوار کو ہرگز نیام میں نہ ڈالوں گا، جسے اللہ تعالیٰ نے کفار پر مسلط کیا ہو۔"

خود حضرت عمرؓ نے قسطنطین کی فتح کا حال سن کر فرمایا: "اس کارنامے سے خالدؓ نے خود ہی اپنے آپ کو امیر جیوش اسلامیہ بنا لیا۔ اللہ ابو بکرؓ پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔ وہ مجھ سے زیادہ مردم شناس تھے۔"

حضرت عمرؓ نے جب حضرت خالدؓ کی خبر وفات سنی، تو فرمایا: "ملت اسلامیہ کی تفصیل میں ایک ایسی دراز پر لگی ہے، جو کبھی پر نہیں ہو سکے گی۔"

حضرت عمرو بن العاص سے ایک مرتبہ حضرت ابو بکر صدیق نے حضرت خالدؓ کے بارے میں رائے دریافت کی۔ آپ نے فرمایا: "وہ جنگ کی سیاست کو خوب اچھی طرح جانتے ہیں، اور موت کی پروا مطلق نہیں کرتے۔ ان میں بلے کی سی پھرتی ہے، اور

۱۔ السیرة الحلیة جلد اول صفحہ ۱۷۱، ۲۔ السیرة الحلیة جلد اول صفحہ ۱۷۱
۳۔ الطبری جلد ۴ صفحہ ۳۰۵، ۴۔ الطبری جلد ۴ صفحہ ۳۰۵، ۵۔ ابن عساکر صفحہ ۱۷۱

ان کا حملہ شیر کی مانند ہوتا ہے۔

ایک دن رئیس دوسرے آپ کے متعلق کہا تھا: "فتح حاصل کرنے میں کوئی شخص ان سے زیادہ خوش نصیب، اور جنگی امور میں کوئی شخص ان سے زیادہ تجربہ کار نہیں ہے۔" مالک کے مقابلے میں کوئی قوم، خواہ اس کی تعداد کم ہو یا زیادہ، ٹھہر نہیں سکتی۔"

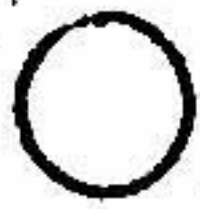
خود حضرت خالد اپنے متعلق فرماتے ہیں: "جس دن سے میں اسلام لایا، اس دن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے اور دوسرے صحابہ کرام کے درمیان کو فرق نہیں کرتے تھے۔" ان اقوال و آثار کی موجودگی میں حضرت خالد کی نقیبات مثل شجاعت و شہامت، عزم و اقدام، قوتِ تسخیر اور ذوق و شوقِ جہاد کی صحیح تصویر ہمارے سامنے آجاتی ہے، اور آپ کے اس قول کی تصدیق ہوتی ہے کہ: "میری سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ میں میدانِ جنگ میں شہادت حاصل کرتا، لیکن انیسویں کہ آج میں بستر پر پڑا ہوں اس طرح دے رہا ہوں، جس طرح اونٹ جان دیتا ہے۔"

حضرت خالد کے اس قول سے یہ حقیقت بھی واضح طور پر مترشح ہوتی ہے کہ آپ کو ہر سچے اور فخلص مجاہد اسلام کی طرح حیاتِ بعد الممات اور شہادت کے انہروی فضائل و مفادات پر، جو کلام اللہ میں جگہ جگہ مذکور ہیں، کس قدر یقین محکم تھا کہ وہم واپس اس کی

۱۵ البیعقوبی۔ جلد ۲ صفحہ ۱۴۴ ۱۵ اکیر نے یہ بات اس موقع پر اپنے ساتھیوں سے کہی تھی، جب حضرت خالد بن عیاض بن غنم کی مدد کے لئے دومتہ الجندل گئے تھے۔ ۱۵ ابن عساکر صفحہ ۶۹۱ السیرۃ الخلبیہ جلد ۳ صفحہ ۸۸ ۱۵ خالد سیف اللہ از ابوزید شبلی۔ ترجمہ شیخ محمد مدنی پتی صفحہ ۲۱۲ تا ۲۱۳

آرزو میں ماری بے آب کی مثال تڑپ رہے ہیں۔ بلاشبہ ان کے پیش نظر وحی الہی کا
روح پروردگار تھا کہ شہید فی سبیل اللہ کو مردہ ہرگز مت کہو، جو تمہارے فہم و شعور
سے بالاتر ہے۔

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ، بَلْ أحيَاءٌ وَلَكِنْ لَا
تَشْعُرُونَ (البقرہ)



عَنْ عَبْدِ اللَّهِ
رَضِيَ اللَّهُ

حضرت عمر بن عبدالعزیز

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے صرف ڈھائی سال حکومت کی تھی اس مختصر مدت
خلافت میں خلق خدا نے یوں محسوس کیا کہ زمین و آسمان کے درمیان عدل و انصاف
کا ترازو کھرا ہو گیا ہے، ظلم و ستم نابود ہو گیا ہے، اور فطرت الہی خود آگے بڑھ کر
انسانیت کو آزادی و محبت اور خوشحالی کا تلج پہنارہی ہے۔ لوگ ہاتھوں
میں شیرت لئے پھرتے تھے، مگر کوئی محتاج نہیں ملتا تھا۔ لوگ ناظم بیت المال کے
پاس عطیات کی رقمیں بھیجتے تھے، مگر وہ عذر کرتے تھے کہ یہاں کوئی حاجت مند
باقی نہیں رہا، اور عطیات کو واپس کر دیتے تھے۔ عدی بن اوطاطہ والی فارس نے
آپ کو بکھا کر یہاں خوشحالی اس قدر بڑھ گئی ہے کہ عوام الناس کے کبر و غرور میں مبتلا
ہو جانے کا خدشہ ہے۔ آپ نے جواب بھیجا: وہاں کے باشندوں کو اللہ تعالیٰ
کا شکر ادا کرنے کی تعلیم دینا شروع کر دو!

آپ رات رات بھر جاگ کر موت کی جواب دہی پر غور کرتے تھے، اور پھر
 بے ہوش ہو کر گر پڑتے تھے۔ آپ کی زوجہ ہر چند آپ کو تسلی دیتی تھیں، مگر آپ کو
 نہیں ٹھہرتا تھا۔ حضرت نے اسی حال میں خلافت کے ڈھائی سال گزارے۔
 جب سلسلہ ہمیں امیہ خاندان کے بعض حاسد و کینہ پرور افراد نے آپ کے غلام
 کو ایک ہزار اشرفی دے کر آپ کو نہر ولوا دیا۔ آپ کو اس کا علم ہوا تو غلام کو پھر
 بلوایا۔ اس سے رشوت کی اشرفیاں لے کر بیت المال میں بھجوا دیں، اور پھر فرمایا: "جاؤ
 میں تمہیں اللہ کے لئے معاف اور آزاد کرتا ہوں۔" طبیعوں نے فیصلہ کیا کہ زہر کے
 اخراج کی صورت کی جائے، مگر آپ خلافت کی ذمہ داریوں میں ایک منٹ کا بوجھ
 اضافہ نہیں کرنا چاہتے تھے۔ لہذا اطباء سے فرمایا: "اگر مجھے یقین ہو کہ مرض کی شفا
 میرے کان کی لو کے پاس ہے، تو میں پھر بھی ہاتھ بڑھا کر اسے قبضے میں نہیں لاؤں گا۔"
 خلیفہ سلیمان نے خود ہی یزید بن عبد الملک کو آپ کا جانشین مقرر کر دیا تھا،
 لہذا آپ نے اس کے لئے حسب ذیل وصیت نامہ لکھوایا:

"ساب میں آخرت کی طرف چلا جا رہا ہوں۔ وہاں اللہ تعالیٰ مجھ سے سوال
 کرے گا، حساب لے گا، اور میں اس سے کچھ چھپا نہیں سکوں گا۔ اگر وہ مجھ
 سے راضی ہو گیا، تو میں کامیاب ہوں، اور اگر وہ راضی نہ ہو، تو افسوس میرے
 انجام پر۔ تم کو میرے بعد تقویٰ اختیار کرنا چاہئے، رعایا کا خیال رکھنا چاہئے
 کیونکہ تم بھی میرے بعد زیادہ دیر تک زندہ نہ رہو گے۔ ایسا نہ ہو کہ تم عقلمندی
 پڑ جاؤ، اور تلافی کا وقت ضائع کر دو۔"

سلسلہ کو آپ کے اہل و عیال کا بہت خیال تھا۔ انہوں نے عرض کی: "امیر المؤمنین!

کاش اس آخری وقت ہی میں آپ ان کے لئے کچھ وصیت فرما جائیں۔ اگر چہ آپ اس وقت بے حد کمزور تھے، پھر بھی ارشاد فرمایا: ”مجھے ٹیک لگا کر بٹھا دو۔“ آپ کو بٹھا دیا گیا تو ارشاد فرمایا:

”خدا کی قسم! میں نے اپنی اولاد کا کوئی حق تلف نہیں کیا۔ البتہ وہ جو دوسروں کا حق تھا، ان کو نہیں دیا۔ میرا اور ان کا وارث صرف خدا ہے۔ میں ان سب کو اسی کے سپرد کرتا ہوں۔ اگر یہ اللہ تعالیٰ سے ڈریں گے، اور تقویٰ اختیار کریں گے تو وہ ان کے لئے ضرور کوئی سبیل نکلے گا۔ اگر یہ گناہوں میں مبتلا ہوں گے، تو میں انہیں مال و دولت دے کر ان کے گناہوں کو قوی نہیں بناؤں گا۔“

پھر آپ نے اپنے بیٹوں کو پاس بلایا اور فرمایا:

”وہ میرے عزیز بچے اور باتوں میں سے ایک بات تمہارے باپ کے اختیار میں تھی ایک یہ کہ تم دولت مند ہو جاؤ اور تمہارا باپ و مندرجہ میں جائے۔ دوم یہ کہ تم محتاج رہو اور تمہارا باپ جنت میں داخل ہو۔ میں نے آخری بات پسند کر لی ہے۔ اب میں تمہیں صرف خدا ہی کے سپرد کرتا ہوں۔“

اس موقع پر ایک شخص نے کہا: ”حضرت کو روئے نبوی کے اندر چوتھی خالی جگہ میں دفن کیا جائے؟“ آپ نے فرمایا: ”خدا کی قسم! میں ہر عذاب برداشت کر لوں گا، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم پاک کے برابر اپنا جسم رکھنا نہیں ہو سکتا۔“

اس کے بعد آپ نے ایک عیسائی کو بلوایا اور اس سے اپنی قبر کی زمین خریدی۔ عیسائی نے کہا: ”میرے لئے یہ عزت کیا کم ہے کہ آپ کی ذات پاک میری زمین میں دفن ہو۔ میں اب اس عزت کی قیمت وصول نہیں کر لوں گا۔“ آپ نے فرمایا: ”یہ نہیں ہو سکتا، آپ کو قیمت لینا

ہوگی اور آپ نے نماز رکوع کے قیمت اس کو اسی وقت ادا کر دی پھر فرمایا: "جب مجھے
 کرو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ناخن اور مونے مبارک میرے کفن کے اندر رکھ دو
 اسی وقت پیغام ربانی آگیا اور زبان مبارک پر یہ آیات قرآنی جاری ہو گئیں:-

تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا
 فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ

ترجمہ: یہ آخرت کا گھر بہشت ہے ان لوگوں کے لئے تیار کیا ہے جو ہماری
 زمین میں غرور و تکبر اور فتنہ و فساد کو پسند نہیں کرتے۔ اور نتیجہ کار کامیابی و سرفرازی تو یہ سب کا ملگور
 کئے ہے۔"



حجاج بن یوسف

اگرچہ تاریخ اسلام میں حجاج بن یوسف کی شہرت ایک غلام و جابر سنگم کی
سفاک، اور مطلق العنان آمر کی حیثیت سے ہے تاہم اس کتاب میں اسے اس
غرض سے شامل کیا گیا ہے کہ قدرت کے ایسے قانون انسانی المجرمین
مُتَقَمُّوْنَ رِجْمِ مَجْرَمُوْنَ سے انتقام لے کر چھوڑیں گے۔ نئے تحت اس نوع کے
تمام لوگ جس وقت دستِ قف میں خود بھی مجبور رہیں ہو جاتے ہیں، تو کس طرح
ان کی گردن کبر و نخوت ٹوٹ جاتی ہے۔ انہیں اپنے جرائم کا اعتراف کرنا پڑتا ہے
اور زندگی کے آخری لمحے میں انہیں گفتار و کیفیتِ نبی آدم کے لئے تاقیارت
درسِ عبرت بن کر رہ جاتا ہے!

اب دیکھنا چاہئے کہ جس سنگم اور جابر و تمام انسان نے جنگوں کے علاوہ
ممالکِ امن میں بھی ایک سالہ کی پٹی ہزار آدمی قتل کئے تھے، مار سبابہ کے ہاتھوں

پر جیسے کی نہریں نگا دیں، حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت عبداللہ بن عمر جیسے
جلیل القدر صحابیوں کو قتل کیا، وہ خود موت کے گھاٹ کیونکر اترا۔

عراق پر بیس برس حکومت کرنے کے بعد ۵۴ برس کی عمر میں حجاج بیمار ہوا۔
اس کے معدے میں بے شمار کیرے پیدا ہو گئے تھے، اور جسم کو ایسی سخت سردی لگی
گئی تھی کہ آگ کی بہت سی انگٹھیاں بدن سے لگا کر رکھ دی جاتی تھیں، پھر بھی سردی
میں کوئی کمی نہیں ہوتی تھی۔

جب زندگی سے ناامیدی ہو گئی تو حجاج نے گھرواٹھل سے کہا مجھے بھاؤ اور اونٹ
لوگوں کو جمع کرو۔ لوگ آئے تو اس نے حسبِ عادت ایک سو بیخ تقریر کی، موت اور اس
کی سختیوں کا ذکر کیا، قبر اور اس کی تنہائی کا بیان کیا، دنیا اور اس کی بے ثباتی یا وہی،
آخرت اور اس کی مولتا کیوں کی تشریح کی، اپنے ظلموں اور گناہوں کا اعتراف کیا، اور
پھر دو تین شعر پڑھے، جن کا ترجمہ درج ذیل ہے:-

۱۔ میرے گناہ آسمان اور زمین کے برابر بھاری ہیں، مگر مجھے اپنے خالق سے امید
ہے کہ رعایت کرے گا۔

۲۔ اگر وہ اپنی رضا مندی کا احسان مجھ پر کرے، تو یہ میری امید ہے، لیکن اگر وہ
عدل کر کے میرے عذاب کا حکم دے۔

۳۔ تو یہ اس کی طرف سے ظلم ہے، مگر نہ نہیں ہو گا، کیا یہ ممکن ہے کہ وہ رب ظلم کرے جس
سے صرف بھلائی کی توقع کی جاتی ہے

پھر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔ مرتعہ اس قدر عبرت انگیز تھا کہ مجلس میں کوئی بھی
اپنے آنسو روک نہ سکا۔

بعد ازیں اس نے اپنا کاتب طلب کیا، اور خلیفہ ولید بن عبدالملک کو حسب ذیل خط لکھوایا:-

۱۔ ابا بعد میں تمہاری بکریاں چراتا تھا۔ ایک خیر خواہ گلہ بان کی طرح اپنے اقلکے گلے کی حفاظت کرتا تھا۔ اچانک شیر آیا، گلہ بان کو طمانچہ مارا، اور چراگاہ خراب کر ڈالی۔ آج تیرے غلام پر وہ مصیبت نازل ہوئی ہے، جو ایوب حابر پر نازل ہوئی تھی مجھے امید ہے کہ وہ جبار و قہار اس طرح اپنے بندے کی خطائیں بخشنا اور گناہ دھونا پاتا ہے، پھر خط کے انتقام پر اس نے چندا شمار کھنے کا حکم دیا، جن کا ترجمہ درج ذیل ہے:-

۱۔ اگر میں نے اپنے خدا کو راضی پایا تو بس میری مراد پوری ہو گئی۔

۲۔ سب مر جائیں، مگر خدا کا باقی رہنا میرے لئے کافی ہے۔ سب ہلاک ہو جائیں مگر خدا کی زندگی میرے لئے کافی ہے۔

۳۔ ہم سے پہلے یہ موت چکھ چکے ہیں۔ ہم بھی ان کے بعد موت کا مزہ چکھیں گے۔

۴۔ اگر میں مر جاؤں تو مجھے محبت سے یاد رکھنا، کیونکہ تمہاری خوشنودی کے لئے میری رائیں بے شمار تھیں۔

۵۔ یہ نہیں تو کم از کم ہر نماز کے بعد دعا میں یاد رکھنا کہ جس سے جہنم کے قیدی کو کسی قدر فائدہ پہنچ سکے

۶۔ تجھ پر ہر حال میں اللہ کی سلامتی ہو جیتے جی، میرے پیچھے، اور جب دربارہ زندہ

کئے جاؤ۔

اس دوران میں حضرت حسن بصری اس کی عیادت کو آئے تو حجاج نے ان سے اپنی تکلیفوں کا شکوہ کیا۔ حضرت حسن نے کہا: کیا میں تجھے منع نہیں کرتا تھا کہ نیکو کا بدلہ کوڑہ نہ ستا،

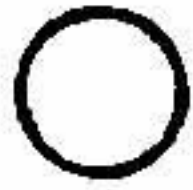
مگر افسوس تو نے میری بات نہ سنی۔ حجاج نے خفا ہو کر جواب دیا۔ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ اس مصیبت کو دور کرنے کی دعا کرو۔ میں اس سے یہ دعا چاہتا ہوں کہ خدا جلد جلا کر میری روح قبض کر لے اور اب زیادہ عذاب نہ دے۔

اسی اثنار میں ابو منذر علی بن مخلد مزاج پرسی کہنے لگا اور وہ یافث کیا: حجاج موت کے سکرات اور سختیوں میں تیرا کیا حال ہے؟ حجاج نے ٹھنڈی سانس لے کر جواب دیا: اے علی! کیا پوچھتے ہو؟ شدید مصیبت، سخت تکلیف، ناقابل بیان الم، ناقابل برداشت درد، سفر و ساز و شوشہ قلیل، — آہ میری ہلاکت، مگر اس جبار و قہار نے مجھ پر رحم نہ دکھایا! یہ سن کر ابو منذر نے کہا: اے حجاج! خدا اپنے ان ہی بندوں پر رحم کرتا ہے، جو رحم دل اور نیک نفس ہوں، اس کی مخلوق سے بہت اور بھلائی کرتے ہوں! — میں گواہی دیتا ہوں کہ تو فرعون و ہامان کا ساتھی تھا، کیونکہ تیری سیرت بگڑی ہوئی تھی۔ تو نے اپنی ملت ترک کر دی تھی، راہ حق سے کٹ گیا تھا، صالحین کے طور طریقے سے دور ہو گیا تھا۔ نے نیک انسان قتل کر کے ان کی جماعت فنا کر ڈالی۔ تابعین کی جڑیں کاٹ کر ان کا پاک و رحمت اکھاڑ پھینکا۔ افسوس، تو نے خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت کی، تو نے خون کی ندیاں بہا دیں، بہائیں لیں، آبرو میں برباد کیں اور کبر و جبر کی روش اختیار کی۔ تو نے نہ تو اپنا دین بچایا، اور نہ دنیا ہی پائی۔ تو نے خاندان مروان کو عزت دی مگر اپنا نفس ذلیل کیا۔ ان کا گھر آباد کیا مگر اپنا گھر ویران کر لیا۔ لہذا آج تیرے لئے نہ نجات ہے، نہ فریاد، کیونکہ تو آج کے دن اور اس کے بعد سے غافل تھا۔ تو اس امت کے لئے مصیبت اور قہر تھا۔ اللہ کا بے اندازہ شکر ہے کہ اس نے تیری موت سے امت کو راحت بخشی، اور تجھے مغلوب کر کے مسلمانوں

کی آرزو پوری کر دی۔“

راوی کہتا ہے کہ حجاج یہ سن کر مبہوت ہو گیا۔ دیر تک سناٹے میں رہا پھر اس نے ٹھنڈی سانس لی، آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے، اور آسمان کی طرف نظر اٹھا کر کہا: ”الہی مجھے بخش دے، کیونکہ لوگ کہتے ہیں کہ تو مجھے نہیں بخشے گا۔ الہی! بندوں نے مجھے ناامید کر ڈالا، حالانکہ میں تجھ سے بڑی ہی امید رکھتا ہوں۔“

یہ کہہ کر اس نے آنکھیں بند کر لیں اور ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گیا۔



عَلَيْهِ
رَحْمَةُ اللَّهِ
حَضْرَتِ اِمَامِ اَحْمَدِ بْنِ حَنْبَلٍ

امام دین و سنت، مقتدائے مذہب و ملت، شیخ سنت و جماعت، حافظ
ناموس قرآن، محی علم حدیث تھے۔ علوم قرآن و حدیث اور تقویٰ میں اپنی مثال نہ
رکھتے تھے۔ صاحب فراست اور مستجاب الدعوات تھے۔ تمام فرقوں نے آپ کو
غایتِ رشد، فہم شریعت اسلامیہ، اور انصاف کے باعث متبرک سمجھا ہے، اور حق
پر آپ کی اولوالعزمی اور ہمت و ثابت قدمی سب کے نزدیک یکساں طور پر مسلم
اور محترم ہے۔ آپ کے عہد میں جب فتنہ خالق قرآن ^ﷺ اٹھا، یعنی قرآن کو مخلوق سمجھانے

لہ مستجاب الدعوات، وہ شخص جس کی دعا بعد قبول ہو۔ ۵۲ یعنی معرکہ نے یہ عقیدہ اختیار کیا کہ قرآن کبریٰ مخلوق
میں شمار کرنا چاہئے، اولیٰ اللہ تعالیٰ ہی کا جوہر یا اس کی صفت نہیں سمجھنا چاہئے۔ ان لوگوں کے برعکس حضرت امام احمد بن
حنبل جبے بعض راسخ فی العلم صحیح العقیدہ بزرگوں کا قطعی فیصلہ تھا کہ قرآن چونکہ اللہ تعالیٰ ہی کا کلام ہے جو اسکے
احکام اور لواہی پر مشتمل ہے، لہذا اسے خالق کائنات کی ایک عظیم الشان صفت تو کہا جاسکتا ہے لیکن "مخلوق" ہرگز نہیں
کہا جاسکتا، کیونکہ یہ عقیدہ کلام اللہ صریح توہین ہے۔ چنانچہ اس اختلاف و تفرق میں آخر امام صاحبی کا مایاں ہونے
اور اگرچہ اس عقیدے کی حمایت میں جان ہونے لگی، لیکن اپنی قربانی سے ایک بہت بڑے فتنے کی سیج کٹی گوی جس کے تاثرات
خدا جلنے فتنے و دوس اور تباہ کن ہوئے!

لگا اور بعد ازیں معتزلہ کا غلبہ ہوا، تو آپ چونکہ اس عقیدہ کے منکر و مخالف تھے، لہذا انہوں
 نے فیصلہ کیا کہ امام احمد بن حنبل کو اس حد تک تکلیف و اذیت دی جائے کہ وہ خالق قرآن
 کے قائل ہو جائیں تاکہ اتنے بڑے عالم دین اور صاحب اثر و نفوذ شخص کو ہم عقیدہ بنا لینے
 کے بعد خالق قرآن کا عقیدہ عوام الناس میں تیزی سے مقبول و پسندیدہ ہو جائے چنانچہ وہ
 آپ کو گراہ قرار دے کر اعتاب و تعزیر کے لئے خلیفہ کے محل میں لے گئے۔ وہاں دو دنوں
 پر ایک سہرنگ دیکھا تو اس نے کہا: اے امام بخیر دار! اپنے عقیدہ و مسلک پر بہت
 شجاعت سے مردانہ وار رہنا، کیونکہ میں نے ایک بار چوری کی تھی مجھے ہزار روٹے مارے
 گئے، مگر میں نے اقرار نہ کیا۔ اس خورہا کر دیا گیا۔ جب میں نے باطل پر اس قدر ہمت و استقلال
 سے کام لیا، تو تم حق پر ہوتے ہوئے اس کے زیادہ مستحق ہوئے امام احمد فرماتے ہیں کہ
 اس کی یہ بات میرے دل میں اتر گئی اور میں اس خوی سانس تک اسے فراموش نہ کر سکا
 پس آپ کو حاضر دہ بار کے معتزلہ نے عقیدہ خالق قرآن کا شدت سے تقاضا کیا، لیکن
 آپ متواتر الکار کرتے رہے، اور اس عقیدہ خالق کو خلاف سنت، مخالف آثار صحابہ،
 اور خلاف شریعت اسلامیہ قرار دیا۔ اس پر ایک پیر ضعیف ہوتے ہوئے بھی آپ کو
 پورے قوت سے ہزار کوڑے مارے گئے کہ قرآن کو خالق قرآن کہو، لیکن آپ نے ایسا
 ہرگز نہ کہا۔ آپ کی پشت سے کھال اڑھڑ چکی تھی، خون جاری تھا، اور ضعف و
 نقاہت سے بیوش ہوتے جاتے تھے کہ اس اثنا میں آپ کا کمر بند کھل گیا، اور آں حالیکہ
 آپ کے دونوں ہاتھ بندھے ہوئے تھے۔ یہاں تک غیب سے وہاں تو ظاہر ہوئے،
 اور انہوں نے کمر بند باندھ دیا۔ جب حاضرین نے یہ کیفیت دیکھی تو آپ کو دہا کر دیا۔
 زخموں کی یہی اذیت بعد میں آپ کی وفات کا باعث ہوئی۔ اخیر وقت میں لوگوں نے پوچھا

کہ جن لوگوں نے آپ کو اس قدر تکلیف پہنچائی ہے، ان کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا: ان لوگوں نے تو مجھے باطل پر سمجھتے ہوئے سخطہ دین اور رفلے الہی کے لئے مارا تھا، اور یہ کوئی ذاتی رنجش نہ تھی۔ لہذا میں روزِ قیامت ان سے کچھ خصوصیت نہ کروں گا۔

اللہ! اللہ! اسلام کے عقائدِ حقہ پر اس قدر محیر العقول اور فقید المثال استقامت اور پھر ظالموں اور دشمنوں کے ساتھ اتنی رعایت و شفقت! — یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درشتی میں پائے ہوئے رحمانِ عظیم کا مظاہرہ نہیں تو اور کیا ہے؟

شہیدم کہ مروان را خدا دے لے دشمنان ہم نہ کروند تک

ترا کے میسر شو و این مقام کہ با دوستانت خلوف است جنگ

جب ان رزمنوں سے ہجرت کا ذکر کیا جا چکا ہے، آپ کی وفات کا وقت قریب آیا، اور آپ زمرہ شہدایں داخل ہونے لگے تو اس حالت میں ہاتھ سے اشارہ کرتے تھے اور فرماتے تھے: ”ابھی نہیں“ آپ کے صاحبزادے نے پوچھا: ”یہ کیا حالت ہے، اور آپ ایسا کیوں فرماتے ہیں؟“ فرمایا یہ بہت نازک وقت ہے، اور استفسار و جواب کا موقع نہیں۔ اب دعا سے میری مدد کرو، کیونکہ شیاطین سیدھی الٹی جانب بیٹھے ہیں۔ ابلیس برابر کھڑا ہوا سر میں خاک ڈال رہا ہے، اور کہتا ہے کہ: ”اے احمد! تم میرے ہاتھ سے ایمان سلامت لے چلے“ میں کہتا ہوں: ”ابھی نہیں، کیونکہ چند سانس باقی ہیں، یہ لغزش و خطر کی جگہ ہے، نہ کہ امن اور اطمینان کی“ اور کچھ دیر بعد آپ خلوص تقویٰ اور بے مثل خدمت دینا

کی برکات سے اپنی متاع ایمان سلامت لئے ہوئے محبوبِ حقیقی سے حاصل ہو گئے
بلشبہ اسی مقام ورتبہ کے اولیاء اللہ کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ

إِنَّ الَّذِينَ كَانُوا رَبِّكَ إِلَهًا ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ
أَنْ يَلْعَنُوا فَاذْكُرُونَا وَأُنتُمْ كَانْتُمْ تَعِدُونَ ۝

ترجمہ: جن لوگوں نے یہ کہا کہ ہمارے واحد اللہ تعالیٰ ہے، ان کی طرف ملائکہ نازل کئے جلتے
ہیں جو انہیں خوشخبری دیتے ہیں کہ تم مخلوقات میں سے کسی سے خوف نہ کھاؤ، اور نہ کسی قسم کا غم نہ کرو
ہم تو تمہیں اس جنت کا ثرہ سننے آتے ہیں، جس کا اللہ تعالیٰ نے تم سے وعدہ کیا ہوا ہے!

اسی للہیت اور عشقِ حق کا ثرہ ہے کہ جب آپ کا جنازہ اٹھایا گیا تو پرندے آپ کے
جنازہ پر اپنے آپ کو چھکتے تھے، یہاں تک کہ دو ہزار یہودی اور گہر و ترسا مسلمان ہو گئے۔
وہ بے اختیار زنا ز توڑتے اور کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا نعرہ
لگاتے تھے۔ پھر کو تو سبچ و اضطراب تھا ہی، لیکن مسلمانوں کے ساتھ ہی ساتھ یہودی
اور عیسائی بھی یکساں طود پر کرایاں و نالاں تھے۔ آپ کی وفات کے بعد ایک بزرگ
سے دریافت کیا گیا کہ "ان کی نظر زندگی میں زیادہ تھی، یا بعد وفات؟" جواب دیا حضرت
احمد بن حنبل کی دو دعائیں نہایت مقبول تھیں۔ ایک یہ کہ پروردگار جسے تو نے ایمان

نہ دیا ہو، اسے عطا فرما، اور جس دوسری کو کہ ایمان دیا ہو، اس سے واپس نہ لے۔ پس
ان میں سے ایک دعا تو ان کے مہینہ حیات ہی میں مقبول ہوئی کہ جس شخص کو بھی ان کے
ذریعہ ایمان نصیب ہوا، ان سے نہ لیا گیا، اور دوسری خود ان کی حالتِ موت میں مقبول
ہوئی کہ اس قدر تکلیفوں اور مایوسیوں کے باوجود آزمائش میں پورے اترے اور اپنا
ایمان محفوظ و سلامت لئے ہوتے و نیلے سے رخصت ہوئے۔" محمد بن خزیمہ فرماتے ہیں

کہ میں نے امام احمد کو بعد وفات خواب میں دیکھا کہ فخر و مباهات سے جل رہے ہیں میں نے پوچھا کہ یہ کیا رفتار ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے بے پایاں عفو و رحمت سے جنت میں چلا جا رہا ہوں۔ میں نے پوچھا اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیسا سلوک کیا؟ فرمایا "خدمتِ دین اور استقامت علی الحق کے عوض میرا بے حد احترام کیا۔ مجھے معاف فرما کر تاجِ میرے سر پر رکھا اور نعلینِ پاؤں میں پہنائے ہوئے فرمایا چلے جاؤ تیری یہ قدر افزائی اس لئے ہے کہ قصے قرآن کو مخلوق نہ کہا۔ پھر فرمایا **فَادْخُلِيْ فِيْ عِبَادِيْ** **وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ** یعنی "میرے برگزیدہ بندوں میں شامل ہو، اور میری جنت میں چلا جا۔" لہ



لہ تذکرۃ اولیاء و کرام امام احمد بن حنبل

عَلَيْهِ
رَحْمَةُ اللَّهِ
حضرت جنید بغدادی

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ شیخ الشیوخ عالم اور امام ائمہ جہاں تھے علوم شرعی و روحانی میں کامل، اعمال عبادت و تقویٰ میں ہادی مسلمان اور معاملات و ریاضات میں مثال تھے کلمات لطیف و اشارات علی میں تمام شیوخ پر سبقت رکھتے تھے اول حالت سے آخر تک پسندیدہ و محبوب اور تمام فرقوں کے مقبول تھے سب آپ کی امامت پر متفق تھے شریعت و طریقت میں آپ کا کلام حجت ہے، اور کوئی شخص آپ کے ظاہر و باطن پر معترض نہیں ہوا۔ آپ مقتدائے اہل تصوف ہیں، اور ان کے نزدیک میدا الطائفہ اور سلطان المحققین تسلیم کئے گئے ہیں عشق و زہد میں بھی بے نظیر تھے۔ اکثر مشائخ آپ کا مذہب و مسلک رکھتے ہیں، کیونکہ طریقت میں سب سے زیادہ معروف و مقبول طریقہ آپ ہی کا ہے۔ اپنے مہر میں بھی آپ تمام مشائخ کے مرجح تھے۔ آپ کی تصانیف بہت ہیں جو سب کی سب شریعت و طریقت کے

مخالف و معافی اور اسرار و نکات پر مشتمل ہیں۔ آپ ذکر و ریاضت کی بہت تاکید فرمایا کرتے تھے۔

جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا و ستر فرمایا بچھاؤ، اور میرے صاحبِ عشق و معرفت اور محرمِ راز و سنتوں کو بلاؤ، تاکہ میں ان کے سامنے جان دوں۔ جب مرض الموت میں اضطراب بہت بڑھ گیا، تو فرمایا مجھے وضو کرا دو، مگر لوگ وضو میں انگلیوں کا خلال کرنا بھول گئے۔ آپ نے فرمایا تو خلال کرایا گیا پھر سجدہ میں گر پڑے اور رونے لگے۔ لوگوں نے کہا کہ حضرت! آپ نے تو اپنی تمام زندگی میں پہلے ہی اس قدر طاعت و عبادت کی ہے۔ یہ سجدہ کا کیا وقت ہے؟ فرمایا ”جنیڈا اس وقت سے زیادہ سجدہ اور شروع و حنیوع کا کسی وقت محتاج نہ تھا جب آپ نے سجدہ سے سر اٹھایا تو قرآن حکیم کی تلاوت شروع کر دی۔ ایک مرید نے کہا آپ اس ضعف و اضطراب میں قرآن پڑھتے ہیں؟ فرمایا ”ان آخری لمحات میں اس سے بہتر عمل میرے لئے اور کیا ہوگا۔ اس وقت میرا نامہ اعمال طے کیا جائے گا، اور میں چاہتا ہوں کہ اس کا اختتام تلاوت قرآن سے ہو۔ میں اپنی ستر سالہ طاعت و عبادت کو ایک تار بال میں لٹکا ہوا پاتا ہوں، اور ہوا سے حرکت دیتی ہے۔ نہ معلوم وہ فراق کی ہول سے یا وصل کی۔ ایک جانب پل صراط ہے، اور دوسری جانب ملک الموت۔ وہ احکم الحاکمین اور قاضی القضاة جس کی صفت عدل ہے، خلاف عدل کوئی کام نہیں کرے گا۔ راہِ آخرت میرے سامنے ہے، مگر نہ معلوم مجھے کس راہ سے لے جائیں گے؟ پس آپ نے اسی حالت میں سورہ بقرہ کی ستر آیات تلاوت فرمائیں۔ جب نزاع کے قریب اضطراب بہت بڑھ گیا، تو لوگوں نے کہا اللہ اللہ کہئے۔ آپ نے فرمایا میں

اپنے محبوب حقیقی کو بھولا نہیں ہوں، جو تم یا دو لائے ہو۔ پھر آپ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم
 پڑھ کر تسبیح و تحلیل شروع کر دی، اور اسی حالت میں آنکھیں کھول کر جان دے دی
 جب غسل دینے والے نے آنکھوں میں پانی پہنچانا چاہا تو ہاتھ نے آواز دی کہ ہمارے
 دوست کی آنکھ سے ہاتھ ہٹائے، کیونکہ جو آنکھ ہمارے ذکر میں بند ہوئی ہے اور ہمارے
 دیدار کے لئے ہی کھلے گی نیز غسل دینے والے نے بہت کوشش کی وہ انگشت جو آپ
 نے تسبیح کے لئے بند کر لی تھی، اس سے کھول دے، اگر نہ کھول سکا۔ اور ایک آواز
 سنی کہ جو ہاتھ ہمارے ذکر و اسم پر بند ہوا ہے، وہ ہمارے فرمان کے بغیر نہیں کھلے گا
 جب یہ آواز اٹھایا گیا تو ایک سفید کبوتر آپ کے جنازہ کے ایک گوشہ پر آ کے بیٹھ گیا۔
 لوگوں نے بہت کوشش کی کہ اڑ جائے، مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ یہاں تک کہ سینہ کبوتر
 سے یہ آواز اٹھی ”مجھے اور خود کو بلا دو، تکلیف نہ دو، کیونکہ میرا چنگل تو ان کے جنازہ
 میں سلا ہوا ہے۔ تم لوگ پریشان اور بے چین مت ہو، کہ آج تو عید کا قالب کر بیوں
 رزق شکر کے نصیب میں ہے۔ اگر تمہارا شور غوغا نہ ہوتا، تو ان کا جسم سفید باز کی
 مانند ہوا میں اڑ جاتا۔“ آپ کو دفن کر چکنے کے بعد ایک شخص نے آپ کو خواب میں
 دیکھا تو دریافت کیا: ”آپ نے منکر و نکیر کو جواب کس طرح دیا؟“ آپ نے فرمایا: جب
 وہ دونوں مقرب اس و گاہ بیت سے میرے پاس آئے اور پوچھا من ربک ؟
 یعنی تیرا پروردگار کون ہے؟ تو میں ان کو دیکھ کر ہنسنا اور کہا: میرا پروردگار وہی تو ہے
 جس نے روزِ ازل سے مجھ سے دریافت کیا تھا اکتست بدیکر؟ تو میں نے کہا تاویل۔

۱۵۷ یعنی میں ہی تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ ۱۵۸ یعنی بلاشبہ تم ہی میرا پروردگار ہے

اب تم مجھ سے پوچھنے آئے ہو کہ تمہارا پروردگار کون ہے جس شخص نے بادشاہ کو یہ عطا
 دیا ہو، وہ غلام سے کب ڈرے گا؟ آج بھی میں اسی کے الفاظ میں کہتا ہوں کہ لَمَّا لَدِي
 خَلَقَنِي فَهَوَّكِدًا يٰنِ لَعْنَةُ جِسْمِي نَعْمَ عَلَيَّ مَا كَانَتْ لِي مِثْلِي
 کرے گا۔ پس وہ آہستہ سے میرے پاس سے چلے گئے اور کہا: یہ اچھی عشق و محبت کا
 نشہ میں ہے۔ ایک اور شخص نے آپ کو خواب میں دیکھا تو پوچھا: اللہ تعالیٰ نے آپ کے
 ساتھ کیسا ساوک کیا؟ فرمایا: رحمت کی اور ہمارا محاسبہ اس اعتبار و قیاس سے نہ
 ہوا جو ہم سمجھتے تھے۔ یہاں ہزار ہا منصب نبوت سر نیچے ڈالے ہوئے خاموش ہیں
 لہذا ہم بھی خاموش ہو گئے کہ دیکھیں کیا حالت ہوتی ہے؟ سو یہی کہتے ہیں میں نے
 حضرت جنید کو خواب میں دیکھا اور پوچھا: اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا؟
 فرمایا اپنی رحمت خاصہ سے مجھے معاف فرما دیا، اور سوائے ان دو رکعتوں کے جو میں آدمی
 رات کو پڑھا کرتا تھا، کسی چیز سے فائدہ نہ ہوا۔ حضرت شبلیؒ آپ کے مزار مبارک کے پاس
 کھڑے ہوئے تھے کہ کسی نے مسئلہ پوچھا، تو آپ نے جواب نہ دیا، اور فرمایا:

إِنِّي لَأَسْتَعِينُكَ فِي الدُّرُوبِ بَيْنَنَا
 كَمَا كُنْتَ إِسْتَعِينَنِي فَهَوَّكِدًا يٰنِ

یعنی بزرگوں کی حالت حیات و موت یکساں ہے۔ مجھے شرم آتی ہے کہ ان کے مزار مبارک کے سامنے
 جواب دوں جس طرح زمانہ حیات میں ان کے سامنے شرم رکھتا تھا؟



لَا تَذَكَّرُ الْأَوْلِيَاءُ ذَكَرَ جَنِيْدٍ خَدَّوِي

حضرت بایزید بسطامی

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ اکبر مشائخ و اعظم اولیاء خلیفہ برحق، قطب عالم اور مرجع اوتار تھے۔ تزکیہ روح اور معرفت و بصیرت میں اپنی مثال نہ رکھتے تھے۔ آپ کی ریاضات و کمالات بہت تھیں۔ اسرار و حقائق میں نظر ثاقب و سعی لمیح رکھتے تھے ہمیشہ مقام قرب و بیعت میں رہتے تھے، اور آتش عشق الہی سے مضطرب و شب و روز اپنے جسم کو مجاہد میں، اور دل کو مشاہدہ میں رکھتے تھے۔ احادیث عالی میں ان کی روایات بینی بر نکات حکمت میں۔ ان سے پہلے کسی کو معافی طریقت میں اس قدر استنباط نہ تھا۔ آپ کے روحانی کمالات برگزیدہ اولیاء اللہ کے نزدیک بھی مسلم ہیں، یہاں تک کہ حضرت جنید بغدادی نے فرمایا: بایزید ہم میں ایسے ہیں جیسے ملائکہ میں جبرائیلؑ نیز فرمایا: تمام سالکان توحید کی نہایت میدان بایزید کی ابتدا ہے۔

روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: "یا اللہ! اللہ" کا ورد بہت فرمایا کرتے تھے۔

پھر نزع کے وقت بھی میا اللہ یا اللہ کا ورد ہی آپ کی زبان سے سنا گیا۔ مرض الموت میں آپ نے محبت و استغراق کی حالت میں فرمایا اور یارب! میں نے تجھے کبھی عقلمندی میں دیکھے حضور قلب کے بغیر، یا نہیں کیا، اور اب کہ روح پر ملا کرنے والی ہے اتیری طاعت و عبادت سے غافل ہوں نہ معلوم اب حضور کب نصیب ہو تیرے دربار میں حاضر ہونے پر جب تو مجھ سے پہچھے گا کہ بائزید یا تم میرے لئے دنیا سے کیا تحفہ لائے ہو تو میرا جواب ہو گا کہ دو پروردگار! میں تیرے شایان شان تو کوئی تحفہ نہیں لاسکتا ہاں میں نے تیرے ساتھ دنیا میں کسی کو شریک نہیں کیا تھا۔ اور اسی ذکر و حضور میں سبحان جان آفرین کے سپرد کی۔

سبحان اللہ! اس مقام پر ہر مسلمان کو غور کرنا چاہئے کہ دربار الہی میں تحفہ توحید سے بڑا تحفہ اور سہو بھی کیا سکتا ہے۔ تمام کتب سماوی اور بعثت انبیاء کا سب سے پہلا اور حقیقی مقصد ہی نوع انسانی کو توحید باری تعالیٰ کی عظمت و اسمیت اور عبادت و اخلاقی افادیت سمجھانا تھا۔ اور اس کے ساتھ ہی ساتھ تمام ان ذرائع شرک کو بھی نیست و نابود کرنا تھا، جو اوہام انسانی نے کسی دلیل و برہان کے بغیر پیدا کر رکھے تھے اور کیا شرک کی تردید و مذمت پر اللہ تعالیٰ کا یہ واضح اعلان کافی نہیں کہ :-

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ لَا يَغْفِرُونَ لِمَنْ شَرَكَ بِهِ وَيَخْفَوْهُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِيُنذِرَ لِقَوْمٍ يُشَاقِقُونَ

یعنی اللہ تعالیٰ یہ گناہ تو ہرگز معاف نہیں کرے گا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے ہاں اس کے علاوہ دیگر گناہوں میں سے جسے چاہے گا معاف فرما دے گا۔

اور اسی بنا پر حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو سب سے اہم اور مقدم نصیحت یہی کی تھی کہ :-

يَا بَنِيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ
یعنی "اے بیٹیا اللہ

تعالیٰ کے ساتھ مخلوقات میں سے کسی کو ہرگز شریک مت کرنا، کیونکہ شرک سب سے بڑا ظلم ہے۔
اس تذکرہ کا مقصد یہ ہے کہ حضرت بایزید بسطامیؒ کے اسخوی قول کی غایت اور

روحِ تعلیم ہر مسلمان پر روشن و واضح ہو جائے جس شب کو آپ کی وفات ہوئی ابو موسیٰ
موجود نہ تھے کہتے ہیں میں نے اسی رات خواب میں دیکھا کہ عرش کو اپنے سر پر رکھے اٹھا

ہوں مجھے تعجب ہوا، اور علی الصبح یہ خواب حضرت جنیدؒ کو سنانے چلا تو آپ وفات
پاچکے تھے۔ نماز جنازہ کے لئے بہت سے لوگ اطراف سے آئے ہوئے تھے جب ان کا

جنازہ اٹھایا گیا تو میں نے کوشش کی کہ جنازے کا ایک کوزہ مجھے دے دیں، مگر نہ ملا میں
نہایت بے صبر ہوا اور جنازے کے نیچے جا کر اس کو سر پر اٹھا لیا، وراں حالیکہ میں خواب

بھول چکا تھا میں نے اسی حالت میں حضرت کو دیکھا فرماتے تھے "اے ابو موسیٰ! تیرے
رات والے خواب کی تعبیر سے جو عرش تو نے سر پر اٹھا یا تھا، وہ بایزید کا جنازہ ہے"

جب آپ کو دفن کیا گیا تو حضرت خضرؒ کی زوجہ جو خود صاحبِ کشف و حال
تھیں ہزار مبارک کی زیارت کو گئیں جب وہ زیارت سے فارغ ہوئیں تو حاضرین

سے کہا: کیا تم جانتے ہو کہ حضرت بایزیدؒ باطنی طور پر کیا بلند مرتبہ رکھتے تھے؟ — میں
تمہیں بتاتی ہوں کہ ایک رات میں خانہ کعبہ کا طواف کر رہی تھی کہ ایک ساعت بیٹھتی

اور مجھ پر نیند لے غلبہ کیا کیا دکھتی ہوں کہ ملائکہ مجھے آسمان پر لے گئے اور عرش کے نیچے
پہنچا دیا۔ وہاں میں نے ایک وسیع بیابان دیکھا جس کا طول و عرض پانچ سو اسی ہزار

پھول کھل رہے تھے۔ وہاں ہر پتے اور پھول پر لکھا تھا کہ بایزیدؒ ولی اللہ تھے! ایک
بزرگ کہتے ہیں میں نے آپ کو خواب میں دیکھا تو کہا مجھے وصیت کیجئے۔ آپ نے ایک شعر

عزیزی پر جو میں کے سوتیلی کدو تھیں اور ایک سبب بابت میں نے معلوم کیا
 یہ ایک شجر ہے۔ لکن وہ کوشش کر کے اس شجر میں چڑھ کر تو اپنے چھ مسکین کو اس کو
 پتہ شریب سے رہتے ہوئے کہا کہ بارگاہی ہے وہ عینوں مردوں کے آپ کو ہوں
 دیکھتا ہوں کہ اگر تیرے پاس ہے؟ فرمایا اہل غفلت و امانت کو ترک کرنا اور
 ذکر و عبادت اور محنت و ریاضت میں مصروف رہنا۔ جب شجر ابو سعید بلوی نے
 گھڑا و مبارک کو زیارت کو گئے تو ایک ساعت تک کھڑے رہے اور جب
 لوٹے تو اپنا ریشہ بٹہ ہے کہ دنیا میں جس کی کوئی چیز کم ہوئی ہو وہ یہاں تلاش کرے



کہ بعض شخص کے روحانی فریضے و برکات زائل ہو چکے ہوں وہ بیمار سے کتاب لڑو
 کہے گا کہ متذکرۃ الاملیار ذکر بایز و بیطامی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حضرت امام محمد بن محمد غزالی

امام صاحب نے ۱۴ جمادی الثانی ۵۰۵ ہجری میں بمقام طہران انتقال فرمایا،
اور وہیں مدفون ہوئے۔ ابن جوزی نے ان کی وفات کا قصہ ان کے بھائی احمد غزالی کی
روایت سے حسب ذیل لکھا ہے:-

”پیر کے دن امام صاحب صبح کے وقت بستر خواب سے اٹھے اور وضو کے نماز
پڑھی، پھر کفن منگوا یا اور آنکھوں سے لگا کر کہا: ”آقا کا حکم سزا کھوں پر“ یہ کہہ کر پاؤں
پھیلا دیئے۔ لوگوں نے دیکھا تو دم نہ تھا۔“

امام صاحب کے مرنے کا تمام اسلامی دنیا کو صدمہ ہوا۔ اکثر شعرا نے مثنوی بھی لکھے

چند شعریہ ہیں

بکی علی حجتہ الاسلام حیدر آبادی

تلاک الہدایۃ تسلسلی قوی جلدی

من کل حی عظیم القدر الاشراف

والطرف لیسہکا والد مع تنرف

من لا تطیر لہ فی الناس یخلفہ

مغنی فاعظم فبمعدت بد

حضرت امام غزالی کی موت گویا اس عہد میں تحقیق و اجتہاد و تجدید دین، اہلکے رو

اسلامی، اہق اندیشی و حق گوئی، اور اسرار معرفت و تصوف کی موت تھی۔ امام صاحب نے

مسائل شریعت اور نکات تصوف و اخلاق میں جو گوہر فرشانی فرمائی ہے اور جیسے جیسے

معارف مسلمانوں پر واضح کئے ہیں، ان کی مثال آپ سے ماقبل اور نابعد کہیں سے نہیں

یوں تو آپ نے فقہ، اصول فقہ، منطق، فلسفہ، علم کلام، اور تصوف و اخلاق پر کثیر الکتب

کتابیں تصنیف فرمائی ہیں، لیکن افادہ عام کے لحاظ سے "احیاء العلوم" اور "کیمیائے سعادت

سیرت و اخلاق کی اصلاح میں بہت بلند رتبہ رکھتی ہیں۔ اسی طرح اسرار معرفت اور تصوف

میں "مہناج العابدین" اور "معراج السالکین" ایک امتیازی شان کی حامل ہیں۔

اسلام اور مسلمانوں پر امام صاحب کے بے شمار علمی احسانات میں، جن کا تعلق زیادہ تر

تزکیہ باطن، تطہیر قلب و ذہن اور اصلاح عقائد سے ہے۔ ان کے قلم حقیقت رقم سے

پھولے ہوئے چشمے تا ابد جاری رہتے ہوئے تشنگان علم و معرفت کو سیراب کرتے رہیں گے۔

مرکزہ میوانگہ دلش زندہ شذیرہ عشق
ثبت است بر جریدہ عالم و عامر ہا



Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حضرت ابو بکر شہلی

حضرت ابو بکر شہلی رحمۃ اللہ علیہ تصوف و طریقت میں وجید عنصر اور عال و علم میں بے بہتا تھے۔ آپ رموز و نکات شریعت پر حاوی تھے اور اپنے زمانہ کے مشائخ کو دیکھا تھا، اور ان کی صحبت سے فیضیاب ہوئے تھے۔ علوم طریقت میں بیگانہ روزگار تھے، اور آپ کی ریاضات و کمالات مشہور ہیں۔ شریعت و تصوف میں اول سے آخر تک کامل و بختہ کار تھے، اور آپ کے احوال میں کبھی ضعف و فتور نہ آیا، اور آتش عشق و محبت کی شدت کسی چیز سے کم نہ ہوئی۔ آپ منصور خلاج کے قریب دوست اور محرم راز تھے۔ حضرت جنیدؒ آپ کے رشتہ دار تھے، جن سے بعد میں شریعت و تصوف اور طریقت کے رموز و نکات سمجھے، اور دعائی و باطنی طور پر اکتساب فیوض و برکات کیا۔ خصوصاً حدیث و فقہ میں ایسا تبحر علمی رکھتے تھے کہ ان کے ہم عصر استاد بھی انہیں اپنا پیشوا مانتے تھے۔

جب آپ کی وفات قریب ہوئی تو دونوں آنکھوں میں تیرگی چھا گئی اور سدا کہ
 منگا کر سر پر ڈالنے لگے جو حضور حق تعالیٰ اپنے عجز و ندامت کا ایک مظہر ہے، جب
 آپ کا اضطراب انتہا کو پہنچ گیا تو لوگوں نے بے چینی کی وجہ دریافت کی۔ آپ نے فرمایا
 رسول اکرم رحمۃ للعالمین تھے، امام الانبیاء تھے، اور حضور کی مغفرت قطعی طور پر موجود تھی
 لیکن بائیں ہمدون کے علاوہ تمام رات مصروف عبادت رہتے تھے اور آنکھیں
 خوف حق تعالیٰ سے کریاں رہتیں۔ فرماتے کہ قرآن کی آیات عذاب نے میری
 کمر توڑ دی ہے اور مجھے بوڑھا کر دیا ہے پس میں اسی اضطراب مسلسل میں ہوں کہ جب ایسے حلیل المثل
 کا یہ حال ہے تو اس کے ایک غافل و گنہگار امتی کا کیا حشر ہو گا۔ پھر فرمایا قرآن میں
 اگرچہ شیطان کو "ملعون قرار دیا گیا ہے، لیکن میرے لئے وہ بھی قابل شکست
 اور پامتا ہوں کہ محبوب حقیقی کے ساتھ ایسا ربط و تعلق مجھے حاصل ہوا کیونکہ اگرچہ وہ میری
 ہے لیکن اس کی اصافت و نسبت تو دوست کی طرف ہے۔ پھر آپ تھوڑی دیر خاموش
 رہ کر دوبارہ مضطرب ہو گئے، اور فرمایا یہ اس کی جانب سے دو قسم کی ہوا میں چلتی
 ہیں۔ ایک لطف کی اور دوسری تہری کی پس جس جانب لطف کی ہوا چلتی ہے، وہ اس
 کو مطاوب و مقصد تک پہنچا دیتی ہے اور جس پر تہر و غضب کی ہوا چلتی ہے وہ حجاب و
 غفلت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اگر مجھ تک لطف پروردگار کی ہوا آجائے گی تو میں اس کا
 سید رحمت پر نزع کی تمام سختی بھیل سکتا ہوں، اور اگر عیاذاً باللہ یاد تہر آئے گی، تو روحانی
 و باطنی طور پر جو روحناک کیفیت میری ہوگی، اس کے مقابل نزع کی اونیت و پریشانی کچھ
 بھی نہیں۔ پھر وفات کے وقت فرمایا مجھے طہارت اور وضو کرنا اور جب وضو کرنا یا گیا تو دروضو
 کا خلل بھول گئے مگر آپ نے یاد دلایا جس رات آپ کی وفات ہوئی آپ رات بھر

عزیز تھے رے ابو سوز عشق و محبت اور امید رحمت سے لبریز ہے :-

كُلُّ بَيْتٍ اَنْتَ سَاكِنٌ غَيْرُ حَتَّاجٍ اِلَى الْمَسْرُوحِ
وَجَهَّتْ الْمَاهُولُ حَجَّتْنَا يَوْمَ تَأْتِي النَّاسُ

یعنی جس گھر میں تو ساکن ہو اس کو چراغ کی حاجت نہیں۔ جس دن لوگ اپنی اپنی
حجت و دلیل لائیں گے، اس وقت تیرا دوسے پُر نور ہو ہمارا مرجع امید ہے انجات و غفران
کے لئے ہماری حجت و دلیل ہوگا۔

اس کیفیت کا حال لوگوں نے سنا، تو بہت سے عقیدت مند نماز پڑھنے کے نئے
حاضر ہوئے، حالانکہ ابھی آپ کی وفات نہیں ہوئی تھی۔ آپ فرست سے ان کی آمد کا
مقصد سمجھ گئے، اور فرمایا: "یہ عجیب حالت ہے کہ مرد لوگ ایک زندہ شخص کی نماز پڑھنے
آتے ہیں،" لوگوں نے کہا: "لا الہ الا اللہ کہتے" فرمایا: "مجبوب غیر اللہ سے ہی نہیں، تو میں
نفی کس کی کروں؟" حاضرین نے کہا: "اس وقت کلمہ پڑھے پیر چارہ نہیں" آپ نے فرمایا
"سلطانِ محبت تیری فرمائے کہ میں کسی قسم کی رشوت قبول نہیں کروں گا۔ پھر ایک شخص نے
پاؤں بلند کلمہ شہادت کی تلقین کی تو فرمایا: "ایک مردہ شخص زندہ کو تلقین نصیحت کرنے
آیا ہے؟" فرادیر کے بعد لوگوں نے پوچھا کہ آپ کی حالت کیسی ہے۔ فرمایا: "میں اپنے

طے آیات قرآنی کی رو سے اولیاء اللہ مگر کبھی زندہ میں، اور انہیں مردہ ہرگز نہیں سمجھا جاسکتا، لیکن
جو لوگ حیاتِ قلبی اور مجاہدہ و مشاہدہ سے محروم ہوں، وہ زندہ رہ کر بھی مردہ ہیں۔ ۷۲ یہ نایب
الہی میں محویت و استغراق اور توحید پرستی کی اظہار ہے کہ کائنات میں اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی شے
کا وہدی محسوس و مرنی نہ ہو۔

محبوب حقیقی تک پہنچ چکا ہوں۔" یہ کہتے ہی آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔
 دوست نے آپ کو خواب میں دیکھا تو پوچھا: "منکر و نکیر کے وقت آپ نے کیا کیا؟" فرمایا:
 "تے آکر پوچھا من ربک رتیر پروردگار کون ہے، میں نے کہا میرا پروردگار وہی ہے جس نے
 تمہیں ادنیٰ گیر تمام فرشتوں کو حکم دیا تھا کہ میرے دادا آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو، اور
 میں پشت آدم ہی میں تمہارا نظارہ کرتا تھا۔" وہ بولے: "تو نے تو گویا تمام آدمیوں کی
 طرف سے جواب دے دیا۔" پھر وہ چلے گئے ایک اور شخص نے آپ کو خواب میں دیکھا
 تو پوچھا: "حق تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا ساواک کیا؟" فرمایا: "اس نے میرے کسی عمل پر
 اتنا سخت محاسبہ نہیں کیا، جتنا ایک قول پر۔ ایک روز میری زبان سے نکل گیا تھا کہ اس
 سے بڑھ کر کوئی خسارہ نہیں کہ بہشت سے محروم رہو اور دوزخ میں جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے
 مجھے اس بات پر عتاب کیا، اور فرمایا اس سے بڑھ کر کوئی خسارہ نہیں کہ لوگ میرے
 دیدار سے محروم رہیں اور مجھ سے دور محبوب ہوں۔" ایک اور شخص نے آپ کو خواب میں
 دیکھا تو پوچھا کیف وجدات سوق الاخریٰ یعنی آپ نے بازار آخرت کو کیسا پایا؟
 فرمایا: "میں نے ایسا پایا کہ اس بازار میں سوختہ جگروں اور شکستہ دلوں ہی کی رونق ہے،
 اور دوسروں کی پرسش نہیں۔ یہاں جلے ہوئے زخموں پر مرہم رکھتے ہیں، اور ٹٹے ہوئے
 دلوں کو جوڑتے ہیں، اور علاوہ ازیں کسی چیز کی طرف التفات نہیں کرتے۔"



لے شکمۃ الاولیاء ذکر ابو بکر شبلی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حضرت حسین منصور حلاج

حضرت منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ کے روحانی و باطنی حالات عجیب و غریب گذرے ہیں۔ ایسا طریقہ رکھتے تھے جو ان ہی کے ساتھ مخصوص تھا، کہ غایت سوز و اشتیاق اور شدت فراق میں مست و بے قرار تھے۔ ریاضت و عبادت میں جدوجہد عظیم کراوات عالی قدر، اور کلام زیار رکھتے تھے۔ شریعت اسلامیہ کے معانی و معارف اور حقائق و اسرار میں نہایت کامل تھے۔ آپ کی مثال نظر و تین اور فراست و کیاست اور کسی کو حاصل نہ تھی۔ اول سے آخر تک ان کے احوال عشق کی اساس آفات اور مصائب و زوایب پر سے، کیونکہ انہوں نے علائقہ مدانا الحق، کہہ دیا تھا، اور ان کے اپنے بیان کے مطابق اس بنا پر کہا تھا کہ کائنات کی تمام مخلوقات و حقیقت ذات حق تعالیٰ کے مظاہر ہیں جن میں اس نے اپنی جلوہ نمائی کی ہے۔ اس عقیدہ کی بنیاد اس آیت شریفہ پر تھی، اَیُّنَمَا تَوَلَّوْا فَاٰفَئِمَّ وَجْہُ اللّٰہِ یَعْنِیْ بِہِمْ حَسْبٌ طَرَفٌ یَّحِیْ اِنَّمَا سَہْمٌ مِّمَّہِ طَرَفٌ اللّٰہِ تَعَالٰی کے

چہرہ جیل کو موجود پاؤ گے! علاوہ ازیں **وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ وَتَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسَهُ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَيْدِ** (سورۃ ق) یعنی "ہم انسان کو پیدا کیا ہے، اور ہم خوب جانتے ہیں کہ اس کے نفس میں کیا کیا خیالات و احساسات گذرتے رہتے ہیں، اور ہم انسان کی جانب اس کی شاہ رگ سے بھی قریب تر ہیں بنا بریں منظور حلاج فرماتے ہیں کہ جب انسان خلیفۃ اللہ فی الارض ہے، نامہ حق ہے، اور اسی کی ذات و صفات کا منظر اعلیٰ ہے، تو میرے "انا الحق" کہہ دینے میں تعجب و تعزیر کی کوئی بات ہے!

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ عوام الناس کا فہم شعور اور مشاہدہ و نظر باطل سطحی رہتا ہے، اور وہ اسلئے عشق کی گہرائی تک نہیں پہنچ سکتے، یہی وجہ ہے کہ جب خلق خدا آپ کو حالت سے متوجہ نہ ہوتی، تو نہ بانیں آپ کے خلاف دراز ہوئیں، اور آپ کو کافر و زندق سمجھ جانے لگا۔ علمائے وقت کو بھی آپ کے خلاف برا نیگینہ کیا گیا، اور خلیفہ ہند کے کان بھی بھرے آخر لوگوں نے آپ کے قتل پر اتفاق کیا، اور جیلہ یہ کیا کہ منظور "انا الحق" کہتے ہیں۔ آپ سے تقاضا کیا گیا کہ "ہو الحق" کہو۔ آپ نے جواب دیا: "سب میں وہی ہے، مگر تم کہتے ہو کہ وہ گم ہو گیا ہے۔ بلکہ یوں کہو کہ وہ تو ابدی طور پر موجود ہے، لیکن حسین منظور کہ ہو گیا ہے۔ بجز عیبط کبھی گم اور کم نہیں ہوتا۔" الغرض علمائے ظاہر کی ایک جماعت آپ کے درپے ہو گئی اور خلیفہ مستعصم کے سامنے آپ کے عقائد و خیالات کو بہت بری صورت میں پیش کیا۔ علی بن عیسیٰ وزیر آپ سے مخاطب ہو گیا اور ایک سال تک آپ کو قید خانہ میں رکھا۔ مگر لوگ پھر بھی متواتر آپ کے پاس جا کر مسائل پوچھتے تھے۔ پھر لوگوں کو آپ کے پاس جانے سے منع کر دیا گیا۔ پانچ مہینے تک کوئی آپ کے پاس نہ گیا، مگر ایک بار ابن عطاء

ایک بار عبدالرحیم طاقات کو گئے۔ ابن عطار نے آپ کے پاس آومی بھیجا
 ”اسی طرح جو بات آپ نے کہی ہے، اس کا عذر کر لیجئے، تاکہ قیرخانہ سے رہائی ہو جائے“
 پتے کہلا بھیجا ”جس نے انا الحق کہے اس سے کہو کہ عذر کرے“ ابن عطار یہ سن کر
 روپٹے، اور فرمایا کہ ”ہم خود ہی حسین منصور ہیں“ بعض صاحب بصیرت علماء کہتے
 ہے کہ ”جب یہ جائز ہے کہ ایک درخت سے مدانی انا اللہ“ اسے موسیٰ ابلہا شبہ میں ہی
 لکھوں، کی آواز سنائی دے، اور درخت درمیان میں نہ ہو، تو یہ کیوں جائز و ممکن
 ہیں کہ حسین منصور کی زبان سے ”انا الحق“ نکلے، اور وہ خود درمیان میں نہ ہوں۔
 جس طرح مد الحق ینطق علی لسان عمرؓ کے پیش نظر حق تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کی
 زبان سے کلام کیا، اس طرح حسین منصور کی زبان سے کیا“

بہر کیف چونکہ علماء کی ایک جماعت آپ کے خلاف کفر کا فتویٰ دے چکی تھی، اور
 خلیفہ عہد اور وزیر کا بھی آپ پر عتاب تھا، لہذا آپ کی تعزیر جاری رہی۔ روایت ہے کہ جب
 آپ کو قید کیا گیا، تو لوگوں نے پہلی رات آکر دیکھا، تو تلاش جستجو کے باوجود آپ کو قیدخانہ
 میں کہیں نہ پایا۔ دوسری رات کو آکر دیکھا تو قیدخانہ ہی موجود نہ تھا۔ لیکن تیسری رات کو آئے
 تو آپ کو قیدخانہ میں موجود پایا۔ پوچھا ”اول شب آپ کہاں تھے۔ دوسری شب نہ آپ تھے

۱۔ اولیاء اللہ سے بعض حالات میں اس قسم کی جو مافوق العادہ کمالات ظاہر ہوتی ہیں، منور ہی نہیں کہہ
 عام انسانوں کی عقل و مشاہدہ پہنچا پوری اتریں، قرآن کریم میں انبیاء کے کتنے ہی معجزات مذکور ہیں۔ جب ان پر
 ایمان رکھنا مسلمان کے لئے واجب ہے، تو اولیاء اللہ کی ایسی کمالات میں شبہ کیوں کیا جائے؟
 عقل کو تنقید سے فرمت نہیں۔ عشق پہا مال کی بیباک مکتبہ

اور نہ قید خانہ۔ اور اب دونوں موجود ہو گئے۔ فرمایا: "ہاں، میں پہلی شب حاضر درگاہ الہی
 دوسری شب یہیں اس کا دربار لگ رہا تھا، لہذا قید خانہ ظاہر نہ ہوا۔ اب مجھے واپس کر
 گیا ہے، تم لوگ حفظِ شریعت کے لئے آؤ اور اپنا کام کرو۔ شبانہ روز میں ہزار کھتیں قید خانہ
 میں پڑھا کرتے تھے۔ لوگوں نے کہا آپ تو کہتے ہیں میں حق ہوں پھر یہ نماز کس لئے پڑھ
 میں؟ فرمایا: "جب سینے میں حق ہی حق بستلے، تو تم ہی اپنی صبح قدر و منزلت سمجھتے ہیں۔
 ایک شب قید خانہ میں تیس سو اشخاص قید تھے۔ فرمایا: "اے قیدیو! میں تم کو آزاد کرو
 انہوں نے کہا: "آپ کیسے آزاد کریں گے۔ اگر کہہ سکتے ہو تو پہلے اپنے آپ کو آزاد کرو۔"
 فرمایا: "میں خدا کی قید میں ہوں، اور اسرارِ شریعت کا پاس کرتے ہیں۔ اگر چاہیں تو ایک اشارہ
 تمام بیڑیاں توڑ ڈالیں۔" پھر آپ نے انگشت سے اشارہ کیا تو تمام بیڑیاں ٹوٹ گئیں
 انہوں نے کہا: "اب نکلیں کہاں سے؟" قید خانہ کا دروازہ تو بند ہے۔" پھر آپ نے دوسرا
 اشارہ کیا تو دیوار زندان میں کھڑکیاں ظاہر ہو گئیں۔ فرمایا: "اپنا کام کرو۔" انہوں نے کہا: "ہم
 نہیں آئیں گے کیا؟" فرمایا: "ہمارا ذاتِ حق تعالیٰ کے ساتھ ایک سرے ہو سرداری کہ
 سکتے ہیں۔" دوسرے روز پوچھا گیا کہ "قیدی کہاں ہیں؟" فرمایا: "میں نے انہیں رہا کر دیا
 انہوں نے کہا: "آپ یہاں کیوں رہ گئے؟" فرمایا: "میں خدا کی جانب سے چلے جانے کا
 حکم نہیں ہوا۔ کہ اس فعل کو خوفِ خلق پر محمول نہ کیا جائے۔" جب یہ واقعات و سانحات
 بادشاہ تک پہنچے تو اس نے کہا: "یہ ملک میں فتنے برپا کریں گے، لہذا انہیں ہلاک کر ڈالو۔"
 لیکن موت سے پہلے شدید درد سے لگاؤ تاکہ وہ اس قولِ رانا الحق سے باز آجائیں۔ پھر

اسی مفہوم میں نظیری کا ایک شعر ہے۔

آں سارکہ در سینه نشان است ز عطا
 بروا تو اں گفت، بہ منبر نہ تو اں گفت

رنے والا کہتا ہے کہ میں بوجہی درہ مارنا تھا، اس کے ساتھ ایک فصیح آواز سنتا تھا، یہاں
 مَنْصُورٌ لَا تَخَفُ، یعنی دلے ابن منصور خوف نہ کر، پھر آپ کو لے جا کر وار پر لٹکایا گیا،
 و نیز اہل لوگوں کا ہجوم ہو گیا۔ اور آپ آنکھ اٹھا کر جدھر بھی دیکھتے تھے، فرماتے تھے بحق،
 حق، انا الحق، ایک درویش نے جا کر پوچھا "عشق کیلئے ہے؟ فرمایا "عشق کا مفہوم واثر آج،
 حل اور پرسوں اپنی آنکھ سے دیکھ لو گے! اس روز آپ کو شہید کیا گیا، دوسرے روز
 جلایا گیا۔ اور تیسرے روز خاک ہو میں اڑائی گئی یعنی عشق کے تاثرات اور نتائج و عواقب
 یہ ہیں۔ غلام نے اس وقت وصیت چاہی تو فرمایا "نفس کو کسی دلچسپ مگر جائزہ و مباح
 چیز میں مشغول رکھ، اور نہ وہ باغی ہو کر تجھے کسی ایسی چیز میں مشغول کر دے گا جو حرام و تباہ کن
 ہوگی، لیکن تجھے وہ کرنا پڑے گی، کیونکہ نفس پر غلبہ اختیار رکھنا نہایت کامل اور قوی
 لوگوں کا کام ہے، "صاحبزادہ نے کہا "مجھے کچھ وصیت فرمائیے، فرمایا "جب دنیا والے
 اپنی اپنی جگہ نیک اعمال میں کوشش کریں، تو تم ایک ایسی چیز کی تحصیل میں کوشش
 کرنا جس کا ایک ذرہ جن رائس کے تمام اعمال صالحہ سے بہتر ہے، اور وہ علم حقیقت
 جب لوگ آپ کو سروارے جا رہے تھے تو آپ خوب اڑتے اور ہاتھ جھارتے چلے جاتے
 تھے، انہوں نے پوچھا "آپ اڑتے کیوں ہیں؟ فرمایا "میں نے کہ منزل جاناں کو
 چلا جا رہا ہوں! اور نعرہ لگا کر فرماتے تھے :-

كَيْفِي غَيْرِ مَسْرُوبٍ اِلَى شَيْءٍ مِنَ الْحَيْفِ

سَقَلِي مِثْلَ مَا يَثْرِبُ كَفِعْلِ الصَّيْفِ بِالْقَيْفِ

فَلَمَّا حَارَتْ الْكَاسُ دَعَا يَا النُّطْعَةَ وَالسَّيْفِ

كَذَا مِنْ يَضُوبُ الرَّاحِمِينَ التَّيْنِينَ بِالصَّيْفِ

یعنی میرا دست اور ہم نشین فضولیت اور جفا کی طرف منسوب نہیں ہے۔ اس
مجھے شراب و عشق اپلائی، جس طرح مہمان مہمان کو پلاتا ہے۔ جب چند دور ہو چکے، تو اس
شمشیر منگانی، (اور بولا) ”جو شخص گرمیوں میں پانی شراب اڑوے کے ساتھ پئے، اس
ہی سزا ہے۔“

جب باب الطاق میں آپ کو دار کے نیچے لے گئے، تو آپ نے دار پر پورے
اور پھر سیرھی پر قدم رکھا۔ لوگوں نے پوچھا ”یہ کیا حالت ہے؟“ آپ نے فرمایا:
عاشقان زندہ دل اور مردان حق کی انتہائی مسرت و سعادت سردار ہے۔ پھر آپ نے
کمر باندھی اور چادر ڈالی کہ ہاتھ اٹھائے، اور قبائلی مناجات کی طرف منہ کر کے فرمایا:
”پروردگار! جو چاہا ہاتھ پالیا۔“ جب دار پر چڑھ گئے تو جو لوگ آپ کے نزدیک
انہوں نے سوال کیا کہ آپ ہمارے حق میں کیا فرماتے ہیں کہ آپ کے عقیدہ مند اور مفرح
اور دان سکروں کے حق میں کیا فرماتے ہیں جو آپ کے پھر ماریں گے اور سولی چڑھائیں
فرمایا: ”ان کو دو ثواب ہیں اور تم کو ایک ثواب، کیونکہ تم کو میرے ساتھ حسن ظن ہی تو ہے
اور ناموس شریعت اور حفظ توحید کے لئے مجھ سے تشدد کرتے ہیں مگر شرع میں تو جو
اصل ہے، اور حسن ظن فرع ہے۔“ پھر شبلی ”آپ کے برابر کئے اور بلند آواز سے فرما
کیا آپ دونوں جہانوں سے بے نیاز نہیں ہو گئے؟“ فرمایا ”عشق حقیقی کا یہ سب سے بڑا
مفاوہ ہے! پھر حضرت شبلی نے پوچھا ”تصوف کی حقیقت کیا ہے؟“ فرمایا ”تصوف
کا اعلیٰ درجہ یہ ہے جو تم دیکھتے ہو! پوچھا ”اعلیٰ درجہ کیا ہے؟“ فرمایا ”تمہیں وہاں
تک راہ نہیں۔ پوچھ کر کیا کرو گے۔“ پھر ہر شخص نے آپ کے پھر مارے، اور شبلی نے
موافقت کے لئے ایک پھول مار دیا، تو آپ نے آہ کی۔ لوگوں نے پوچھا ”تمام حاضر

پتھر مارے تو آپ نے آہ نہ کی اور اس پھول پر آپ آہ کرتے ہیں؟ فرمایا وہ لوگ
 میرے عشق کی حقیقت کو نہیں جانتے، لہذا معذرتیں، لیکن مجھے ان کا پھول بھی
 ملا ہے، کیونکہ یہ جانتے ہیں کہ ایک فنا فی اللہ شخص کو مارنا نہ چاہئے۔ پھر وار کی
 بیٹھی پر آپ کے ہاتھ علیحدہ کر دیئے گئے تو ہنسے لوگوں نے پوچھا آپ کو سنی کس بات
 پر آئی؟ فرمایا: انسان کے ان مادی اعضاء کو جدا کرنا آسان ہے۔ ایسے مرد چاہئیں
 جو ہمارے دست و صفات کو جو سر عرش سے بلند ہے، قطع کر کے دکھائیں؟ پھر آپ کے
 پاؤں کاٹے گئے تو بھی مسکرتے ہوئے فرمایا: اگر میں نے زمین کا سفر ان پاؤں سے کیا
 ہے، تو میرے اور بھی باطنی قدم ہیں جن سے ہر دو عالم کا سفر کروں گا۔ ان کو کاٹ سکتے
 ہو تو کاٹو۔ پھر دونوں ہاتھ جو خون آلود تھے، منہ پر مل لئے۔ لوگوں نے پوچھا: ایسا
 کیوں کرتے ہیں؟ فرمایا: میرا خون کافی مقدار میں بچکا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ چہرہ
 زرد ہو گیا ہوگا جس سے تم لوگ یہ تپاں کرو گے کہ یہ زردی خوف کی وجہ سے ہے
 لہذا میں چہرہ پر خون ملتا ہوں تاکہ لوگوں کو سرخ رو دکھائی دے، اور وہ میرے مشعلی
 کمان باطل نہ کریں۔ لوگوں نے پوچھا: اگر منہ خون سے سرخ کرتے ہو لو کہنیوں تک
 بازو خون آلود کرنے کے کیا معنی؟ فرمایا: وضو کرتا ہوں۔ پوچھا: یہ کیسا وضو؟ جواب
 وَاذْكُرْكَتَّانِ فِي الْعَشِيِّ لَأَيْصِبَهُمْ وَضُوءُهُمَا رَآيَا لَدَامٍ يَعْنِي "نماز عشق میں دو
 رکعتیں ایسی ہیں جن کا وضو خون کے بغیر جائز نہیں ہو سکتا۔ اور اس دوران میں آپ کے
 خون کا جو قطرہ بھی زمین پر گرنا تھا، انا الحق کا لُقش بن جاتا تھا۔ پھر آپ کی آنکھیں
 نکالی گئیں تو حاضرین میں بڑا ہنگامہ برپا ہوا۔ بعض روتے تھے بعض پتھر پھینکتے تھے
 پھر چاہا کہ زبان کاٹ لیں، تو فرمایا انا صبر کرو کہ میں ایک بات کہہ لوں۔ اور آسمان

کی طرف منہ کر کے کہا: "اللہی! یہ لوگ تیرے دین کے حفظ و ناموس کی خاطر مجھے جاسوس
 تکلیف دیتے ہیں، انہیں محروم نہ رکھو، اور میرے سبب انہیں اپنی رحمت سے
 نہ کر۔ الحمد للہ کہ اگر میرے ہاتھ پاؤں کاٹے تو تیری راہ میں، اور وار پر پڑھاتے پر
 تیرے مشاہدہ و جلال میں میں زندگی کے آخری لمحات میں اپنی مراد کو پہنچ گیا، اچھا
 کے ناک اور کان کاٹے گئے اور لوگوں نے پتھر پڑھنا شروع کئے۔ ایک بڑھیا
 ہاتھ میں پیالہ لئے ہوئے مجھ سے کہنے لگی: "جب منصور کو دیکھا تو کہا: 'روز سے پتھر مانع اس ظالم کو خدا
 کیا کام'۔ آپ کا آخری کلام یہ تھا کہ: 'حُبُّ الْعَاجِدِ إِفْرَاحُ الْعَاجِدِ، حُبُّ الْوَاحِدِ
 الْعَاجِدِ' یعنی وہ اس سستی و احد کی محبت یوں نمایاں ہوئی کہ وہ زور و اعدا اللہ تعالیٰ
 انرا و مخلوق میں ظہور پذیر ہو گیا۔ پھر آپ نے یہ آیت شریفہ پڑھی:
 يَسْتَجِئُ بِهَا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِهَا وَالَّذِينَ آمَنُوا هُمْ شَفِيعُونَ لَهَا
 يَعْلَمُونَ أَنَّهَا الْحَقُّ لَهُ تَرْجُمَةٌ: جن لوگوں کو قیامت کا یقین نہیں، وہ اس کی آ
 کے لئے جلدی مچاتے رہتے ہیں، اور جو لوگ ایماندار ہیں، وہ قیامت سے ڈرتے رہتے
 اور جانتے ہیں کہ اس کا آنا بھروسہ ہے۔

نمار شام کے وقت بادشاہ کا فرمان آیا کہ ان کا سر تن سے جدا کر لیں۔ سر جدا کرنے پر
 ہنسے اور جان اپنے جان آفرین کے آستانہ جلال پر تار کر دی۔
 بنا کر وند خوش رسمے بہ خاک و خون غلیظ
 عدا رحمت کنزین عاشقان پاک طینت را

لہ اسی بنا پر بعد کے بہت سے صوفیائے عظام نے "ہمراہ دست" یا "مذہب الوجود" کا عقیدہ
 تسلیم اختیار کیا۔ (۲۵: ۱۰۰)

آپ کے ایک ایک بندے "انا الحق" کی آواز آتی تھی پھر نہیں پارہ پارہ کر دیا گیا کہ گردن اور پیٹھ کے سوا کچھ باقی نہ رہا، تو سر اور پیٹھ سے بھی "انا الحق" کی آواز آتی تھی۔ دوسرے روز مخالفین نے محسوس کیا کہ وہ بعد وفات اپنی حالتِ حیات سے بھی زیادہ فتنے برپا کریں گے، تو انہوں نے اعضا کو جلا دیا، مگر رکھ سے بھی یہی آواز آتی تھی۔ پھر رکھ کو دجلہ میں ڈال دیا، تو پانی میں سے بھی وہی آواز آتی تھی۔ آپ نے وہ مال سے پیشتر اپنے خادم سے کہہ دیا تھا کہ "ہماری خاک دجلہ میں طائیں گے، تو بغداد میں آفت آجائے گی۔ پانی میں بے پناہ جوش آئے گا، اور وہ بغداد کی طرف متوجہ ہو گا۔ ممکن ہے کہ اس طوفان میں بغداد بوجھ جائے، لہذا تم ہمارا خرقہ پانی کے پاس لے جانا۔ ورنہ بغداد بباہ ہو جائے گا۔ چنانچہ خادم نے جب پانی میں جوش دیکھا، تو شیخ کا خرقہ اس کے قریب لے گیا، جس سے پانی فوراً رک گیا، اور رکھ خاموش ہو گئی۔

اہل طریقت اور شناسانِ حقیقت میں کسی کو ایسی روحانی فتوح حاصل نہیں ہوئیں جو حضرت حسین منصور علاج رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل ہوئیں۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں: "حسین منصور کو دیکھو کہ ان کے ساتھ راہِ عشق میں کیا معاملہ ہوا۔ خدا جانے ان مدعیانِ حقیقت ناشناس کا حشر کیا ہو گا، جنہوں نے ان پر اتنے ظلم کئے، "عباسہ طوسی فرماتے ہیں کہ کل میدانِ قیامت میں حسین منصور کو زنجیروں میں جکڑ کر لائیں گے، کیونکہ اگر وہ لٹکے ہوں گے، تو تمام میدانِ قیامت کو دسم برسم کر دیں گے۔" عبدالسرخفیف فرماتے ہیں کہ حسین منصور کے عالمِ ربانی ہونے میں کوئی شبہ نہیں، "ان کے دوست اور محرمِ راز حضرت شبلی فرماتے ہیں: "میں اور علاج ایک ہی چیز ہیں، مگر مجھے لوگوں نے دیوانہ بنا دیا، تو میں نے ان کے فتنوں سے خلاصی پائی، لیکن انہیں عاقل و فرزانہ سمجھ کر ہلاک کر دیا۔"

۱۷۷
لے نکرۃ اور بار ذکر منصور علاج

منصور حلاج کے متعلق مولانا گرامی کا یہ مشہور شعر نہایت بلیغ و معنی خیز واقع ہوا ہے۔

”انا الحق“ گفتن منصور تاویلے نے خواہد

گداگمے کند خود را چو دولت سے کنڈ پیرا

یعنی منصور کا انا الحق کہنا کسی تاویل کا متقاضی نہیں۔ ایک گدا جب کہیں سے

بالا فرط دولت پالیتا ہے، تو اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھتا ہے۔

علامہ اقبال فرماتے ہیں :-

بجام نہ کہن سے از سبودینہ فرورغ خویش را بر کاخ و کورینہ

اگر خواہی ثمر از شاخ منصور بہ دل لا غالب الا اللہ فرورینہ

یعنی: اے مسلمان! عہد حاضر کے نئے جام میں وہی پرانی شراب عشق ڈال، اور اپنی

و باطنی تجلیات کو دہر کے کاخ و کور پر پراگندہ کر دے۔ اگر تو شاخ منصور سے شیریں پھل چاہے

بے تو اپنے دل میں یہ ابدی حقیقت منقوش کرے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا مخلوقات پر کوئی

حاکم و مختار یا غالب و قاهر نہیں۔



۱۶ یعنی اس کی دعائیت اور سوزِ عشق سے مستفید ہونا چاہتا ہے، تو۔

عَلَيْهِ
رَضِيَ
اللَّهُ

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ

چونکہ حضرت امام ابو حنیفہ کے علم و فضل، زہد و ارتقا اور تجدد و تہجد کا شہرہ دور
بلات تک پھیلتا چلا جا رہا تھا اور مسلمان جو ق و درجہ آپ کے حلقہ ارادت میں شامل ہو
سے تھے، لہذا سلطان منصور کو سیاسی طور پر ان کے اقتدار کا خدشہ لاحق ہوا، اور
اس نے حیلہ سازیوں سے انہیں مجبوس کر دینا چاہا۔ چنانچہ منصور نے حضرت امام ابو حنیفہ
کو ۱۷۶ھ میں قید کیا، لیکن اس حالت میں بھی اس کو ان کی طرف سے اطمینان نہ تھا۔
بعثت دار الخلافہ ہونے کی وجہ سے علوم و فنون کا مرکز بن گیا تھا۔ طالبان کمال ممالک
اسلامی کے ہر گوشہ سے اکٹھ کر بغداد ہی کا رخ کرتے تھے۔ امام صاحب کی شہرت و
مدہ پہنچ چکی تھی، اور قید کی حالت نے ان کے اثر اور مقبول عام کو بجائے کم کرنے کے
اور زیادہ کر دیا تھا۔ ابتدا کی علمی جماعت جس کا شہر میں بہت کچھ اثر تھا، ان کے ساتھ
نہایت خلوص رکھتی تھی۔ ان باتوں کا یہ اثر تھا کہ منصور نے گو ان کو نظر بند کر رکھا تھا

لیکن کوئی امران کے ادب اور تعظیم کے خلاف نہ کر سکتا تھا۔ قید خانہ میں ان کا سلسلہ تعلیم بھی برابر قائم رہا۔ امام محمد نے کہ فقہ حنفی کے دست و بازو میں، قید خانہ ہی ان سے تعلیم پائی۔ ان وجوہ سے منظور کو امام صاحب کی طرف سے جو اندیشہ تھا وہ قید خانہ کی حالت میں بھی باقی رہا، جس کی آخری تدبیر یہ تھی کہ بے خبری میں ان کو زبردلہا دیا جیسا کہ آپ کو زہر کا اثر محسوس ہوا تو سجدہ کیا اور اسی حالت میں وفات آپ کی وفات رجب سنہ ۱۰۰۰ھ میں ہوئی۔

ان کے مرنے کی خبر نہایت جلد تمام شہر میں پھیل گئی اور سارا بغداد آمد آیا۔ حسن بن عمارہ نے کہ قاضی شہر تھے، غسل دیا۔ نہلتے تھے، اور کہتے جاتے تھے: واللہ تم سب سے بڑے فقہ، بڑے عابد، بڑے زاہد تھے۔ تم میں تمام خوبیاں جمع تھیں تم نے اپنے جانشینوں کو مایوس کر دیا کہ وہ تمہارے مرتبہ کو پہنچ سکیں، غسل سے فارغ ہوتے ہوتے لوگوں کی یہ کثرت ہوئی کہ پہلی بار نماز جنازہ میں کم و بیش پچاس ہزار کا جمع تھا اس پر آنے والوں کا سلسلہ قائم تھا، یہاں تک کہ پھر بار نماز پڑھی گئی اور عصر کا قریب جا کر لاش دفن ہو سکی۔

امام صاحب نے وصیت کی تھی کہ خیران کے مقبرے میں دفن کئے جائیں، کیونکہ یہ جگہ ان کے خیال میں غضب شدہ نہیں تھی۔ اس وصیت کے موافق خیران کے مشرف جانب ان کا مقبرہ تیار ہوا۔ موسیٰ خطیب نے لکھا ہے کہ "دفن ہونے کے بعد بھی بیس دن تک لوگ ان کے جنازہ کی نماز پڑھنے کے لیے" قبول اسلام کی اس سے زیادہ کیا دلیل ہوگی۔

اس وقت ان ممالک میں بڑے بڑے ائمہ مذہب موجود تھے، جن میں بعض

و امام صاحب کے استاد تھے۔ سب نے ان کے مرنے کا رنج کیا، اور نہایت
 سف آئیز کلمات کہے۔ ابن جریج مکہ میں تھے۔ سن کر کہا: انا لشد بہت بڑا عالم جاتا
 ہا۔ شعبہ بن الحجاج نے کہ امام ابو حنیفہ کے شیخ اور بصرہ کے امام تھے، نہایت افسوس
 یا اور کہا: کوفہ میں اندھیرا ہو گیا۔ اس واقعہ کے چند روز بعد عبداللہ ابن المبارک
 بغداد جانے کا اتفاق ہوا۔ امام صاحب کی قبر پر گئے اور رو کر کہا: ابو حنیفہ خدا تم پر
 تم کرے۔ ابراہیم مرے تو اپنا جاننا نہیں چھوڑے، لیکن افسوس تم نے تمام دنیا میں کبھی
 اپنا جاننا نہیں چھوڑا۔

امام صاحب کا مزار ایک مدت تک بوسہ گاوِ خلافت رہا اور آج بھی ہے۔ سلطان
 پ ارسلان سلجوقی نے اک بڑی عظمت و شان کا فرمان دیا اور نہایت عادل و فیاض
 تھا، ۵۹۹ھ میں ان کی قبر پر ایک قبة اور اس کے قریب ایک مدرسہ تعمیر کرایا۔ غالباً
 قراو میں یہ پہلا مدرسہ تھا، کیونکہ "نظامیہ" جو تمام اسلامی مدرسوں کا آدم خیال کیا جاتا
 ہے، وہ اسی سن میں، لیکن اس کے بعد تعمیر ہوا۔ امام صاحب سے متعلق مدرسہ رفعت
 و خوبی عمارت کے لحاظ سے بھی لاجواب تھا۔ ابو سعید شرف الملک، اک الپ ارسلان
 مستوفی تھا، اس کے اہتمام سے عمارت تیار ہوئی۔ افتتاح کی رسم میں بغداد کے تمام
 علماء اور عمائد شریک تھے۔ اتفاق سے اسی وقت ابو جعفر مسعود جو ایک مشہور شاعر تھا،
 لکلا اور برجستہ یہ اشعار پڑھے۔

المتران العلم کان مہددا فجمعہ هذا المعبی فی اللہ

لو عقود الاطمان میں یہ تمام تفصیلی مذکور ہے۔

كذلك كانت هذه الاضحية فاشترها ففعل الحميد ابي سعد
 یعنی: کیا تم دیکھتے نہیں کہ علم کس طرح ابرو ہورہا تھا پھر اس شخص نے اس کو
 دیا، جو اس لحد میں مدفون ہے۔ اسی طرح یہ زمین مروہ بڑی تھی۔ ابو سعید کی کوشت
 نے اس کو دوبارہ زندہ کیا۔

یہ مدرسہ جو مشہد ابو حنیفہ کے نام سے مشہور ہے، مدت تک قائم رہا، اور
 بڑے نامور علماء اس کے پروفیسر مقرر ہوئے، جن کے نام اولاً جمالی حالات
 المضیہ فی طبقات الحنفیہ میں اکثر لکھے جاتے ہیں۔ ۹۳ھ میں حکیم ابو جزیل نے
 خلیفہ مقتدر باللہ کے دربار کا ایک مشہور حکیم تھا، اپنی تمام کتابیں اس مدرسہ کے
 وقف کر دیں۔ اس مدرسہ کے متعلق ایک مسافر خوارہ بھی تھا، شائقین علم جو اطراف
 سے آکر بغداد میں عارضی قیام کرتے تھے، ان کو وہاں سے کھانا ملتا تھا۔ ایشیا کا
 سیاح ابن بطوطہ جس وقت بغداد میں پہنچا ہے وہاں سی حکومت کا اخیر زمانہ تھا
 اپنے سفر نامہ میں لکھتے ہیں کہ: "اس وقت تمام بغداد میں مشہد ابی حنیفہ کے سوا کوئی
 موجود نہیں ہے، جہاں سے مسافروں کو کھانا ملتا ہو"۔ آج بھی ان کا مقبرہ بغداد کے
 اور متبرک مقامات میں سے ہے۔ حال کے شاہ ایران سلطان ناصر الدین قاجار خلد ان
 نے اپنے حالات سفر میں اس کا ذکر کیا ہے، اور لکھا ہے کہ میں نے امام ابو حنیفہ کے
 پر فاتحہ پڑھی اور نذر چڑھائی، علم کی شان دیکھو جس کی بدولت کوفہ کے ایک
 یہ رتبہ حاصل کیا کہ بارہ سو برس کے بعد آج بھی اس کے مزار پر بڑے بڑے بادشاہ
 کے سر جھکتے ہیں۔



ابن خلدان ترجمہ جیسی بن علی بن خزیمہ الطیب علی "سیرة النعمان" از شبلی نعمانی ص ۸۲ تا ۸۱

عَلَيْهِ السَّلَامُ
كَرَّمَ اللَّهُ وَجْهَهُ

محبوبِ نبوی قطبِ ربانی تشریح عبدالقادر جیلانی

مرض وصال میں حضرت کے صاحبزادہ شیخ عبدالوہاب نے آپ کی خدمت میں عرض کیا: مجھے ایسی وصیت فرمائیے جس پر میں آپ کے بعد عمل پیرا رہوں۔ آپ نے فرمایا: ”تجھ پر واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور اس کے سوا کسی سے خوف نہ کھانا۔ نیز اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے امید نہ رکھنا اور اپنے تمام کاموں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سونپ دے۔ اللہ جل شانہ کے سوا مخلوقات میں سے کسی پر بھروسہ نہ کر، اور اپنی تمام حاجتیں اسی سے طلب کرنا یقین و وثوق اسی کی ذات سے حاصل کر۔ توجید کو لازمی طور پر اختیار کر کیونکہ توجید پر سب کا اجماع ہے۔“ بعد ازاں فرمایا: ”جب مومن کا دل اللہ تعالیٰ کے ساتھ صحیح ہو جاتا ہے، تو اس سے کوئی شے جدا نہیں رہتی، اور نہ کوئی چیز اس کی تحویل سے باہر جاتی ہے۔“ پھر قدرے وقفہ سے فرمایا: ”میں مغز بلا پوست ہوں۔“ اور اپنی اولاد

لے یعنی قلب میں تمام اشیاء کے کائنات کے لہر پڑی ہے۔ لہٰذا میں سرتاپا حق عالم حقیقت ہوں اور میری زندگی کائنات کو کون نسل نہیں۔

سے فرمایا: میرے پاس سے ہٹ جاؤ، اس لئے کہ میں ظاہر میں تمہارے ساتھ ہوں مگر باطن میں کسی اور ہستی کے ساتھ ہوں۔ تمہارے سوا اور لوگ ہیں، جو اس وقت میرے پاس آئے ہیں۔ ان کو جگہ دو، اور ان کا ادب کرو۔ آج اس جگہ بڑی رحمت ہے، لہذا ان آنے والوں پر جگہ تنگ نہ کرو، اور آپ اس دوران میں اکثر و علیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ الخ فرماتے تھے یعنی: "تم پر اللہ کی سلامتی ہو، اور رحمت و برکات ہوں، اور اللہ تعالیٰ ہماری اور تمہاری مغفرت فرمائے، اور ہماری اور تمہاری طرف لطف و کرم سے رجوع فرمائے"۔ اسی طرح آپ ایک رات اور ایک دن متواتر فرماتے رہے ہیں: "آپ نے فرمایا، میں کائنات کی کسی چیز سے، کسی فرشتے سے، حتیٰ کہ ملک الموت سے بھی گھبرایا نہیں ڈرتا۔ اسے ملک الموت! میرے سوا تو میرا حقیقی والی اور پروردگار ہے، میں صرف اسی سے خائف ہوں"۔ اور فرماتے ہوئے آپ نے بلند آواز سے اللہ اکبر کا نعرہ فرمایا۔ اور یہ واقعہ اس دن کا ہے، جس دن کی شام کو آپ نے دنیا سے پروہ فرمایا ہے آپ کے عمامہ اور حضرت عبدالرزاق اور حضرت موسیٰ سے مروی ہے کہ آپ نے ملک الموت میں اپنے دونوں ہاتھوں کو منہ فتح کے طور پر دراز کرتے ہوئے فرماتے تھے: "وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ"۔ توبہ کرو اور صف میں داخل ہو جاؤ۔ میں ابھی تمہاری طرف آتا ہوں پھر آپ نے حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: "میرے اور تمہارے اور مخلوقات کے درمیان میں زمین و آسمان کی سی دوری ہے۔ لہذا تم مجھے کسی پر، اور کسی کو مجھ پر قیاس مت کرو"۔ جب آپ کے صاحبزادہ حضرت عبدالرزاق نے آپ سے مرض کی حالت

لہ ان سے مراد اللہ تعالیٰ کے فرستادہ فرشتے ہیں۔

اور درود کرب کی کیفیت پوچھی، تو آپ نے فرمایا: ”مجھ سے کوئی شخص کچھ نہ پوچھے، کیونکہ میں اللہ تعالیٰ کے علم میں ایک حال سے دوسرے حال کی طرف پلٹا یا جا رہا ہوں،“
 مادی کہتا ہے کہ آپ کے صاحبزادہ حضرت عبدالعزیز نے آپ سے مرض کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا: ”کوئی انسان، جن، اور فرشتہ میرے مرض کو نہیں جانتا اور نہیں سمجھ سکتا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اللہ کا علم محدود و منقطع نہیں ہوتا۔ حکم تو بدل جاتا ہے، لیکن علم نہیں بدلتا۔ حکم منسوخ ہو جاتا ہے، مگر علم منسوخ نہیں ہوتا!“
 اللہ تعالیٰ جس چیز کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے برقرار رکھتا ہے، اور اسی کے پاس اصل کتاب روح محفوظ کا علم ہے۔“

یاد رکھو کہ کلام اللہ میں صفات الہی کی خبریں جس طرح آئی ہیں، اسی طرح دائماً برقرار ہیں، اور کائنات میں ان کا عمل جاری ہے۔ ”پھر آپ کے صاحبزادہ حضرت عبدالجبار نے آپ سے پوچھا: ”آپ کے جسم پاک میں کونسا عضو آپ کو تکلیف دیتا ہے؟“ آپ نے فرمایا: ”میرے تمام اعضاء تکلیف دیتے ہیں، مگر میرا قلب کہ اس میں کوئی دکھ نہیں ہے، اور اللہ تعالیٰ کے عشق و تعلق میں بالکل درست ہے۔“ اور آپ بار بار فرماتے تھے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ۔ میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے ساتھ دوچاہتا ہوں، اور اُس ذاتِ حق سے استغاثہ کرتا ہوں جو فنا اور فوت سے بالکل بے خوف ہے۔ ہر شرک و شر سے پاک ہے وہ

۱۔ یعنی مقنیات زمانہ، اور ضرورت و کیفیت اقوام کے تحت اللہ تعالیٰ کے احکام تو بدل سکتے ہیں، لیکن ان کا علم غیر متغیر، دائمی، ابدی اور قائم بالذات ہے۔ ۲۔ اس کی مثال قرآن حکیم ہی کی ”مکملات“ اور تشابہات یعنی ناسخ و منسوخ آیات ہیں۔ ۳۔ یہ ایک آیت شریفہ کا مفہوم ہے۔

ذاتِ جبرائیلی قدرتِ کاملہ کے سوا تمام مخلوقات پر غالب ہے، اور جس نے بندوں کو
 موت سے عاجز و مغلوب کیا۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ آپ کے
 صاحبزادہ حضرت موسیٰ سے مروی ہے کہ آپ نے تعزیر اور ضعف و نقاہت کے
 باعث آپ کی زبان مبارک اس لفظ کو صحت کے ساتھ ادا نہیں فرمائی تھی۔ آپ
 نے بار بار "تعزیر" فرمایا اور اس لفظ کے ساتھ اپنی آواز کو کھینچا اور بلند کیا، حتیٰ کہ
 آپ کی زبان مبارک اس کے تلفظ پر صحیح ہو گئی۔ پھر آپ نے تین بار اللہ اللہ اللہ
 فرمایا اور آواز پست ہوتی چلی گئی اور زبان مبارک اوپر کے تالو سے مل گئی۔ یہ نزع کی
 کیفیت تھی، جس کے بعد آپ کی روح مقدس اس قبضِ عنصری سے پرواز کر کے
 اس محبوبِ حقیقی سے جا ملی، جس کے وصل کے لئے وہ اس قدر مضطرب تھی۔ رضوان
 اللہ علیہ و برکاتہ و انعامہ ابداً۔



عَلَيْهِ
سَلَامٌ
وَعَلَىٰ آلِهِ
وَعَلَىٰ رَحْمَتِهِ
وَعَلَىٰ بَرَكَاتِهِ

حضرت سید علی ہجویری

روایت ہے کہ آپ مرض الموت میں یا حییٰ یا قیوم بروحتیاء استغیث
لائے ہمیشہ اور قائم رہنے والے پروردگار! میں تیری رحمت کا واسطہ دے کر تجھ سے
استعانت کرتا ہوں! کا ذکر بکثرت فرمایا کرتے تھے۔ حضرت کے پاس جو مرید اور عقیدتمند
عبادت کے لئے تشریف لائے آپ انہیں عموماً یہ وصیت فرمایا کرتے کہ وَتَزَوَّدُوا
فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ یعنی "اپنی عاقبت کے لئے توشہ اٹھا کرو، اور بہترین
توشہ نیکو کاری اور پرہیزگاری ہے" ذکر و تسبیح کے علاوہ حیات دنیوی کے آخری
ایام میں حضرت یہ آیت شریفہ بھی پڑھتے ہوئے سن گئے۔

يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمَطْمَئِنَّةُ الرَّحِيمِي الرَّكَابِي رَأَيْتِي مَرَّ فَيْتِي
فَأَخْلَىٰ فِي عِيَادِي فَلَا دَخْلَ حَيْثِي يَسِيءُ" اے زکرتی سے اہلبیان پانے والی
روح! اپنے پروردگار کی جانب لوٹ جا، اور اس حالیکہ وہ تجھ سے راضی ہے، اور تو اس
(حاشیہ ص ۱۸۷ پر)

سے۔ اب میرے مخلص بندوں میں داخل ہو، اور پھر میری جنت میں داخل ہو۔

بیان کیا جاتا ہے کہ اپنے آخری لمحات میں بھی حضرت کے چہرے پر خوف و ہراس

یا اضطراب و بے چینی کے آثار نمایاں نہیں ہوئے، بلکہ لبِ مبارک یا حَىٰ يَا قِيَوْمُ

بِرَحْمَتِكَ أَسْتَغِيثُ میں جنباں تھے کہ متبسم ہو کر جان، جان آفریں کے سپرد کی۔

بلاشبہ ایسی ہی احوال مقدسہ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

الْآنَ أَكْبِيَاءُ لِلَّهِ لِأَخْوَفُ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ یعنی اللہ تعالیٰ کے سچے

دوست نہ تو مخلوقات سے خوفزدہ ہوتے ہیں، اور نہ ان پر بھی رنج و غم طاری ہوتا ہے۔

حضرت علیؓ جو پوری رحمتِ اللہ علیہؓ آخری زندگی تک لاہور ہی میں قیام پذیر رہے، اور

یہیں ابدی نیند سو رہے ہیں۔ آپ کا سالِ وفات ۳۶ھ سے انتقال کے بعد مزار مبارک

زیارت گاہِ خلافت بن گیا۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی نے آپ کے مزار چلے کیا، اور

جب مدت ختم کر کے رخصت ہونے لگے تو سونے قبر رخ کر کے یہ شعر فرمایا:-

گنج بخش فیض عالم مظهر نور خدا ناقصاں را پیر کامل، کاملان را راہنما

تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ گنج بخش کے نام سے شہرت کا سبب یہی ہے۔ عوام

فان گنج بخش کہتے ہیں۔ حضرت فرید الدین گنج شکر نے بھی ان کے مزار پر چلے کشی کی تھی، جو

حضرت کے روحانی و باطنی کمالات کا بین ثبوت ہے۔ ان کا مزار پُر الوار سہ زمانہ میں

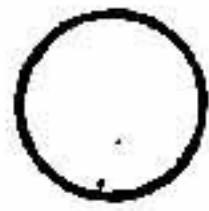
حاشیہ صفحہ ۱۸۷: اسے تفاسیر میں مذکور ہے کہ جب برگزیدہ اولیاء اللہ صدیقین،

شہداء اور صلحاء امت دنات پاتے ہیں، تو فرشتے آخری لمحات میں یہ آیت شریفہ نہیں اللہ تعالیٰ

کی جانب سے بطور پیام سناتے ہیں۔

مرحہ خلافت رہا ہے۔ داراشکوہ اپنے عہد کے حالات و مشاہدات میں لکھتا ہے :-
 خلقے ابنوہ ہر شب جمعہ زیارت آل روضہ منورہ مشرف سے گردنہ اور مشہور است
 کہ ہر کہ چہل شب جمعہ یا چہل روز سیم طواف روضہ شریفہ ایشاں بکند امر حاجتے کہ فاشتہ باشد
 حصول میں انجام فقیر نیز زیارت روضہ منورہ ایشاں، والدین و خال ایشاں مشرف
 گشتہ حضرت علی ہجویریؒ کا تصنیف بسیار است اما کشف المحجوب مشہور و معروف
 است و بیچ کس را بر آں سخن نیست کہ مرشدی است کامل۔ در کتب تصوف بخوبی
 آں در زبان فارسی کتابے تصنیف نہ شدہ۔“

ترجمہ: ”لوگ گروہ دگر وہ ہر شب جمعہ کو اس روضہ منورہ کی زیارت سے مشرف ہوتے ہیں۔ اور
 یہ مشہور ہے کہ جو شخص چالیس شب ہائے جمعہ یا پالیس روز مسلسل آپ کے روضہ شریفہ کا طواف کرے
 اس کی ہر حاجت پوری ہو جائے گی۔ ہندو شیخ صفور کے روضہ منورہ، والدین اور لواحقین کی زیارت
 سے مشرف ہوا ہے حضرت علی ہجویریؒ کی تصانیف بہت ہیں، لیکن مشہور و معروف کتاب ”کشف المحجوب“
 ہے۔ اور کسی شخص کو اس میں کلام نہیں کہ ”کشف المحجوب بذات خود ایک مرشد کامل ہے اور زبان
 فارسی میں تصوف کے موضوع پر ایسی عمدہ کتاب کبھی تصنیف نہیں ہوئی۔“



عَلَيْهِ
الْحَمْدُ

حضرت مولانا جلال الدین رومی

آدمی ویداست، باقی پوست است

دبداں باشد کہ وید دوست است

شیخ صلاح الدین کی وفات کے بعد مولانا روم نے حسام الدین چلیپی کو جو معتقدان خاص میں سے تھے، مہدم و ہمز بنایا، اور جب تک کہ زندہ رہے ماہی سے دل کو تسکین دیتے رہے۔ مولانا ان کے ساتھ اس طرح پیش آتے تھے کہ لوگوں کو گمان ہوتا تھا۔ شاید ان کے مرید ہیں۔ وہ بھی مولانا کا اس قدر ادب کرتے تھے کہ پورے دس برس کی مدت میں ایک دن بھی مولانا کے وضو خانہ میں وضو نہیں کیا۔ شدت کے جلسے پڑتے ہوتے، اور برف گرتی ہوتی، لیکن گھر جا کر وضو کرتے۔ حسام الدین چلیپی ہی کی درخواست پر مولانا نے اپنی حرکت الارا و مشنوی لکھنی شروع کی۔

۱۷۷۲ء میں قونیا میں بڑے زور کا زلزلہ آیا، اور مسلسل چار دن تک قائم رہا۔ تمام

وگ سر اسیمہ و حیران پھرتے تھے۔ اسخڑ مولانا کے پاس آئے کہ یہ کیا بلا کے آسمانی ہے مولانا نے فرمایا کہ ”زمین بھوکی ہے اور لقمہ تو چاہتی ہے، اور انشاء اللہ کامیاب ہوگی“ اسی زمانہ میں مولانا نے یہ غزل لکھی جس میں زلزلہ کی تباہ کاری کی جانب اشارہ بھی ہے حیات انسانی کی ناپائنداری کا تذکرہ بھی ہے، اور بعض نکاتِ معرفت بھی ہیں :-

با ایں ہمہ مہر و مہر بانی
تیری اس تمام محبت اور مہر بانی کے باوجود
وین جملہ شیشہ خانہ ہارا
اور تو ہم عشاق کے دلوں کے تمام شیشہ خانہ
ور زلزلہ است وار دنیا
ہماری دنیا کا گھر مسلسل زلزلہ کی زد میں ہے
نالال ز تو صد ہزار رنجور
اب تو ہزاروں ہا تیرے سحر میں آہ و بکا کر رہے ہیں
دل می و بدت کہ خشم رانی
ہم تجھے اپنا دل اس لئے دیتے ہیں کہ تو ہر خنجر کا اہلدار
در رسم شکستی رہ ”کن تو آئی“
یہ کہہ کر زور دیتا ہے کہ مہم میرا جلوہ نہیں دیکھ سکتے
کہ خانہ تو رخت می کشانی
کیونکہ تو نے اس گھر سے اپنا ساز و سلان لٹھالیا
بے تونہ زیندہ ہی تو دانی
تو خوب جانتے ہے کہ تیرے بغیر تو یہ زندہ نہیں رہ سکتے۔
ان دنوں مولانا کا معمول تھا کہ سرخ عبا پہنا کرتے تھے۔ اسی زمانہ میں ایک اور غزل لکھی جس میں تلمیح و کنایہ سے اپنی رحلت کا ذکر بھی کیا ہے اسے روحانی کشف و سرور ہی کا ثمرہ کہنا چاہئے۔

رو سربندہ ببالیں تنہا مرار ہاکن
تو جاگ آہ و صاحت کر اور مجھے اکیسلا چھوڑ دے
ماہیم و موج سودا شب تا روز تنہا
میں شام سے صبح تک تنہا جنوں عشق اللہ غم ہریر جلا ہوں
ترک من خرابے شب گرد مبتلاکن
پھر خوابش کہہ کر شب سحر کی بدیت میں مانا ہنسنے
خواہی بیا و نجشا، خواہی بسا صفاکن
اے محبوب اچھے لو! کہ ہم دکھ کم کرنا اور مجھے کشت

برشاہ خوب رویاں واجب فانی باشد
 جو سینوں کا بادشاہ ہے اس کے لئے دنیا لازمی نہیں
 دروہیت غیر مردن آں را و ارنہ باشد
 در موت کے علاوہ ایک اور دروہ عشق بھی ہے
 در خواب و نل پیرے رکوتے عشق و ہدم
 میں نے کل رات کوئی عشق میں ایک پیر مرد دیکھا
 گراڑو ہاست در رہ عشق ہاست چیل نہ تر
 اگر تیری راہ میں اڑو ہا بیٹھا ہے، تو دکھ کیا، عشق تو ایک نہ رہے

اے زور و روتے عاشق تو صبر کن و ناک
 اسند و دروہ عاشق! صبر اور وقار تو ہی کرتا ہے
 پس من چکوڑہ گویم، آں دروہ را و ارنہ
 میں تجھے کس طرح کہوں کہ تو اس درد کی دوا کو
 با سر اشار تم کرو کہ عزم سوئے ما کن
 جو اپنے سر سے مجھ اشارہ کر رہا تھا کتاب ہماری طرف
 از برق آں ز مروہن دفع اڑو ہا کن
 اس ز مروہ کی بجلی سے ابھی اس اڑو ہا کو دفع کر

چند روز کے بعد مولانا کا مزاج ناساز ہوا۔ اکمل الدین اور غضنفر کہ اپنے زلمنے کے
 جا لینوس تھے، علاج میں مشغول ہوئے۔ لیکن نبض کا یہ حال تھا کہ ابھی کچھ ہے، ابھی کچھ
 اسخو تشخیص سے عاجز آئے، اور مولانا سے عرض کی کہ آپ خود مزاج کی کیفیت سے مطلع
 فرمائیں۔ مولانا سے عرض کی کہ آپ خود مزاج کی کیفیت سے مطلع فرمائیں۔ مولانا مطلق
 متوجہ نہیں ہوتے تھے، لہذا لوگوں نے سمجھا کہ اب کوئی دم کے مہمان ہیں۔
 بیماری کی خبر عام ہوئی تو تمام شہر عیادت کے لئے ٹوٹ پڑا۔ شیخ صدر الدین،
 جو محی الدین اکبر کے تربیت یافتہ، اور روم و شام میں مرجع عام تھے، تمام مریدوں کو
 ساتھ لے کر آئے، مولانا کی حالت دیکھ کر بے قرار ہوئے، اور یہ دعا کی کہ خدا آپ کو
 جلد شفا دے۔ مولانا نے فرمایا: شفا آپ کو مبارک ہو۔ عاشق اور معشوق میں ایک پیر
 کا پر وہ رہ گیا ہے۔ کیا آپ نہیں چاہتے کہ وہ بھی اٹھ جائے، اور نور نور میں مل جائے؟ شیخ
 روتے ہوئے اٹھے مولانا نے یہ شعر پڑھا:

چہ وانی تو کہ دریا طن چہ شاہے سمنشیں دارم
 بیخ زریں من بنگر یا کہ پائے آہنیں دارم
 یعنی: تو کیا جانے کہ باطنی طور پر میں کس بادشاہ کا ہمنشیں ہوں۔ تو میرے رخسار زریں
 کی طرف دیکھو، کیونکہ پاؤں تو اب راہِ زلیست میں چلنے سے قاصر ہیں۔“
 حضرت مولانا کے اس قول سے جہاں یہ واضح ہوتا ہے کہ مومن کے نور ایمان
 کا اُس نور السموات والارض یعنی اللہ تعالیٰ سے واصل و ملاقی ہونا ہی منتہائے
 زندگی ہے وہاں محبوب حقیقی کے لئے ان کا غیر متناسی جذبہ عشق و محبت بھی ظاہر
 ہوتا ہے کہ اُس میں مدغم ہونے کے لئے کس قدر مضطرب ہیں۔ سچ ہے۔

عشرتِ قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا

درد کا حد سے گذرنا ہے دوا ہو جانا (غالب)

مولانا کے پاس شہر کے تمام امرار، علماء، مشائخ اور ہر طبقہ و درجہ کے لوگ آتے
 تھے، اور بے اختیار سخنیں مار مار کر روتے تھے۔ ایک شخص نے پوچھا کہ آپ کا جانشین
 کون ہوگا؟ اگرچہ مولانا کے بڑے صاحبزادے سلطان بہاؤ الدین ولد سلوک اور
 تصوف میں بڑے پایہ کے شخص تھے، لیکن مولانا نے حسام الدین حلپی کا نام لیا۔ لوگوں
 نے دوبارہ سے بارہ پوچھا، پھر بھی یہی جواب ملا۔ چوتھی مرتبہ سلطان ولد کا نام لے کر
 دریافت کیا گیا کہ ان کے حق میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ مولانا نے فرمایا کہ وہ پہلوان
 ہے۔ اس کو وصیت کی حاجت نہیں۔

مولانا پر سچا پس و نیازِ قرصہ تھا۔ مریدوں سے فرمایا کہ جو کچھ موجود ہے ادا کر کے
 باقی قرصہ خواہ سے بخل کرالو۔ لیکن قرصہ خواہ نے کچھ بھی لینا گوارا نہ کیا۔ مولانا نے فرمایا کہ

اکھنڈ اس سحنت مرحلے سے رہائی ہوئی۔ حسام الدین چلی نے پوچھا: آپ کے جنازہ
 کی نماز کون پڑھائے گا؟ فرمایا مولانا صدر الدین۔ یہ وصیتیں کر کے جاوے۔
 کی پانچویں تاریخ یکشنبہ کے دن غروب آفتاب کے وقت انتقال فرمایا۔ رات کو
 تجھیر تکفین کا سامان جہا کیا گیا، اور صبح کو جنازہ اٹھایا۔ پھر اجوان، امیر، غریب
 و جاہل، ہر طبقہ اور ہر فرقہ کے آدمی جنازے کے ساتھ تھے، اور پھین مار مار کر رو
 جلتے تھے۔ ہزاروں آدمیوں نے کپڑے پھاڑ ڈالے۔ عیسائی اور یہودی تک جنازہ
 کے آگے آگے انجیل اور تورات پڑھتے اور نوحہ کرتے جلتے تھے۔ بادشاہ وقت
 کے ساتھ تھا۔ اس کے انہیں بلا کر پوچھا کہ: "تم کو مولانا سے کیا تعلق تھا؟" وہ بولے کہ: "یہ
 شخص اگر تمہارا محمد تھا، تو ہمارا عیسیٰ اور موسیٰ تھا،" صندوق جس میں تابوت رکھا تھا
 راہ میں چند دفعہ بدلا گیا، اور اس کے نختے توڑ کر تبرک کے طور پر تقسیم کر کے۔ شاہ
 ہوتے ہوئے جنازہ قبرستان میں پہنچا۔ شیخ صدر الدین نماز جنازہ پڑھانے کے لئے کھڑے
 ہوئے لیکن پیچ مار کر بیٹھ بیٹھ ہو گئے۔ آخر قاضی سراج الدین نے نماز پڑھانی۔ چالیس
 دن تک لوگ مزار مبارک کی زیارت کو آتے رہے۔ چنانچہ ان واقعات کو مولانا
 کے صاحبزادے سلطان ولد نے اپنی مثنوی میں مختصر طور پر لکھا ہے:

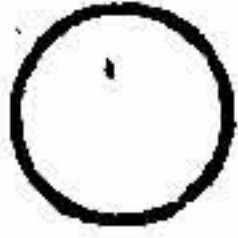
پنجم ماہ در جمادِ اسفر
 جادوی الشافی کی پانچویں تاریخ کو
 سال ہفتاد و دو بدہ بہ عدد
 اس حضرت کے عہد سے کہ ۶۷۲ ہجری
 بود نقلانِ آن شہِ فاخر
 اس عشق کے شاہِ فاخر کا انتقال ہوا
 شش صد از عہد حضرت احمد
 میں آپ نے اس ویرانی سے کوچ کیا

گشت نالان ناک و آں ماتم
 کہ آسماں بھی ان کے ماتم میں نالان ہوا
 ہمہ اندر فخال و آہ و نفیر
 سب کے سب ان کے غم میں آہ دیکھ کر تہہ بہ تہہ گئے
 کر وہ از دروا گریباں خاک
 ان کے رنج و فانات میں پنا گریاں چاک کرتے تھے
 از سر مہر و عشق، از پئے بر
 کی بنا پر اور حصولِ ثواب کے لئے تال ہونے
 دیدہ اور اجہود خوب چوہود
 اور یہودی انہیں حضرت مہود کی مانند نہیں سمجھتے تھے
 موسوی گفت اورت موسیٰ ما
 اور یہودی کہہ رہا تھا کہ وہ ہمارا موسیٰ ہے
 ہمہ از سوز کہ وہ بر سر خاک
 اور سب کے سب اسی مردانیت میں سر خاک ڈالتے تھے
 پیچ ساکن نشد وے نف و سوز
 اور ایک لمحے کے لئے گریہ و تال بند نہ ہوا
 ہمہ مشغول ہیں فسانہ شہد
 ادب کی روح فرسافات کا تذکرہ کرتے ہے
 مولانا کا مزار مبارک اس وقت سے آج تک بوسہ گاہِ خلافت ہے مشہور صیلا

چشم زخمی چناں رسید آں دم
 اس وقت زلزلے کو ایک ایسی مصیبت پیش آئی
 مردم شہراز صغیر و کبیر
 شہر کے تمام بچوں اور بڑے باشندے
 دیہیان ہم زومی و اتراک
 رومی اور اتراک کی آبادیوں سے تمام دیہاتی
 بہ جنازہ سہہ شدہ حاضر
 آپ کے جنازہ میں وہ تمام لوگ عشقِ محبت
 کر وہ اور امیمانِ محبوب
 عیسائی تو گویا انہیں اپنا محبوب سمجھتے تھے
 عیسوی گفت اورت عیسیٰ ما
 ہر عیسائی کہہ رہا تھا کہ وہ ہمارا عیسیٰ ہے
 ہمہ کر وہ زغم گریباں ہیاک
 سب کے سب رنج و غم سے اپنا گریباں چاک کئے تھے
 پچناں ہیں کشید تا چل روز
 اسی طرح چالیس روز تک آہ دیکھتی رہی
 بعد چل روز سوئے خانہ شہد
 چالیس دن کے بعد وہ مرد مبارک گھر کو لوٹے

مولانا کا مزار مبارک اس وقت سے آج تک بوسہ گاہِ خلافت ہے مشہور صیلا

ابن بطوطہ جب تو نیو میں پہنچا ہے، تو وہاں کے حالات میں لکھا ہے کہ مولانا کے منہ
 پہ ایک بڑا لنگر خانہ ہے، جس سے ہر صا ورو وار کو کھانا ملتا ہے۔



۱۹۶ شواہح مولانا روم "از شبلی نعمانی ص ۳۳ تا ۳۴"

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حکیم الامت علامہ محمد اقبال

سرورِ فتنہ باز آید کہ ناید
نسیبے از حجاز آید کہ ناید
سرآمد روزگار سے ایسے فقیرے
وگر دانائے راز آید کہ ناید (اقبال)

چونکہ علامہ اقبالؒ کے آخری ایام زندگی کے متعلق ان ہی لوگوں کی معلومات
زیادہ صحیح و مستند اور قابل اعتماد ہو سکتی ہیں، جو آپ کے محبت و عقیدت مند

۱۰ توجیہ: کیا معلوم الاپے ہوئے نغمے پھر واپس آئیں یا نہ آئیں۔ اند سر زمین سجاڑے نسیم زمیں بوج
کا، پیغام لے گئے یا نہ آئے۔ اس فقیر کا زمانہ عمر تو ختم ہو گیا، کیا معلوم میرے بعد کوئی اور
وانائے راز آئے یا نہ آئے؟

ہونے کے ساتھ ہی ساتھ اس دوران میں ان سے قریب تر ہے، اور مولانا
 غلام رسول بہران میں ایک امتیازی حیثیت رکھتے ہیں، لہذا ہم شاعر مشرق
 کی یہ دردناک مگر بصیرت افروز روداد ان ہی کے الفاظ میں پیش کرتے ہیں۔
 حضرت علامہ مرحوم کی زندگی کے آخری ایام، بالخصوص موت کی صحیح کیفیت
 اب تک شائع نہیں ہوئی لہذا میں ذیل میں اس واقعہ کے صرف چند متفرق حصے
 پیش کرتا ہوں۔ میں یہ دعوے نہیں کر سکتا کہ یہ آخری دنوں کی کوئی مسلسل سرگذشت
 ہے۔ البتہ اس سے بہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضرت مرحوم نے اس دنیا میں اپنے آخری
 اوقات کس طرح گزارے، اور جب حضور حق تعالیٰ سے طلبی کا فرمان پہنچا تو اسے کس
 طرح قبول کیا۔

اس ضمن میں حضرت علامہ مرحوم کی دو بیماریاں خاص طور پر قابل ذکر ہیں ماول
 ہر چار پانچ سال کے بعد روگردہ کا دورہ ہو جاتا تھا۔ دوسرے وقتاً فوقتاً قرص کا حمل
 ہوتا تھا، جو اگر چہ پاؤں کے انگوٹھے تک ہی محدود رہتا تھا، لیکن حضرت مرحوم چلنے پھرنے
 سے معذور ہو جاتے تھے بلکہ بعض اوقات شدت درد کا یہ عالم ہوتا تھا کہ کپڑا بھی انگوٹھے
 سے پھو جاتا، تو آپ ٹرپ اٹھتے۔

کھانا صرف ایک وقت

ان کی عادت برسوں سے یہ ہو گئی تھی کہ حضرت دوپہر کا کھانا کھاتے تھے۔ رات
 کے وقت یا تو تھوڑا سا دلیا دو وہ ڈال کر کھا لیا کرتے تھے، یا اس قسم کی کوئی ہلکی سی
 غذا تھوڑی مقدار میں نوش فرمایتے تھے کبھی بالکل کچھ نہیں کھاتے تھے۔ سردیوں میں
 رات کے وقت زنجبے کے قریب نمکین کشمیری چائے ضرور پیتے تھے۔

حکیم نابینا :-

گیارہ بارہ برس پیشتر آپ کو درد گردہ کا حملہ بہت سخت ہوا تھا جو کسی دن تک جاری رہا۔ اس زمانہ میں خواجہ حسن نظامی کے مشورے کے مطابق حکیم عبدالوہاب صاحب عرف نابینا حکیم کا علاج کرایا جس سے حضرت مرحوم کو بہت فائدہ ہوا۔ اس کے بعد جب کبھی کوئی تکلیف محسوس ہوتی، حکیم صاحب موصوف کو کیفیت لکھ بھیجتے اور وہاں سے دوا آجاتی کھانا بہت کم مقدار میں کھاتے، لیکن ہمیشہ اچھی اور خوش ذائقہ چیزیں کھاتے سیخ کے کباب بہت مرغوب تھے، لیکن اگر دو چار روز متواتر سیخ کے کباب کھالیتے تو تکلیف ہوتی۔

آم سے رغبت :-

میووں میں انہیں آم بے حد مرغوب تھا۔ ان کے نیاز مند اور دوست دور دور سے قسم قسم کے آم تحفہ بھیجتے اور وہ اپنے خاص نیاز مندوں کو موسم میں کئی کئی بار آم کھلاتے میاں نظام الدین صاحب رئیس اعظم لاہور موسم میں دو تین بار حضرت علامہ کو بعض خاص نیاز مندوں سمیت باغ میں بلاتے۔ قسم قسم کے آموں سے چوتھے بھر دیشے جاتے اور کئی کئی گھنٹے شبہ خوری کا سلسلہ جاری رہتا۔ حضرت علامہ فرمایا کرتے تھے کہ قدرت نے میووں کو ترقی دیتے دیتے انگور بناتے۔ انگوروں میں جو کمی رہ گئی تھی، وہ آموں کی تخلیق میں پوری کر دی گئی۔ بعض اوقات فرمایا کرتے تھے کہ میوے صرف چند ہیں، باقی سب میووں کے اچھوت ہیں۔

مرض کا آغاز :-

وفات سے قریب چار برس پہلے حلق کا موزی مرض شروع ہوا، جو آخر جان لے کر گیا۔

بظاہر کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوتی تھی، لیکن آواز میٹھ گئی تھی۔ ابتداء میں اس کی تشہیر کا معاملہ مشتہر بنا رہا۔ بعض ڈاکٹروں کا خیال تھا کہ جو رگ حلق سے دل کی طرف جاتی ہے اس میں رسوبی پیدا ہو گئی ہے، لہذا عمل جراحی کرانا ضروری ہے۔ بعض کی رائے یہ تھی کہ بجلی کے ذریعے اس کا علاج ہونا چاہئے۔ چنانچہ اس سلسلے میں حضرت مرحوم و مرتبہ تھیں گئے۔ اس لئے کہ وہاں بجلی کے علاج کا مکمل انتظام موجود تھا، اور قریباً ایک ایک مہینہ وہاں رہے۔ حکیم نابینا صاحب کی دعائیں بھی جاری رہیں۔ اس لئے تھوڑا سا فائدہ ضرور ہوا۔ لیکن مرض کا ازالہ نہ ہو سکا۔ ایک مرتبہ عمل جراحی کے لئے ولایت جانے پر بھی آمادہ ہوئے۔ گوشتہ نشینی :-

باہر نکلنے کے زیادہ عادی نہ تھے، لیکن جب تک آواز کی تکلیف شروع نہ ہوئی تھی، مقدمات کی پیروی کے لئے عموماً ہائی کورٹ چلے جاتے جس روز کوئی پیشی نہیں ہوتی تھی، گھر میں بیٹھے رہتے تھے۔ آواز کی تکلیف کے آغاز کے بعد ہائی کورٹ جانا بھی بند ہو گیا۔ میرے علم کے مطابق آخری مرتبہ وہ اس وقت گھر سے باہر نکلے تھے جبکہ اعلیٰ حضرت فرمائوں کے بہادر پور لاہور تشریف لائے تھے اور انہوں نے دارالافتاء کے قیام کے سلسلے میں مشورے کے لئے حضرت مرحوم کو بلا یا تھا۔ یہ انتقال سے غالباً چار مہینے پیشتر کا واقعہ ہے۔

شہید صدر مہ - ۱

۱۹۳۵ء میں ان کی بیگم صاحبہ کا انتقال ہو گیا۔ یہ عدم عام حالات کے اعتبار سے ہی بڑا دردناک اور الم انگیز ہوتا ہے۔ لیکن حضرت علامہ مرحوم کے خاص حالات کے اعتبار سے تو اس کی الم انگیزی بیان سے باہر تھی۔ خاص طور پر اس لئے کہ دونوں بچے کم عمر تھے جن نیاز مندوں کو علامہ مرحوم کے دلی احساسات سے آگاہی حاصل تھی۔ وہ جانتے

تھے کہ عدیم النظیر صبر و ضبط کے باوجود یہ صدمہ ان کے دل سے ایک لمحہ بھی علیحدہ نہ ہوا، اور اس صدمہ کی وجہ سے ان کی بیماری بڑی تیزی کے ساتھ بڑھتی گئی۔

وصیت :-

اکتوبر ۱۹۳۵ء میں ان کے دل کو یقین سا ہو گیا تھا کہ اب زندگی بہت قٹوٹی باقی رہ گئی ہے۔ لہذا انہوں نے ایک روز تنہائی میں بیٹھ کر اپنے قلم سے وصیت لکھی اور اسے رجسٹر کے پاس بھیج دیا۔ اس کے بعد جو کچھ ضروری معلوم ہوا اسے علیحدہ لکھ کر محفوظ کر دیا۔ وصیت میں انہوں نے چار آدمیوں کو بچوں کا گارڈین مقرر فرمایا تھا۔ اول چوہدری محمد حسین صاحب ایم۔ اے۔ دوم منشی طاہر الدین صاحب۔ سوم شیخ اعجاز احمد صاحب سب حج ربراد زاوہ حضرت علامہ چہارم خواجہ عبدالغنی صاحب جو بچوں کے حقیقی ماموں تھے۔ افسوس کہ ان کا بھی انتقال ہو چکا ہے۔ انتقال سے چند روز پیشتر انہوں نے چوہدری محمد حسین صاحب کہ ”چوہدری صاحب! میری موت کے بعد علی بخش حضرت علامہ مرحوم کا دیرینہ وفادار خادم چند ضروری کاغذات آپ کے حوالے کرے گا۔ آپ انہیں اچھی طرح سے دیکھ لیجئے۔“ چوہدری صاحب حضرت علامہ کے عزیز ترین رفیق اور ان کے خاص رازدار تھے۔ انہوں نے حضرت مرحوم کے ایک ایک ارشاد کی تعمیل اس اہتمام سے کی کہ آج اس کی نظیر ملنا مشکل ہے!

گفتار اور مکالمات :-

مرغس اگرچہ اندر ہی اندر بڑھ رہا تھا اور ان کی طبیعت کمزور ہو رہی تھی، لیکن ان کی گفتار اور مکالمات میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ وہ اسی طرح باتیں کرتے جس طرح تندرستی کے زمانے میں کیا کرتے تھے۔ علمی اور سیاسی مباحث کا انداز بھی وہی تھا

اور نکتہ طرزیایاں بھی بدستور جاری تھیں۔ ان کی وفات سے تھوڑی مدت پیشتر ان کے پاس بیٹھ کر یہ خیال بھی نہیں ہوتا تھا کہ دائمی مفارقت کا زمانہ قریب آ گیا ہے۔
مرض کی شدت :-

موت سے قریباً ۲ ماہ پیشتر ان کو ضیق النفس، یا کہنا چاہئے کہ تنفس کا شدید دورہ ہوا۔ اتنا شدید کہ ایک روز تکلیف کی زیادتی کے باعث بے تاب ہو کر وہ پلنگ سے گر پڑے۔ یہ ان کے مرض کی شدت کا پہلا محسوس مظاہرہ تھا، جس سے نیاز مندوں کے حلقے میں گہرا اضطراب پیدا ہو گیا تھا۔ اس کے بعد دورہ وقتاً فوقتاً پرتا رہا۔ کسی وقت کم، کسی وقت زیادہ۔ اس کی کیفیت یہ سمجھ لیجئے کہ دل بیٹھنے لگتا تھا۔ اور سانس لینے میں دقت محسوس ہوتی تھی۔ زبدۃ المحکمات حکیم محمد حسین قرشی پرنسپل طبیہ کالج لاہور نے علاج شروع کیا، جس سے تدریجاً فائدہ ہونے لگا۔ درزوں کا اعادہ بھی کم ہوتا گیا اور ان کی شدت میں بھی نمایاں تخفیف نظر آنے لگی۔

علاج کی عام کیفیت :-

حکیم نابینا صاحب اس زمانہ میں حیدرآباد میں تھے۔ انہیں مفصل حالات لکھ کر بھیجے گئے۔ پورے حالات کو سامنے رکھ کر حکیم صاحب نے دوائیں تجویز کر کے بھیجا دیں۔ ان کا استعمال بھی شروع ہو گیا۔ ماہر ڈاکٹروں نے بھی کئی مرتبہ معائنہ کیا، جن میں ڈاکٹر محمد یوسف صاحب، ڈاکٹر کپتان الہی بخش صاحب، ڈاکٹر جمعیت شکر صاحب اور ڈاکٹر یار محمد صاحب خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ ان کی دوائیں بھی استعمال کی گئیں۔ ڈاکٹر محمد یوسف صاحب کی رائے پہلے دن سے یہ تھی کہ مرض لا علاج ہے۔ وہ فرماتے تھے کہ میرے تجربے کے مطابق اس قسم کے مرض زیادہ سے زیادہ سات آٹھ مہینے زندہ رہے ہیں۔

س مئے کوشش یہ ہوتی چاہئے کہ زیادہ تر غذا اور کم تر دوا کے ذریعہ سے زندگی کے
بقیہ ایام آرام و آسائش کے ساتھ گزارنے کا بندوبست کیا جائے۔
علاقت کے متعلق سکوت ہو۔

مصلحتاً یہ رائے حضرت علامہ سے مخفی رکھی گئی۔ مصلحت ہی اس امر کی متقاضی
ہوتی کہ ان کی علالت کی خبر اخباروں میں شائع نہ ہو۔ اول اس لئے کہ حضرت علامہ
کی طبیعت مطمئن رہے، کہ طبیعت کا اطمینان و سکون بھی ڈاکٹروں کے نزدیک علاج
کا بہت بڑا جزو تھا۔ ثانیاً اس لئے کہ مزاج پُرسی کرنے والے ان کے پاس نہ آئیں،
تاکہ انہیں کوئی جسمانی و دماغی زحمت نہ ہو، اور وہ آرام و سکون کے ساتھ لیٹے رہیں
ڈاکٹروں کی رائے یہ تھی کہ انہیں نہ صرف زیادہ باتیں نہیں کرنی چاہئیں، بلکہ زیادہ
غور و فکر سے بھی بچنا چاہئے۔ لیکن یہ ایک ایسی پابندی تھی، جسے ان کا دماغ آخری دم
تک قبول نہ کر سکا۔

معالجوں کی سپاس گزاری :-

حضرت علامہ مرحوم کے نیاز مندان تمام ڈاکٹروں اور طبیعوں کے دلی ممنون ہیں
جنہوں نے محض محبت و عقیدت کے جوش میں حضرت مرحوم کا علاج کیا اور بعض
روزانہ، بعض دن میں کئی کئی مرتبہ ان کے دیکھنے کے لئے آتے رہے۔ لیکن اس باب
حکیم محمد حسین قریشی سب سے بڑھ کر شکریہ کے مستحق ہیں، جو ضرورت کے وقت دن میں
بھی دو ایک مرتبہ حضرت مرحوم کو دیکھنے کے لئے چلے جاتے تھے۔ لیکن شام سے
لے کر رات کے بارہ ایک بجے تک تو وہ تقریباً التزام کے ساتھ حضرت مرحوم کے
پاس بیٹھے رہتے۔ انہوں نے عمل سے ثابت کر دیا کہ وہ محض معالج نہ تھے، بلکہ حضرت مرحوم

کی ذات گرامی کے ساتھ گہری محبت و عقیدت رکھتے تھے حکیم صاحب ممدوح کا یہ مخلصانہ خدمت گزاری حضرت علامہ کے تمام نیاز مندوں کے نزدیک انتہائی ممنونیت کا مرجع رہے گی۔

موتیے کا حملہ :-

گذشتہ سال حضرت علامہ کی آنکھ میں موتیا اتر آیا۔ اس وجہ سے مطالعہ بالکل بند ہو گیا تھا۔ ڈاکٹروں کی رائے یہ تھی کہ موتیا پختہ ہو جائے گا تو آپریشن کیا جائے گا، لیکن ان کی بیماری برطرف ہو گئی اور آپریشن کی نوبت ہی نہ آئی۔ ان کی بینائی کم ہو گئی تھی، بہرہ ہونے تک کہ ملاقاتی جب تک بالکل قریب نہ پہنچ جاتا، یا اس کا نام نہ بتا دیا جاتا، وہ اسے پہچان نہ سکتے۔

طبیعت کا نشیب و فراز :-

مارچ ۱۹۳۸ء کے آغاز میں ان کے پاؤں اور چہرے پر دم کے آثار نمودار ہوئے۔ یہ اس بات کی علامت تھی کہ گردے ٹھیک کام نہیں کر رہے۔ دل کے متعلق حکیم اور ڈاکٹروں کا متفقہ فیصلہ یہ تھا کہ وہ پھیل گیا ہے اور اس کی حالت اچھی نہیں۔ لیکن دوا اور غذا کی پابندی سے طبیعت بہتر ہونے لگی، اور فی الجملہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بیماری کے بڑے اثرات زائل ہو رہے ہیں۔ لیکن افسوس کہ اصلاح کی یہ کیفیت مستقل اور دیرپا ثابت نہ ہوئی۔

ضبط و تحمل :-

حضرت علامہ مرحوم بے حد ذکی الحس تھے۔ وہ ذرا سی تکلیف کو بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ اس شدید بیماری کے دنوں میں وہ

نہایت و تحمل کا پیکر بن گئے تھے۔ ان کے مختلف ارشادات پر اب غور کیا جائے
 و محسوس ہوتا ہے کہ ان کے دل کو موت کے قریب کا یقین ہو چکا تھا۔ لیکن نیاز مند
 و رخصتکاروں کے سامنے کبھی کوئی ایسی بات نہیں کہتے تھے جس سے اضطراب اور
 بے چینی کا اظہار ہو۔ کسی مرتبہ دیکھا گیا کہ ڈاکٹروں نے معائنہ کیا تو حضرت نے فرمایا کہ مجھے
 اطمینان دلانے کی ضرورت نہیں۔ میرے دوستوں اور تیمار داروں سے پوچھیے کہ ان کا
 اطمینان ہوا ہے یا نہیں۔ اگر وہ مطمئن ہیں تو میں بھی مطمئن ہوں۔“

دل کا معاملہ :-

میں اوپر عرض کر چکا ہوں کہ ڈاکٹروں اور طبیعوں دونوں کی رائے یہ تھی کہ
 قلب کی حالت اچھی نہیں۔ ایک روز حضرت علامہ مرحوم پر وقت طاری ہو گئی، اور وہ
 دیر تک روتے رہے جب یہ حالت رفع ہو گئی، اور رقت کا سبب پوچھا گیا، تو فرماتے
 لگے کہ ایک شعر یاد آ گیا تھا، اور وہ یہ کہ

تہنیت گوید مستان را کہ سنگ محتسب

بر دل ما آمد و این آفت ازینا گذشت

ایک روز ڈاکٹر صاحب فرمانے لگے کہ ”میرے دل کو اچھی طرح دیکھیے۔ اس سے شیطانی

بھی سرزد ہوتی رہی ہیں۔“

موت کی پیشوائی :-

مرامی کی شام کو میں اور سالک صاحب حاضر خدمت ہوئے تو بظاہر طبیعت کسی قدر
 بہتر معلوم ہوتی تھی۔ وہ خود فرمانے لگے ”اب تو میں کمرے کے اندر تھوڑا سا پل پھر بھی لیتا ہوں۔“
 ہم نے عرض کیا یہ خدا کے فضل و کرم سے چند روز میں اتنی صحت ہو جائے گی کہ آپ کو مٹھی کے

صحن میں چل قدمی فرمایا کریں گے "منکر اگر کہنے لگے "میں موت سے نہیں ڈرتا، بلکہ خند
پیشانی سے اس کی پیشوائی کے لئے تیار ہوں " ساتھ ہی اپنا یہ شعر سنایا۔

نشان مرد مومن با تو گویم
چو مرگ آید تبسم بر لب اوست

حضرت مرحوم نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں یہ خیال کئی صاحبوں کے سامنے
مقال سے چار روز پیشتر ایک جرم ملاقات کے لئے حاضر ہوا تھا۔ اس سے بھی آپ نے یہ
فرمایا تھا۔

واع کے کمالات :-

ان کی جسمانی تکالیف بڑھتی گئیں، یہاں تک کہ پناگ سے اٹھنے کی طاقت بھی نہ
رہی۔ اپنے سر ہانے اور پانی کی جانب کے تکیے پر سر رکھ کر چند منٹ اونڈھے بیٹے رہتے
لیکن ان کا دماغ اتنی ہی دم تک زرخیز صحیح سالم رہا، بلکہ اس کے خداداد کمالات زیادہ
نمایاں ہوتے رہے۔ ان کی زبان سے جو فقرہ نکلتا، حقائق و معارف سے لبریز ہوتا تھا
اسی زمانہ میں انہوں نے "اسلام اور ولایت" کے متعلق مضمون لکھوایا، جو مولانا حسین
صاحب کے ایک بیان کی تنقید پر مشتمل تھا، اور جس کے زیر اثر بعد میں یہ بھی فرمایا تھا کہ

عجم ہنوز نہ فائدہ رموز دیں ورنہ
سرور بر سر منبر کہ ملت از وطن است
ز دلیر بند حسین احمد اس چہرہ بواجبی است
چہ بے خبر ز مقام محمد عربی است

بصطفیٰ برساں خویش را کہ دین سہر اوست

اگر بہ اور ز سپیدی ما تمام بولہبی است!

علمی مسائل اور خبریں -۱-

انتقال سے صرف چار روز پیشتر میں حاضر خدمت ہوا تو اہل علم کے ساتھ فلسفہ پر گفتگو ہو رہی تھی۔ ڈارون اور ٹنٹن کے خیالات و افکار کا خلاصہ حضرت علامہ نے صرف دو تین فقروں میں اس جامعیت کے ساتھ فرما دیا کہ مخاطب حیران رہ گیا۔ وہ اس حالت میں بھی دقیق سے دقیق علمی سوال کا جواب بلا توقف دیتے، اور اس انداز میں دیکھ سائل کے دل و دماغ دونوں کو تسکین پہنچاتی۔ اس دور میں بھی خبریں روزانہ سنتے، اور کربد کربد کر ہر خبر کی تشریح پوچھتے۔ دو باتیں آخری دم تک ان کی خاص دلچسپی کا مریح بنی رہیں۔ اول یہ کہ مسلمانوں کے لئے بہتری کی کوئی صورت پیدا ہوئی ہے یا نہیں، دوسرے یورپ کے سیاسی حالات کی رفتار کیلئے۔

زیارتِ حرم میں آرزو:-

انتقال سے چار روز قبل حکیم محمد حسین قریشی کو ایک دوروں کے لئے راولپنڈی جانا پڑا۔ ان کی غیر حاضری میں حضرت علامہ کے بائیں جانب درم ہو گیا، جس سے پھر تشویش پیدا ہو گئی۔ یہ درم آخری دم تک کا ملا زائل نہ ہوا۔ میں کارا پریل کی شام کو حاضر ہوا تو ایک صاحب مرحوم کے پاس بیٹھے تھے۔ میرے پہنچنے پر ان صاحب نے حضرت علامہ کی خدمت میں عرض کیا کہ ابھی تو آپ کو حجاز جانا ہے حضرت فرماتے لگے کہ سہاراں پور سے ایک صاحب نے لکھا ہے کہ ”میں نے حرمِ پاک کا طواف کرتے ہوئے بارگاہِ ایزدی میں دعا کی تھی کہ آپ کو بھی حرمِ پاک میں پہنچانا نصیب ہو۔ مجھے یقین ہے کہ یہ دعا قبول ہو گئی ہے۔“ پھر فرماتے لگے کہ ”اب لفظ ”حجاز“ پہنچنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ لیکن پچیس خدا کو کب منظور ہے۔“ اسی پر غلو ص اور مقدس آرزو کی ترجمانی کرتے

ہوئے علامہ مرحوم کے مندرجہ ذیل اشعار ملاحظہ ہوں، جو "رموز" کے آخر میں عرض فرما
مصنف بجنور رحمة للعالمین کے تحت تحریر کے گئے ہیں :-

ظلمت سے ازل تا اب حق بیگانہ بود - شامم از نور شفق بیگانہ بود
میری ظلمت حق کی تعلیت سے محروم تھیں - اور میری شام نور شفق سے تھی دامن

ایں تئنا درو لم خرابیدہ ماند - در صدف مثل گہر پوشیدہ ماند
یہ تئنا میرے دل ہی میں بچا بسید رہی - اور وہ گویا صدف میں موتی کی مانند پوشیدہ

آخر از ہر پیمانہ چشم حکیند - در ضمیر من نوا ہا آفریند
آخر وہ تئنا میرے پیمانہ چشم سے چمک گئی - اور ضمیر میں نوا ہا آفریند

اے زیاد و غیر تو جانم تھی - بر لبش آرم اگر فرماں وہی
اے ہستی ہستی باک تیری یاد کے سو ایں دل میں کچھ نہیں - اگر اجازت ہو تو میں اس آرزو کو سوٹوں پر لاؤں

زندگی را از عمل ساماں نبود - پس مرا این آرزو شایاں نبود
چونکہ میری زندگی میں اعمال کا ذخیرہ نہ تھا - لہذا میرے لئے ایسی آرزو بھی مفید نہیں تھی

شرم از اظہار او آید مرا - شفق توجرات افزاید مرا
مجھے تو اس کے اظہار سے بھی شرم آہی ہے - لیکن تیری شفقت و محبت میری جرات بڑھا

ہست شان رحمت کیتی نواز - آرزو دارم کہ میرم در حجاز
تیری شان رحمت تو تمام دنیا پر سیٹھ ہے - آرزو یہ رکھتا ہوں کہ میں حجاز میں وفات پاؤں

مسلمے از مابنوا بیگانہ - تا کجا ز تار می بت خار
ایک ایسا مسلمان جو غیر شر سے بالکل بیگانہ ہو - کب تک ہند کے بت کہہ کار تار می بت خار

ملہ اس موقع پر یہ اشعار میرا اضافہ ہیں۔ (طابق)

Marfat.com

پیکر شاد دیر گیر دور کنار
 تو اس کے بدن کویت کدے کی مٹی اپنی آغوش میں لے
 ولے کا موزم خوشا فروا لے من
 تو حیف ہے دہند میں امیر سے آج ہوا اور مبارک ہے میرا کل
 لے خاک کے کہ آسوی دستان
 محترم اور باندر تہ ہے وہ خاک جس میں تو آسودہ ہوا
 پیش عاشق اسیں بوجہ حب الوطن
 لندا عاشق ملوق کے لئے تو یہی حب الوطنی ہے
 مرقدے در سایہ دیوار بخشش
 اور اپنے سایہ دیوار میں مزار رحمت فرما
 بستگی پیدا کند سیاب من
 اور میر الرمال پارہ خود میں بستگی پیدا کرے

بانفک گویم کہ آرامم نگر!
 پھر میں غم کے ساتھ آسمان سے کہوں گا کہ میری آرامگاہ دیکھ
 دیدہ آغازم، انجامم نگر!
 تو تیرا آغاز تو دیکھا تھا، اب انجام کی عظمت بھی دیکھ!

طبعی مسکراہٹ:-

۱۹ اپریل ۱۹۳۸ء کی شام کو مولانا غلام مرشد صاحب کی معیت میں حاضر ہوا، تو
 طبیعت اگرچہ اچھی معلوم نہیں ہوتی تھی، لیکن حضرت کا چہرہ بدستور لبثاش تھا، اور اس پر

حیف نکل اور سر آید روزگار
 یہ بنایت الم ناک چیز ہے کہ جب اس کا موسم جانتا ہو
 از درت خیزد اگر اجڑے من
 اگر شکر کو تیرے در مقدس سے میرے ہر نامہ میں نہیں
 فرخا شہرے کہ تو بوی در آں
 خوش نصیب ہے وہ شہر جس میں تیرا وجود مقدس ہے
 مسکن یار است و شہر شاہ من
 وہ شہر دینہ امیر کے محبوب اور زمانہ کا مسکن ہے
 گو کہیم را دیدہ بیدار بخشش
 نبی الرحمت! میرے ساتھ کو دیدہ بیدار بخشش
 تا بیا ساید دل بیتاب من
 تاکہ میرا قلب مضطرب مطمئن ہو جائے

بلکی سی طبعی مسکراہٹ رقصاں تھی۔ ان کی حرکت سے تشویش ظاہر نہیں ہوتی تھی، اور نہ ان کے چہرے کو دیکھ کر یا باتوں کو سن کر تشویش ظاہر نہیں ہوتی تھی، اور نہ ان کے چہرے کو دیکھ کر یا باتوں کو سن کر دل میں یہ خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ موت کا وقت نہایت قریب آگیا ہے۔

۲۰ اپریل کی شام :-

تین چار روز سے ان کے پیٹھ میں خون کی بلکی سی آمیزش شروع ہو گئی تھی۔ ڈاکٹروں کی رائے یہ تھی کہ دل کی طرف جانے والی رگ میں اشقاق کے آثار نمایاں ہو رہے ہیں۔ یہ بات بھی حضرت علامہ سے مخفی رکھی گئی۔ ۲۰ اپریل کی شام کو ڈاکٹروں نے بتایا کہ اب طبیعت بہت خراب ہے، اور زندگی صرف چند گھنٹوں کی رہ گئی ہے۔ اس وقت مزید مشورے کے لئے کرنیل امیر چند کو بلا یا گیا۔ انہوں نے ایک دوا تجویز کر دی جو رات کے گیارہ بجے کے قریب پلائی گئی۔ حضرت علامہ ڈاکٹروں کی دواؤں کو ویسے بھی پسند نہیں فرماتے تھے۔ کہا کرتے تھے کہ ان کا ذائقہ اچھا نہیں ہوتا۔ کرنیل امیر چند کی تجویز کردہ دوا کا ذائقہ شاید بہت برا تھا۔ اس کے پیتے ہی طبیعت سخت خراب ہو گئی، اور حضرت مرحوم نے یہاں تک فرما دیا کہ ”میں اب زندہ رہنا نہیں چاہتا۔ جب عرض کیا گیا کہ ”حضرت اپنے لئے نہیں، تو دوسروں کے لئے تو آپ کا زندہ رہنا ضروری ہے۔“ جواب میں ارشاد ہوا۔ ”میں اس دوا کے استعمال پر زندگی کا خواہاں نہیں ہو سکتا۔“ اس کے بعد حکیم محمد حسن صاحب قرشی نے کوئی دوا کھلائی جس سے منہ کا ذائقہ اچھا ہو گیا۔ تین بجے کے حالات :-

جب سے گئی کسی قدر زیادہ ہو گئی تھی، حضرت کا پلنگ خواب گاہ سے نکال کر

ڈرائنگ روم میں لے آئے تھے۔ ۲۰ اپریل کی شام کو فرلنے لگے کہ برآمدہ میں بھی گرمی ہے اس لئے کوٹھی کے صحن میں پہنچا لگیا۔ بارہ بجے تک وہاں رہے، پھر ذرا خشکی ہوئی تو ان کے ارشاد کے مطابق پلنگ پر ڈرائنگ روم میں لے آئے متعدد نیاز مند قریباً ایک بجے تک حضرت کے پاس رہے۔ پھر یہ دیکھ کر کہ طبیعت بظاہر بہتر ہے اور حضرت کو نیند بھی آنے لگی ہے، سب رخصت ہو گئے۔ صرف شفیع صاحب اور ڈاکٹر عبدالقیوم صاحب اور علی بخش و رحمان (حضرت کے ملازم ان کے پاس رہ گئے۔) راجہ حسن اختر اٹھ نو بجے کے قریب آ رہے تھے۔ ان سے کسی نے کہہ دیا کہ دو لالہ کے لئے موٹر کی ضرورت ہے۔ راجہ صاحب موٹر لانے کے لئے واپس چلے گئے، اور بریں لوٹے، لہذا وہ باہر کوٹھی کے ایک چھوٹے کمرے میں سو گئے۔

درد کی شدت :-

حضرت علامہ تین بجے تک سوئے رہے۔ پھر اٹھے تو درد محسوس ہوا۔ شفیع صاحب کو اسی وقت حکیم صاحب کی طرف بھیجا گیا۔ حکیم صاحب غالباً اپنے مکان کی بالائی منزل میں سوئے تھے۔ شفیع صاحب نے نیچے آوازیں دیں۔ بعد میں راجہ حسن اختر صاحب سے کہا گیا کہ حکیم صاحب کو لائیں۔ یہ تقریباً اپنے پہنچنے کے بعد آئے۔ راجہ صاحب ان مخلص نیاز مندوں میں سے ہیں، جنہوں نے کسی کسی راتیں خدمت گزاروں میں بسر کر دیں۔ لیکن اس وقت راجہ صاحب کی زبان سے بلا تکلف نکل گیا کہ "حکیم صاحب غالباً ایک بجے گئے ہیں، کیا فقور اس وقت قف نہ کر لیا جائے؟" حضرت مرحوم نے فرمایا: "آپ کو معلوم نہیں پھر پر کیا گزر رہی ہے؟" یہ سن کر راجہ صاحب فی الفور جانے کیلئے تیار ہو گئے۔ اس وقت حضرت مرحوم نے اپنے یہ اشعار راجہ صاحب کو سنائے جو

غالباً تین چار ماہ پیشتر لکھے گئے تھے۔

سرور وقتہ باز آید کہ ناید

نیسے از حجاب آید کہ ناید

سر آمد روزگار سے این فقیرے

دگر دانائے راز آید کہ ناید

پونے پانچ بجے کی کیفیت :-

ماجرہ صاحب کے جلنے کے بعد حضرت نے فرمایا کہ میری چار پائی اب اندر خواب گاہ میں لے چلو، اس لئے کہ فروٹ سالٹ پینے کا ارادہ تھا، تاکہ دو ایک اجابتیں ہو جائیں اور طبیعت درست ہو جائے۔ پانچ بجے کے قریب پلنگ خوابگاہ میں لے گئے۔ ڈاکٹر عبدالقیوم نے فروٹ سالٹ تیار کیا حضرت علامہ نے پہلے تو گلاس بھرا ہوا دیکھ کر فرمایا، میں اتنا کیسے پی سکوں گا، پھر گلاس لے کر چپ چاپ چئی گئے۔ اس دوران میں علی بخش نے پلنگ کے پاس کمر دھکا دیا۔ اس وقت کمرے میں صرف حضرت علامہ اور علی بخش رہ گئے۔

آخری لمحات :-

علی بخش بتا رہے کہ پہلے آپ نے لیٹ لیٹے پاؤں پھیلا دیئے پھر اوپر کی طرف آنکھیں اٹھا کر مجھے آواز دی، اور نعمتہ دل پر ہاتھ رکھ کر کہا، اللہ میرے یہاں دروہوا۔ اس کے ساتھ ہی سر چھپے کی طرف کرنے لگے میں نے (علی بخش نے) فی الفور آگے بڑھ کر بایاں ہاتھ دل پر رکھا اور وہاں ہاتھ سے سر کو تھام لیا۔ اسی دوران میں انہوں نے خود بخود آنکھیں بند کر لیں، منہ قبلہ شریف کی طرف پھر گیا۔ میں نے

شیخ صاحب اور ڈاکٹر عبدالقیوم کو آواز دی جو باہر ٹہل رہے تھے۔ وہ آئے اور دیکھا تو کہنے لگے کہ کلمہ شہادت پڑھو اس لئے کہ جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔ ۱۲ اپریل کی صبح کا آفتاب طلوع کے قریب پہنچا ہوا تھا۔ سوا پانچ بجے کا عمل تھا، جبکہ انسانی زندگی کا یہ آفتاب درخشاں غروب ہوا۔ کَلَّ مَنْ عَلَيهَا فَاَنْ دِيْعِي وَجِيْهَةُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ

بجھ گیا وہ شعلہ جو مقصود ہر پیمانہ تھا

اب کوئی سمدانی سوزِ تمام آیا تو کیا (اقبال)

حضرت علامہ کی خبر وفات آنا فانا ملک بھر میں پھیل گئی اور ہر مسلمان نے انتہائی رنج و الم کے ساتھ اس سانحہ ارتحال کو قوم و ملت کا ایک ناقابل تلافی نقصان سمجھا۔ تھوڑی دیر بعد نہ صرف ان کے دوست احباب اور عقیدتمند، بلکہ عامتا مسلمانوں کا ایک جم غفیر کوچھی گئے باہر جنازہ میں شرکت کی سعادت کے لئے جمع ہو گیا۔ زائرین اور شریکین جنازہ ہونے والوں کی کثرت کا اندازہ اس سے کیا جاتا ہے کہ تابوت میں دونوں طرف کا دھلیئے کے لئے طویل بانس باندھنا پڑے۔ پروردگارِ عالم نے اس مردِ حق اکاؤ کو شاہی مسجد لاہور کے ساتھ ہی دعائے خاص و عام کے لئے وہ برگزیدہ جگہ بخشی، جس کا وہ مستحق تھا قوم کا سچا اور مخلص راہنما قوم کی پاکیزہ ترین زمین میں جو خواب ہے۔ مزار مبارک کی زیارت کرتے ہی اس مردِ مجاہد کا یہ شعر اس کی بے لوث اور غیر فانی خدمات کی تصدیق و تائید کرتا ہوا چشمِ دل کے سامنے جگمگانے لگتا ہے کہ :-

زیارت گاہِ اہلِ عزم و ہمت ہے لحدِ میری

کہ خاکِ راہ کو میں لے بتایا بازارِ الوندی

شاعر ریانی کا مزار پر انوار نہایت خوبصورت سنگ مرمر اور دیگر قیمتی پتھروں کی
آرائش و زیبائش سے تیار کیا گیا ہے۔ لوح مزار کی پر باغی اوجو عالمگیر اسلامی انجمن امتداد
کی موثر تر جہان ہے، ہر مسلمان کے لئے قابلِ غور و عمل ہے۔

ذہن افغانیم و نئے ترک و ستاریم

چمن زادیم و از یک شاخصایم

تمیز رنگ و بویہ ما حرام است

کہ با پروردہ یک نور بہاریم (پیام مشرق)

یعنی ہم تمام مسلمان بحیثیت قوم و ملت نہ تو افغان ہیں، نہ ترک، اور نہ تاتاری
وغیرہ۔ ہم تو ایک ہی گلشنِ اسلام سے پیدا ہوئے ہیں، اور ایک شاخِ تو حید کے پتے ہیں
لہذا ہمارے لئے رنگ و بویہ حسب و نسب، کا امتیاز قطعی حرام ہے، کیونکہ ہم سب
ایک ہی بہارِ اسلام کے پرورش کئے ہوئے ہیں۔

اسی مفہوم کو ایک اردو شعر میں یوں بیان فرمایا ہے۔

بتان رنگ و خن کو توڑ کر ملت میں کم ہو جا

نہ تو رانی ہے باقی نہ ایرانی نہ افغانی (بانگِ دہا)

چونکہ یہ کتاب مشاہیرِ اسلام کے ساتھ موت سے متعلق ہے، لہذا ہم بالآخر علامہ
مرحوم کے چند ایسا شعرا پیش کرتے ہیں جو ”حقیقتِ موت و حیات“ ہی کے موضوع
پر تحریر کئے گئے ہیں، اور جن سے بالخصوص ”مرکبِ مومن“ کی امتیازی صفات و خصوصیات
نمایاں ہوتی ہیں، لہذا وہ ہر مسلمان کے قلب میں تزکیہٴ روح، جرات و شجاعت، احتیاط
حریت، اور حیاتِ جاہدِ وال کا دلولہ پیدا کر دینے کا موجب ہوں گے۔

موت نیرنج و طلسم و سیمیاست!
 اور موت تو محض ایک نیرنگی نہ مارے ہمارے نیرور سادے
 یک مقام از صد مقام اوست مرگ
 مومن کے کتنے ہی مقامات میں سے موت ایک مقام ہے
 مثل شاپینے کہ افتد بر جام
 جیسے ایک باز کہو نہ پر حسد آند ہو
 زندگی اور احرام از سیم مرگ
 اور خوف مرگ سے زندگی اس پر حرام ہو جاتی ہے
 مرگ اور امی و بد جانے و گرا
 اور موت اگر سے ایک جان تازہ دیتی ہے
 مرگ آواں نمانے پیش نیست!
 لہذا آزاد لوگوں کی موت ایک لمحے سے زیادہ نہیں
 زانکہ ہیں مرگ است مرگ دلعم و دو
 کیونکہ ایسی موت تو کٹر و کٹر و کٹر کی موت ہے
 آن گر مرگ کہ ہو گیر و ز خاک
 جو عالم سفلی کی اس خاک سے بند و بالا ہو
 آخرین تکبیر و در جگاہ شوق
 اور جو عشق کے میدان کارزار میں اسخری تکبیر ہے

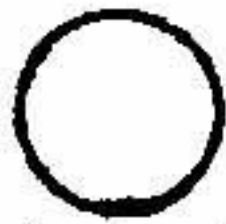
زندگی محکم ز تسلیم و رضا است
 زندگی تسلیم و رضا ہی سے حکم و توان ہے
 بندہ حق ضعیف و آہوست مرگ
 بندہ حق گویا شہید اور موت اس کے شکر کا ہرن
 می فتد بر مرگ آن مرد تمام
 وہ مرد کامل موت پر یوں حملہ آور ہوتا ہے
 ہرزماں میر و غلام از سیم مرگ
 ایک غلام موت کے خوف سے ہر لمحہ متدہل ہے
 بندہ آزاد را شائے و گد
 لیکن ایک بندہ آزاد کی شان ہی کچھ اور ہے
 او خود اندیش است مرگ اندیش نیست
 وہ تو اپنی نمکاتِ تنجیر پر غور کرتا ہے موت نہیں ڈرتا
 بگذرا ز مرگ کہ ساز و بالحد
 لے مسلمان! اس موت بالاتر ہو جا جبکا تعلق کچھ ہے
 مرگ مومنین خیم ابد از ریز و ان پاک
 مرد مومن اللہ تعالیٰ سے وہ موت چاہتا ہے
 آن گر مرگ اتہائے راہ شوق
 وہ دوسری موت، جو ماہ عشق کی اتہا ہے

کہ چہ ہرگز است بر مومن شکر
 اگر چہ مومن کے لئے موت شیریں و خوشگوار ہے
 سیدنا اگر تو تیر عشق کے لئے سینہ دکھتا ہے
 تاب و تپ فاری اگر مانند مہر
 اگر تو سوچ کی مانند روشنی اور حرارت لکھتا ہے

مرگ پور مرتضیٰ چہ چہ دگر
 لیکن نر زندی علی حسین کی موت کچھ اور ہی ہے
 درجہاں شاہین نبری شاہین میر
 تو دنیا میں شاہین کی مانند زندہ رہا اسی کی طرح
 پانچہ در و وسعت آباد سپہر
 تو آسمان کی غیر محدود معنوں میں جولا نیاں کر

زندگی برا چلیبت اسم و دین و کیش
 زندگی کا اصول قائم اور طریق عمل کیلئے
 یک دم شیریں بہ از حد سال پیش
 یہ کہ شیر کا سانس بھیڑ کی سو سالہ عمر سے بہتر ہے

(جاوید نامہ)



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

غازی مصطفیٰ کمال پاشا

من آں علم و فراست با پرہ کاسے نمی گیرم
کہ از تیغ و تبر بیگانہ سازد مرد غازی را (اقبال)

کمال تا ترک کو داناں بالائے انسان "محض حسن عقیدت کی بنا پر یا ہر شے محبت
میں نہیں کہا گیا، بلکہ ان کی مافوق العادوت شخصیت اور معجزانہ کارنامے ہر بالغ نظر و انصاف
دوست شخص کو مجبور کر رہے ہیں کہ ان کے متعلق یہ حقیقت افزہ الفاظ استعمال کئے جائیں۔
کیا تنہا یہی واقعہ نہیں انسان بالائے انسان ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں کہاںوں
لے یورپ کے مرد بیمار "ترکی کو جس کی طویل بیماری اسے موت کی منزل تک لے
گئی تھی، اپنی میمانفسی سے نہ صرف تندرست کر دیا، بلکہ اس قدر قوی الجشتہ اور دیکھن تن
بہادر اور ادلا العزم بنا دیا کہ اس کا نام سن کر یورپ کی بڑی بڑی طاقتوں پر رزہ طاری
ہو جاتا ہے؟ — مصطفیٰ کمال نے معجزانہ طاقت سے ترکی کے ہر کہ درمہ کے قالب میں

اپنی روح حریت چھونک می، اور یہی درجہ ہے کہ آج ماورِ ترکی کا بچہ بچہ انتہائی مخزنِ ناز سے اپنے آپ کو مصطفیٰ کمال کہہ رہا ہے۔ اس فوق الانسان شخصیت کے دل میں جو نیا خیال آتا تھا وہ قومِ ترکی اور وطنِ ترکی کی فلاح و بہبود اور اورج و کمال کے لئے ہوتا تھا، اور وہ خیال دیکھتے ہی دیکھتے لباسِ عمل نہیں لیتا تھا، دیکھ لیجئے تمدنی اصلاحات کے علاوہ جو نہی اسے خیال آیا تو ہر چیزِ ترکی رنگ میں نظر آتی چاہئے، فوراً حکم دے دیا کہ قرآن، نماز، اور آذان کا ترجمہ ترکی میں کر دیا جائے، اور یہ فرائض اسی زبان میں ادا کئے جائیں، تاکہ ہر کس و ناکس ان کے مفہوم و معانی اور قوتِ روحانی سے پوری طرح متاثر ہو سکے، چنانچہ تھوڑے ہی عرصے میں سرزمینِ ترکی کا چہرہ چہرہ اسی رنگ میں رنگا ہوا نظر آنے لگا۔ آپ اس فعل کو حکومتِ ترکی کی اجتہادِ غلطی سے موسوم کر کے اس کے خلاف جو چاہیں کہیں، لیکن اس حقیقت سے انکار کی جرأت نہیں کر سکتے کہ ہر چیز کو اپنی زبان میں ڈھالنے اور مقبول کرنے کے لئے ادھر کمال آتا ترک نے اس کا ہتہ کیا، اور ادھر وہ بجلی کی سی تیزی کے ساتھ قوت سے فعل میں آگئی!۔

غلامِ بہت بیدار آں سوارِ اتم
سنارہ را بہ سناں سفتہ در گره بستند (اقبال)

ان کی قوتِ ارادی کا ایک اور کمال دیکھئے کہ وہ اس موقع پر قوم کو تلقین کر رہے ہیں کہ ہر ترک سپاہی بن جائے، اور صرف اپنے زور بازو پر اعتماد کرے، عزت و آبرو

ملہ ترجمہ: ہمیں تو ان لوگوں کی بلند سمیٹی کا قابلِ مداح ہوں، جنہوں نے ستاروں کو بھی اپنی
مکس نیزہ میں پرو کر اپنی گرہ میں بانڈھ لیا۔

کے ساتھ زندہ وہی شخص رہ سکتا ہے جو ملک و ملت کی فلاح و بہبود کے لئے ہر وقت
 جانثار کرنے پر آمادہ رہے۔ اس تلقین کا یہ اثر ہوتا ہے کہ ہر ترک مجاہد بن کر کشمیر
 بکھ مبدل میں نکل آئے، اور ترکی کی فضا تکبیر و تہلیل کے نعروں اور تلواروں کی
 جھنکاروں سے گونجنے لگتی ہے پھر حرب مقصد حاصل ہو جاتا ہے، اور ترک ذلت و
 غلامی کا جو اگر دن سے اتار پھینکتے ہیں، تو یہی تیغ زین سپاہی امن و صلح کا دیوتا بن جاتا
 ہے، اور ملک کے گوشے گوشے میں حرب و ضرب کے شعلوں کی بجائے سکون و آشتی
 اور امن و عافیت کے پھول برسنے لگتے ہیں۔ اور ان کی یہ صورت حال عملاً اور سن سنی
 ہے کہ:-

مصاف زندگی میں سیرت نولا پیدا کر
 گذر جا بن کے سیل تند کوہ بیابان
 شبستان محبت میں حریر و پرنیاں ہوجا
 گلستاں راہ میں آئے تو جوئے نغمہ خواں ہوجا

راقبال

میشاق سعد آباد کمال اتاترک کی تاریخ زندگی کا ایک منہری ورق اور ان کے مرید سہا
 کا ایک غیر فانی کارنامہ ہے۔ سید جمال الدین افغانی نے اخوتِ ملی اسلامیہ کا جو خواب
 دیکھا تھا، وہ رت سے غازی مصطفیٰ کمال کے دماغ میں حکم نگار ہاتھ چٹا نچو ایک موقع
 پر جب کمال نے خلافت و سلطنت کے توڑ دینے کا اقدام کیا تو ہندوستان و مصر کے
 غلام مسلمانوں نے ان پر زبانِ طعن و راز کی۔ لیکن اتاترک نے جواب میں یہ کہا کہ
 اخوتِ اسلامی کا نصب العین برقرار رکھنے کے لئے خلافت اور سلطنت کو جیسی
 کہ مسخ شدہ صورت میں وہ موجود ہیں، قائم رکھنا ضروری نہیں۔ بلکہ پہلے دنیا بھر کے
 مسلمانوں کو اپنی اپنی جگہ ملکی اور جمہوری آزادی حاصل کرنی چاہئے۔ بعد ازاں انہیں یوں

کی استعمار پسند اور جاہر و مستبد حکومتوں کے اثرات سے کلیتہً آزاد ہو کر اپنے مفاد کی وحدت و یک رنگی کے لئے آپس میں سیاسی، اقتصادی، معاشرتی، اور ثقافتی تعلقات مضبوط و محکم بنیادوں پر قائم کرنے چاہئیں۔

اس کے بعد اتارک نے اپنے اس پروگرام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے عراق، ایران، اور افغانستان کے ساتھ براہ راست تعلقات قائم کرنے کی غرض سے ایک معاہدہ مرتب کیا، جن پر ان چاروں اسلامی سلطنتوں کے نمائندگان خصوصی نے ہر تصدیق و توثیق مثبت کی یہی معاہدہ تاریخ میں "میثاق سعادت آباد" کے نام سے مشہور ہے۔ مقام مسرت ہے کہ وہی اقوام اسلام جو جنگ عظیم سے پہلے کفار کے شرانگیز پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر ایک دوسری کے خون کی پیاسی ہو رہی تھیں، کمال اتارک کی مخدعانہ جدوجہد سے شیر و شکر ہو کر اخوت اسلامیہ کا روح پرور منظر پیش کر رہی ہیں۔ اس طرح اس ذات جامع المتقرنین نے سید جمال الدین افغانی کے خواب کی تعبیر غازی مصطفیٰ کمال کے ہاتھوں پوری کرادی۔

آخری ایام :-

کثرت کار کے باعث آخر کمال اتارک بیمار رہنے لگے۔ چنانچہ نومبر ۱۹۳۵ء میں حسب مجلس کبیرہ ترکیہ کا افتتاح ہوا، تو غلالت کے باعث وہ خود اقتلاح نہ کر سکے۔ لیکن اپنی تقریر لکھوا کر بجا دی، جو نہ صرف ارکان مجلس کبیرہ ملی مسفرائے دول خارجہ اور ایوان کے باہر لاکھوں انسانوں کے اذہان میں سننی، بلکہ ریڈیو کے وسیعے سارے ممالک میں بھی نشر کی گئی۔ مجلس کبیرہ ملی میں غازی جلال بایار وزیر اعظم نے یہ تقریر پڑھ کر سنائی، جس میں پہلے تو اسم امور داخلہ کا ذکر کیا گیا تھا، پھر ترکی کی خارجہ

حکمت عملی واضح کرتے ہوئے بتایا گیا تھا کہ ہم عصر حکومتوں سے بلا اختصاص و امتیاز
ترکی کے تعلقات خوشگوار ہیں۔ ہمیں نہ کسی حکومت سے دشمنی ہے اور نہ کسی سے
غیر معمولی دوستی۔ ترکی نے اقتصادی پروگرام کی تکمیل کے لئے ایک کروڑ ساٹھ لاکھ گنی
انگلستان سے اور ایک کروڑ ڈھائی لاکھ گنی جرمنی سے قرضہ لیا ہے۔ اس کا فرض
ہے کہ ان رقوم سے مجوزہ پروگرام کے مطابق معنقی ترقی کے میدان میں گرم تگ و تازہ ہو
ترکی کو چاہئے کہ غیروں پر تکیہ کرنے کی بجائے اپنی حفاظت آپ کرے مسلمہ سیاسی
اصول و ضوابط امن اور صداقت کو ہاتھ سے نہ جانے دے، اور اپنے ملک
میں کسی بیرونی سلطنت کے نفوذ و اثر کو بڑھانے سے نہایت سختی کے ساتھ روکے۔
اخبار "البلاد" بغداد میں کمال اتاترک کے آخری لمحات کے حسب ذیل حالات
شائع ہوئے تھے جو جویدہ مذکور کے نامہ نگار خصوصی نے استنبول سے بھیجے تھے۔
دسمبر ۱۹۳۸ء کو شام کے وقت اس خبر سے سارے استنبول میں تہلکہ مچ گیا،
کہ اتاترک کی حالت خراب ہو گئی، اور بیماری نے دوبارہ حملہ کیا۔ میں نے گھنٹوں دولہ
بلغ کے چاکر کاٹے، مگر کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ البتہ ایک فوجی افسر سے اتنا پتہ چلا کہ اتاترک
پر دوبارہ فوج گرا۔ آج صبح ان کا ملازم خاص مل گیا جس نے مجھے بتایا کہ ہاگر چوڑا کپڑوں
نے سخت تاکید کر دی ہے کہ اتاترک پچالیس دن تک کوئی دماغی کام نہ کریں مگر یہ دن
وطن و ملت کب خاموش بیٹھنے والا تھا۔ صحت یابی کے دوسرے ہی دن اس نے
سرکاری کام کی انجام دہی پہلے سے نہ بارہ انہماک کے ساتھ شروع کر دی اور بحری فوج
کے جدید انتظام کا سارا پروگرام خود مرتب کیا۔ رشدی آرا میں منع کرتے تھے، لیکن
اتاترک یہ جواب دیتے تھے: "میکارٹھینے سے لورہ اچھا ہے کہ میں وطن و ملت کی خدمت

انجام دیے کہ مر جاؤں! اتا ترک کے اس قول سے تعمیر و ملک و ملت میں ان کی
انتھک محنت و کاوش اور خلوص کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

۸ نومبر کو حجاز اور یمن کا ایک وفد عبداللہ مزروع کی سرکردگی میں آیا۔ جو اگرچہ
یظاہر مزاج پر سی کے لئے آیا تھا، لیکن اس کا اصل مقصد یہ تھا کہ یمن، شام، اور
 نجد و حجاز کو معاہدہ سعدیاباؤ میں شریک کیا جائے۔ مصطفیٰ کمال ان سے من بھر
 باتیں کرتے رہے، اور سامانِ حرب کی فراہمی اور جنگی جہازوں کی تیاری کے متعلق انہیں
مشورہ دیتے رہے۔ رشدی آراس نے دوبارہ عرض کی کہ ذرا آرام فرمایا جائے۔ اتا ترک
نے جواب دیا کہ ”زندگی کا ہر لمحہ بڑا قیمتی ہے۔ معلوم نہیں سانس کب رکت جائے، لہذا
اہم امور کو طے کر لوں۔“ چنانچہ معاہدہ مرتب کیا گیا، اور شام کے بعد معاہدہ کی کاپی
صاف ہو کر پیش ہوئی۔ اتا ترک نے نسبت سے پہلے شرائط پیش کیں، اور یہ الفاظ ارشاد
فرمائے۔ خدا کا شکر ہے کہ آج اتحادِ اسلامی کا پروگرام مکمل ہو گیا، جو خداوند عالم نے
میرے سپرد کیا تھا۔“ عربی وفد کے ارکان نے اپنے دستخط کر دیئے تو اتا ترک دوسرے
کرے میں چلے گئے۔ وہاں انہوں نے انگریزی لی، جس سے چکر آ گیا، اور وہ کرسی پر
گر پڑے۔ میں نے دوڑ کر توفیقِ رشدی کو خبر کی۔ توفیق پاشا نے خاص ڈاکٹروں کو
ٹیلیفون کیا۔ انہوں نے آکر ٹیکے کئے، مگر تشنج کے دورے بڑھنے لگے۔ جس وقت
دورہ پڑتا تھا، بوٹی بوٹی پھڑکنے لگتی تھی۔ تمام رات بے چینی میں بسر ہوئی۔ سوا ڈاکٹر ٹیکے
اور ماس کی تاکید کرتے تھے، مگر کچھ فائدہ نہ ہوا تھا۔ صبح ہوتے ہوتے گفتگو کرنے لگا،
اور ایک گھنٹے کے بعد اس بطلِ حریت اور عظیم مجاہدِ اسلام کی روح عالمِ بالا کو پرواز
کر گئی۔

انتقال سے تھوڑی دیر پہلے اتاترک نے توفیق رشتہ کو روستے دیکھ کر کہا تھا۔
 پر پیارے دوست! تم پر وا نہ کرو۔ میں لاضی بر فہائے مولا ہوں۔ اگر
 خداوند تعالیٰ کو مجھ سے مزید کام لینا منظور ہے اور ملت اسلامیہ کی خدمت
 کو نامیری قسمت میں ہے تو میں ابھی ہرگز نہ مرونگا۔ اور اگر میرا وقت رحلت
 آگیا ہے تو میں خوشی سے دنیا کو شیر باد کہنے کے لئے تیار ہوں۔ اگر میں مر جاؤں
 تو تم دنیا کا سلام کو میرا پیغام سناؤ دنیا کہ زندگی حرکت کا نام ہے۔ اگر مسلمانوں
 کو آزاد و با آبرو طور پر زندہ رہنا ہے تو وہ رسولِ عربی کے نقش قدم پر چلیں،
 سادہ زندگی اختیار کریں، محنت و مشقت کو اپنا شعار بنائیں، انمول ٹیپ
 اور تضحیح اوقات سے پرہیز کریں اور اسی طرح فوجی ضبط و نظام سے رہیں،
 جس طرح کہ فاروق اعظم نے پیران اسلام کو عسکری نظام کی تاکید کی تھی۔
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق روحانی و اخلاقی قوتوں کو فروغ
 دینے والا علم حاصل کریں اور زندگی کا ایک لمحہ بھی بیکار نہ جانے دیں!
 کمال اتاترک کے انتقال پر تمام اقوام عالم میں بالعموم اور اسلامی دنیا میں
 بالخصوص صعب ماتم بچھو گئی۔ جنازہ شاہانہ ترک و احتشام سے اٹھایا گیا کوئی آنکھ
 ایسی نہ تھی جو اشک بار نہ ہو۔ کوئی ہاتھ ایسا نہ تھا جو سینہ کوب نہ ہو، اور کوئی دل ایسا
 نہ تھا جو نوحہ نہ ہو۔ تابوت تین دن تک دولحہ باغیچہ محل میں مغربی مالک کے
 دستور کے مطابق میت کو شاہی لباس پہنا کر کھلے منہ رکھا گیا، تاکہ زائرین صورت دیکھ
 سکیں اور دعائے خیر کر سکیں۔ چند ترکی جزیرہ تابوت کے قریب کھڑے ہو گئے اور
 جہود یہ ترکیب کے چھ مشہور اصول کی رعایت سے وہاں بچھو بصورت و شاندار مشعلیں

روشن کی گئیں۔ ترکی اور غیر مالک کے زائرین کا اتنا تاندھ گیا۔ تیسرے دن جب تابوت اٹھایا جانے والا تھا، لوگ اس خیال سے کہ شاید پھر منہ دیکھنا اور وعائے خیر کرنا نصیب نہ ہو۔ جوق ورجوق آنے لگے، اور آن کی آن میں تقریباً پانچ لاکھ سو گوار انسانوں کا سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگا۔ یہاں تک کہ اس بے پناہ هجوم کے ریلے میں آدھی جان بحق ہو گئے۔ تابوت پر پھولوں کی بارش ہونے لگی، اور اندازہ کیا گیا کہ صرف بیرونی مالک کے سفیروں نے سترہ ہزار پھولوں کی چادریں پیش کیں۔

مقررہ وقت پر غم زدہ مردوں، عورتوں اور بچوں کے جگ رونا نالہ و شیون کے درمیان تابوت اٹھایا گیا اور انگوٹھ میں لے جا کر اس انسان بالائے انسان کے جسدِ مبارک کو آغوشِ احد میں لٹا دیا گیا۔ لیکن تجویز یہ ہے کہ تابوت کو اناطولیہ کے پہاڑوں میں منتقل کیا جائے جہاں کہ ہر سنگ ریزے سے گوشِ سنوا میں یہ آواز آرہی ہے کہ رحمت کے موتی برسیں اس کے مزار پر، اور قیامت کے دن شہنشاہِ کورین رصلم کی شفاعت کے طفیل جو روغلامان بڑھ بڑھ کر اس پیکرِ حریت و شجاعت کا جس نے دنیا میں قومِ ترکی کو موت و ذلت کے جہنم سے نکال کر زندگی و سرفرازی کی ابدی حجت میں داخل کر دیا اس کے بعد کوئی موزوں جگہ منتخب کر کے وہاں ایک عالی شان مقبرہ تعمیر کیا جائے، تاکہ اس کے درویدار زبانِ حال سے آئندہ نسلوں کو درس دیتے رہیں۔

ابر رحمت ان کے مرقد پر گہر باری کوے
حشر میں شانِ کریمی ناز برداری کرے

لے کمال اتاترک "معتقد استاد محمد رفیق ترجمہ کرم الہی خاموش ص ۲۸۶ تا ۲۸۷

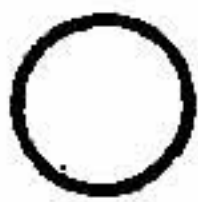
کمال انا ترک کے جہاد و آزادی اور فتوحات کی داستان تو بہت طویل ہے، اور اس
 کا یہاں موقعہ بھی نہیں، لیکن ہم اس مرد مجاہد کے منفرد کردار کو عمل صورت میں بلا مبالغہ بیان
 کریں تو کہہ سکتے ہیں کہ وہ یقیناً حکم، عزم و استقلال، خود اعتمادی، سعی سہم، اور توکل علی اللہ
 کا ایک فولادی پیکر تھا، اور وہ اپنے لائحہ عمل اور تسخیر مقاصد میں مخلوق سے کبھی ہراسا
 نہیں ہوا۔ اس کا ایمان تھا کہ خوف صرف ایک ہی ہستی سے جائز ہے، اور وہ اللہ تعالیٰ
 کی ہستی ہے۔ اس نے ترکوں میں علمی، ذہنی، اور شعوری بیداری ہی نہیں پیدا کی، بلکہ خود عملی
 مثال قائم کر کے انہیں ناقابل مقاومت مجاہد بھی بنا دیا۔ لہذا طرازِ عثمان کا یہ شعرا س کے
 ذہن کی صحیح ترجمانی کرتا ہے کہ:-

من آل علم و فراست با پر کلے نمی گیرم

کہ از تیغ و تبر بیگانہ سازد مرد غازی را

”ہیں اس علم و فراست کو گھاس کے ایک تنکے کے عوض بھی خریدنے کو تیار نہیں،

جو مرد غازی کو اس کے تیغ و تبر سے بیگانہ کر دے!“



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

محی الدین اورنگ زیب عالمگیر

درمیان کارزار فرودیں
ترکش مارا خندنگ اسخیں

اقبال

تعلیمات قرآن، ارشادات نبویؐ اور سیرت خفیلے راشدین سے واضح طور پر
ثابت ہے کہ دنیا کے کسی بھی ملک میں مسلمان فرمانرواؤں کا حقیقی مقصد حیات تبلیغ اسلام
اور اعلیٰ کلمۃ الحق ہے، اور اگر کسی مسلمان فرمانروا نے اس نصب العین کی عملی طور پر پیروی
نہیں کی، تو بلاشبہ وہ قرآن حکیم، تعلیمات رسولؐ اور روح اسلامی سے باوقا نہیں رہا، بلکہ
دنہی اور مادی اغراض و مقاصد ہی میں محو و مستغرق ہو کر صراطِ مستقیم سے منحرف ہو گیا یہی
کیفیت بالعموم شاہانِ تعلیم کی ہے کہ انہوں نے اپنے طویل دورِ حکومت و اقتدار میں نشرو
اشاعتِ اسلام، اور استحکامِ ملتِ بیفنا کو کوئی توجہ نہیں دی، لیکن ہوس ملک گیری،

راتِ نفس اور آپس کی سیاسی رستہ کشی میں ضرور الجھے رہے حکومت و اقتدار کے وسیع
 نفع رکھتے ہوئے اگر وہ منظم طور پر تبلیغ اسلام میں دلچسپی لیتے تو ہندوستان کی بیشتر آبادی
 مسلمانوں ہی پر مشتمل ہوتی، اور تقسیم ملک کی بجائے سرج یہ تمام پر جمعیت پاکستان ہی کا
 قیام پیش کرتا!

اس تمہید کا مقصد یہ ہے کہ شاہانِ مغلیہ میں اورنگ زیب عالمگیر جی ایک ایسی منفرد
 شخصیت ہے، جس نے ایک مسلمان فرزانہ کے حقیقی مقصد حیات اور کردار کو
 حلقہٴ سمجھ کر اسے عملی طور پر اپنایا۔ وہ شہنشاہ ہوتے ہوئے بھی درویش صفت رہا
 اس نے قوم کے بیت المال کو ذاتی اغراض کے لئے کبھی استعمال نہیں کیا، بلکہ اپنی
 محنت مزدوری ہی سے بسر اوقات کی۔ اس کی زندگی میں اسراف، تعیش اور فسق و
 مجور نام کو نہیں۔ وہ حقیقی معنوں میں متقی اور عادل بر شریعت تھا، اور دیگر تمام مسلمانوں
 کو بھی ہمیشہ اتباع شریعت اور تقویٰ کی تلقین کرتا رہا۔ اس نے زبان سے اس قدر
 تبلیغ اسلام نہیں کی، جس قدر عمل سے کی ہے، اور یہی زیادہ مؤثر اور کامیاب طریق تبلیغ
 ہے، جس کا اسلام نے شدت سے تقاضا کیا ہے۔ علاوہ ازیں اس مردِ حق اندیش نے
 دینی مدارس میں خاص دلچسپی لی، علماء کا معاون و سرپرست رہا، اور اقلیم ہند میں ہر طرف
 مبلغین اسلام بھیجنے کا خاص اہتمام کیا۔ وہ کفر و شرک اور بدعات کا اتہائی دشمن تھا۔

۱۵۔ آپ قرآن مجید کی کتابت اور کلاہ کی کرمانی کا کام کیا کرتے تھے۔ ۱۶۔ بدعات: وہ تمام اعمال
 رسوم جو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قطعی خلاف ہوں، اور جن کا سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں
 کوئی ثبوت موجود نہ ہو۔

اور فسق و مجرد کے اسباب فنا کرنے میں ساعی رہتا تھا۔ بعض لوگ عالمگیر پر محض اس لئے
معتز نہیں رہے کہ اس کی طبیعت میں تشدد و ہمت تھا، اور اس نے اختیار تو درکنار اپنی
کو بھی معاف نہیں کیا۔ یہاں پھر وہی سوال اٹھتا ہے کہ اس کا تشدد ذاتی اغراض کے لئے
تھا یا غیرتِ دین اور حفظِ ناموس میں شریعت کے لئے؟ — تاریخی حقائق شاید میں کہ
اونگنزیب عالمگیر کا تشدد، خواہ رشتہ وادوں سے ہو یا اختیار سے، صرف حفظِ دین
تعمری اور اتباعِ شریعت کے لئے تھا، لہذا اس کے سر تا پا اسلامی کردار میں سوج گئے
کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ علامہ اقبالؒ نے کیا خوب فرمایا ہے۔

اعتبارِ دو دو مان گورگاں
اور جو خانان گورگاں کے لئے و جہزت و قارتا
احترامِ شرع پیغمبرِ ازو
اور پیغمبرِ حق کی شریعت کو اس کی ذاتِ عزتِ جلیل
ترکش مارا خدنگِ سخریں
اس میں عالمگیر ہمارے ترکش کا آخوی تیرت
باز اندر فطرتِ دامو مید
اور پھر سے صدا کی فطرت میں باسح کرنے کی کوشش کی

شاہِ عالمگیرؒ گروہِ آستان
وہ شاہِ عالمگیرؒ کا آستانہ آسمان سے بلند تھا
پایہِ اسلامیات بر ترازو
مسئلوں کا رتبہ اس کی ذات سے بلند ہوا
درمیان کارزار کفر و دین
صح قوی ہے کہ کفر اور اسلام کے درمیان پہچان ہی تھا
تخم الحاد کے کہ اکبر پر ورید
الحاد کا بیج جو اکبر نے "دین الہی" سے بویا

لئے گورگاں لقب ہے شاہِ تیمور کا، جو شاہانِ مغلیہ کا جدِ امجد تھا۔ "گورگاں" کے لغوی معنی ہیں
وہ شخص جو لائق عیش و عشرت ہو۔

ملت مازہ فساد امین نمود
 اور ہماری قوم اعتقادی فسافات محضہ انہیں تھی
 اس فقیر صاحب شمشیر را
 وہ عالمگیر جو صاحب حکمت و اقتدار برکرمی طبعاً فقیر تھا
 بہر تعجب یہ یقین مامور کرو
 تاکہ وہ اس جگہ سے میں زمین دایمان کی توجہ دیکھے
 شمع دین در محفل مابرفروخت
 اور ہماری محفل تاجیک میں شمع دین کو دوبارہ روشن کیا
 وسعت اور اک اور نہ ٹسنا تھند
 اور اس کے فہم ماہاک کی وسعت کو سمجھنے کا چاہی
 چونکہ یہ عالم اندریں تہخانہ بود
 اور ہند کے بت خانہ میں اہل ایم سابت کھن تھا

ورصف شاہنشاہاں یکتاستے

و بادشاہوں کی مغتدیں بلا شہزادے مثال شخصیت ہے

فقرا و از تریش پیداستے

اور اس کا فقر اس کی تربت ہی سے نکلتا ہے

اب دیکھتا ہے کہ اس یکتائے روزگار شہنشاہ نے موت کا کیونکر استقبال کیا۔ اور

پنہا سخی ملاحظہ و نصلح میں مسلمانوں کے لئے اصلاح و عقائد و اعمال کا کیا ذخیرہ چھوڑا۔

مدرجہ ذیل کو لطف ملاحظہ ہو۔

شمع دل در سینہ ہاروشن بود
 اس کے باعث سینوں میں شمع دل روشن ہی تھی
 حق گزید از ہند عالمگیر را
 لہذا اللہ تعالیٰ نے ہندوستان سے عالمگیر کو متعجب کیا
 از پئے احمیائے دین مامور کرو
 پھلے سے ایمانے دین ہی کے لئے مامور و مختص فرمایا
 برق سعیش خرمین الحاد سوخت
 چنانچہ اسکی برقی تین نے خرمین کفر و الحاد کو جلا دیا
 کو رد و قال داستانہا ساحتند
 کو رد و قول کے متعلق کتنی ہی کہانیاں وضع کر لی ہیں
 شعلہ توجید را پر وانہ بود
 وہ مردوں میں تو شعلہ توجید ہی کا پر وانہ تھا

اورنگ زیب دکن میں مرہٹوں کے خلاف مصروف جنگ تھا۔ وہیں اس پر بجا ہوا
شدید حملہ ہوا۔ خان خاناں لکھتا ہے:-

”شہنشاہ کو بیماری نے آگھیرا۔ اس کے اعضا شدت و درد سے ٹوٹنے لگے، جس سے
مہم کی ناکامی کا شدید خطرہ پیدا ہو گیا۔ لیکن اس نے جو صلابت سے کام لیا، اور بدستور لوگوں
جو صلہ بندھاتا رہا۔ اس کے مرض نے طول کھینچا، اس پر بے ہوشی کے دورے پڑنے
لگے، اور وہ حماس کھو بیٹھا۔ ددور تک خوفناک افواہیں پھیلنے لگیں۔ دس بارہ روز تک
فوج اور کیمپ میں نہایت اضطراب طاری رہا، لیکن خدا کے فضل و کرم سے وہ قدر
اچھا ہو گیا، اور دربار عام میں گاہے گاہے رونمائی کرنے لگا۔ شہنشاہی لشکر دشمن کے
میں خیمہ زن تھا، جہاں نگر تھانہ گھاٹ۔ اگر وہاں ایسا سانحہ رونما ہو جاتا، تو باغی
کافروں کے پیارسی علاقے سے ایک جان بھی سلامت نہ بچ سکتی۔“
شہزادہ اعظم کے نام عالمگیر ایک خط میں خود لکھتا ہے:-

”میری بیماری سے ساری سپاہ خوفزدہ و پریشان ہے۔ وہ یہ نہیں سوچتے کہ حقیقتاً
فتح و شکست اسی مالک الملک کے ہاتھ میں ہے، اور اگر ان کی نیت میں اخلاص ہے
تو وہ ان کی مدد و اعانت کے لئے ہر وقت ان کے ساتھ ہے۔“ شہزادہ محمد اعظم ان دنوں
احمد آباد کا صوبہ دار تھا۔ باپ کی بیماری کا سن کر اسے شہنشاہ کے پاس پہنچنے کی
فکر و امن گیر ہوئی۔ اس نے والد کے پاس آنے کی اجازت چاہی۔ بہانہ یہ بنایا کہ اسے
احمد آباد کی آب و ہوا اس نہیں۔ اورنگ زیب نے اسے جواب میں لکھا کہ ”جب
شاہ جہاں بیمار تھا، تو میں نے بھی بالکل ایسا ہی خط اسے تحریر کیا تھا جس کے جواب میں
اس نے مجھے لکھا تھا کہ ”ہوائے نفس کے بغیر ہوا انسان کے مزاج کے موافق ہے۔“ اعظم

اعظم پر اس فہمائش کا کچھ اثر نہ ہوا۔ وہ بھاگا بھاگا شاہنشاہ کے حضور حاضر ہوا، جہاں اس کا چھوٹا بھائی کام بخش پہلے سے موجود تھا۔ باپ بستر مرگ پر دراز تھا۔ اور مصر بیٹوں میں وراثت کی جنگ جاری ہو گئی۔ اس کی فراست طبع اسے بتا رہی تھی کہ اگر وہ بے رنجیر شیر اسی طرح کھلے چھوڑ دیئے گئے تو اس کے فوت ہو جانے کے بعد فوج و وحشوں میں بٹ جائے گی اور رعایا میں بڑا انتشار برپا ہو جائے گا۔ چنانچہ اس نے کام بخش کو بیجا پورا اور مجرا اعظم کو مالوہ جانے کے احکام صادر فرمائے۔

شہزادہ کے چلے جانے کے بعد شاہنشاہ کی صحت بہت خراب ہو گئی، لیکن پانچ چھ روز شدید بیماری کے باوجود وہ فریضہ نماز یا قاعدہ ادا کرتا رہا۔ اس حالت میں حمید الدین خاں نے ایک خط پیش کیا جس میں نجومیوں کا یہ مشورہ درج تھا کہ شہنشاہ ایک ہاتھی اور چند جوہرات خیرات کرے جس کے جواب میں اورنگ زیب نے لکھا کہ ہاتھی مان کر تارہ پرستوں اور ہندوؤں کا رواج ہے۔ تاہم اس نے چالیس ہزار روپیے قاضی اعظم کو تقویٰ کئے کہ وہ انہیں محتاجوں میں بانٹ دے۔ اسی خط میں اس نے یہ بھی لکھا۔ بعد وفات اس خاک کے تیلے کو قریب ترین قبرستان میں لے چلو اور تھپیر و پکھن کی کسی بے فائدہ رسوم کے بغیر سپرد خاک کر دو۔ مرنے سے پہلے اس نے شہزادہ اعظم کو لکھا۔

”برٹھا پاپا پنچا اور کمزوری زود کر گئی۔ تو انانی میرے اعضا کا ساتھ چھوڑ گئی۔ میں تن تھا اس دنیا میں آبا تھلہ اور من تھا واپس لوٹ رہا ہوں۔ مجھے معلوم نہیں میں کون ہوں اور کیا کرتا ہوں۔ زہد و تقویٰ میں گزارے ہوئے دنوں کے

۱۵ یعنی میں اپنی ہستی کا کما حقہ عرفان حاصل نہ کر سکا۔

بغیر جو وقت بھی گزر رہے، وہ دکھ اور تاسف کی یاد ہے مجھ سے کسانوں
 کی بھلائی اور بہتر انتظام سلطنت کے متعلق کچھ بھی نہ ہو سکا۔ زندگی کا اتنا
 گراں بہا سرمایہ یوں ہی ضائع ہو گیا۔ میرا پروردگار میرے گھر میں تھا، مگر میں اس کی
 تجلیاتِ عظمت و جبروت کو نہ دیکھ سکا۔ دنیا نے دلوں کی زندگی عارضی و
 ناپائیدار ہے، اور اس کی وقتی دلچسپیوں میں محو ہو کر اپنے خالق و مالک سے غافل
 ہو جانا صریح حمایت و سفاقت ہے۔ اب ان دنوں کا بھی کوئی نشان موجود
 جو بیت گئے۔ مستقبل کا سہارا لا حاصل ہے۔ میرا بخارا ترک کیا ہے، مگر اس نے
 مجھ میں بدلیوں کے ناتواں ڈھانچہ کے بغیر کچھ نہیں چھوڑا۔ میرا فرزند کام بخش
 بیجا پور جا چکا ہے۔ پھر بھی وہ میرے قریب ہے، اور تم اس سے بھی قریب ہو
 یاد رہے کہ میں اس دنیا میں اپنے ساتھ کچھ نہ لایا تھا، اور اپنے گناہوں کے
 بوجھ کے سوا کچھ بھی ساتھ نہیں لئے جا رہا۔ میں نہیں جانتا کہ میں اعلم الحاکمین
 کے دربار میں کس سزا کا مستوجب ٹھہرا یا باؤ لگا۔ اگرچہ اس کی بخشش و کرم کا
 امیدوار ہوں، پھر بھی اپنے اعمال کی تباہی و پریشانی و سنگیرے پیرے پوتے
 بہادر کے میرا سلام الوداع کہنا، اور میری دلعزے خیر دینا۔ جانتے وقت میں اسے
 دیکھ نہ سکا۔ بلنے کی آرزو اور صوری رہ گئی۔ الوداع۔ الوداع۔ الوداع۔
 شہنشاہ کی بیماری شدت اختیار کر گئی، تو سلطنت کے ایک ہی خواہنے سے
 ذرا آرام کا مشورہ دیا۔ اورنگ زیب نے اسے جواب میں لکھا:۔
 مایک بادشاہ کا فرزند اور تخت نشین ہونے کی حیثیت سے مجھے اللہ تعالیٰ نے محض
 اپنے لئے جینے کو نہیں، بلکہ لوگوں کی فلاح و بہبود کے لئے نعمت کی خاطر بھیجا ہے۔ یہ میرا

فرض ہے کہ میں اپنے لئے مسرت و شادمانی کی فکر نہ کروں، میری مسرت و شادمانی تو یہ ہے کہ میں اپنی رعایا کی مسرت و شادمانی کا ہر وقت خیال رکھوں۔ سب دانشور اس بات پر متفق ہیں کہ یہ بادشاہ کا فرض ہے کہ مشکلات و خطرات میں وہ سیلنہ سپر رہے، اور اگر ضرورت پڑے تو تلوار ہاتھ میں لے کر ان لوگوں کی حفاظت کرتا ہو اور مرتے، چہ نہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے سپرد کیا گیا ہے۔“

تخت نشینی کے ۵۱ برس بعد بروز جمعہ ۲۱ فروری ۱۷۰۱ء کو وہ اس جہان فانی سے رخصت ہو گیا۔ اس وقت اس کی عمر نوے سال اور چھ ماہ تھی، اور وہ پچاس سال اڑھائی ماہ حکمرانی کر چکا تھا۔ اس کے فوت ہوجانے کے بعد اس کے سر لائے جو کاغذ برآمد ہوا، اس پر تحریر تھا:-

”میں جو لوہاں سینا ہوں ان کے معاوضہ سے پانچ روپے نوٹسٹل بیگ محل دار کے پاس دھریے ہیں۔ اس سے یہ رقم لے کر میرا کفن بنایا جائے۔ قرآن پاک کے نسخے لکھنے سے مجھے جو حاصل ہوتا رہا ہے، اس سے تین سو پانچ روپے میرے بیٹوں میں رکھے ہیں۔ انہیں میرے مرنے کے بعد محتاجوں میں بانٹ دیا جائے۔ اس کے علاوہ جس چیز کی ضرورت ہو اسے شہزادہ علی جاہ کے کاندھے سے حاصل کیا جائے۔ اس وقت میری اولاد سے وہی میرے پاس موجود ہے۔ اس لئے اچھے بڑے تجویز نگین کی ذمہ داری اسی پر عائد ہوتی ہے میرے جنازے کو سید روئے گزی کے کپڑے سے ڈھانپا جائے۔ اس پر کوئی چھتر نہ تانے۔ جب جنازہ نکلے تو باجے طوطیاں نہ بجیں، اور نہ ہی بالوز بلند مولو ڈپٹنے کی بدعت اختیار کی جائے۔“

مرتے دم تک اس کے تمام حماس درست و سلامت تھے۔ اس کا حافظہ اور
 قوت شناخت حیران کن طور پر صحیح و برقرار تھے۔ آخری دنوں ذرا اونچا سنان دیتے
 لگاتھا۔ اس کا بھی چند خاص مقررین کے سوا کسی کو علم نہ تھا۔ بروز وفات اس پیکر
 زہد و تقویٰ نے نماز سحر نہایت خشوع و خضوع سے ادا کی، اور کافی دیر تک یاد الہی
 میں مصروف رہا۔

اورنگ زیب کی آخری زندگی غم و آلام کا مرقع تھی۔ اس کی سب سے
 پیاری بیٹی جہاں زیب گجرات میں وفات پا گئی۔ اس کا باغی بیٹا اکبر جلاوطنی کی حالت
 میں پہلے ہی مرجھا گیا تھا۔ اس سے پیشتر شہزادی زیب اللہ نثار دہلی میں وفات پا چکی تھی۔ اور
 اب گوہر آرا بیگم اس کے مرنے سے ایک سال قبل اس جہان فانی سے رخصت ہو گئی۔
 گوہر آرا اس کے بھائی بہنوں میں آخری نشانی تھی۔ شہنشاہ نے اس کی خبر وفات سے
 تو ٹھنڈی آہ بھر کر بولا۔ ”آہ شاہجہان کی اولاد سے میں اور گوہر آرا ہی زندہ باقی تھے
 وہ بھی داغ مفارقت دے گئی۔“ اس نے اپنی وصیت میں لکھا:-

بد میرے احباب اور ورثا کو معلوم ہو کہ میں بے سہارا اس دنیا میں آیا، اور
 بے سہارا واپس جا رہا ہوں۔ تو شدہ عجبی کے لئے جیسے بھی ناقص اعمال ہیں،
 وہی نجات کا سہارا ہیں۔ میری اولاد میں جسے تخت نشینی حاصل ہو، وہ کام بخش
 کو ہرگز نہ ستائے۔ آزاد خاں سے بہتر کوئی وزیر نہیں۔ خادمان سلطنت میں
 دنیا ت خاں دیوان رکن سے بہتر کوئی فرد نہیں۔ میرے بعد میرے خاندانی ملازموں
 کو ہر طرف نہ کیا جائے، اور نہ ہی انہیں ستایا جائے۔“

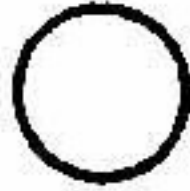
ابوالنظر محی الدین اورنگ زیب عالمگیر کو دولت آباد کے قریب خلد آباد میں دفن

کیا گیا، جہاں شاہزاری ظفر کے علاوہ کئی اور روحانی پیشوا پہلے ہی ابدی نیند سوئے ہوئے
 تھے حسبِ وصیت اس کے مزار کی سادگی و بے تکلفی، اور اس کے پس منظر اس کی
 درویشانہ زندگی و بچھڑ کر بلاشبہ کہنا پڑتا ہے کہ :-

در صفِ شاہنشاہان بخت است

فقر او از تربتش پیداست

دراقبال



مولانا محمد علی جوہر

لنگ بلند، سخن دل نواز، سجاں پر سوز
یہی ہے رشتِ سفر میر کارواں کے لئے

راقبال

آزادی ہند کی تاریخ میں مولانا محمد علی جوہر کی بے مثل قربانیاں اور مخلصانہ خدمات
غیر قافی اسناد قابل فراموش نہیں گی۔ آپ اس ملک کے لئے نہ صرف مکمل آزادی کے
سناہاں تھے، بلکہ بالخصوص مسلمان قوم کے لیے اس کے دیرینہ اور روانی حقوق خلافت
کے سرگرم طلبگار بھی۔ مولانا خلافت راشدہ کا احیاء محض مسلمانان ہند میں نہیں بلکہ تمام
اسلامی ممالک میں چاہتے تھے اور اس مقدس جہاد میں انہوں نے اپنا تین من دھن سب
کچھ وقف کر رکھا تھا۔

چنانچہ برطانویوں کے حلیفوں سے مولانا کے واضح اور غیر مبہم مطالبات یہ تھے کہ۔

۱۔ ملکی اور جغرافیائی بنا پر خلافت کے ٹکڑے نہ کئے جائیں، اور خلیفہ کو دین کی حفاظت کے لئے کافی دنیادی اقتدار و قوت حاصل ہو۔

۲۔ تمام عرب میں قطعی اسلامی حکومت ہو، اور اس پر کوئی محافظ یا گمان نہ ہو۔
رسول اللہ کے ارشاد کے مطابق بالخصوص جزیرۃ العرب میں غیر مسلم آباد نہ رہتے پائیں۔
۳۔ جس طرح خلفائے اسلام آج تک مقدس مقامات کے محافظ و کلید پر دار رہے ہیں، اسی طرح وہ آئندہ بھی رہیں۔

آزادی ہند اور مذکورہ بالا مطالبات کی تلقین اور نشر و اشاعت کے لئے مولانا نے متعدد بار یورپ کے مختلف ممالک کا سفر بھی کیا، اور وہاں کے باشندوں کو تقریباً تحریک کے فیصلے اپنے ہائز مطالبات کی اہمیت و معقولیت سے آگاہ بھی کیا۔ اکثر جگہ پبلک گوٹا اثر اور قائل ہوئی، لیکن فرانس کہ حکومت برطانیہ اپنے سامراجی اور سیاسی تقاضوں کی بنا پر قائل نہ ہو سکی۔ بہر کیف مولانا محمد علی نقیہ المثال عزم و استقلال اور جذبہ حریت رکھنے کے باعث کسی بھی مخالف و نامساعد صورت حال سے مایوس ہرگز نہیں ہوئے، بلکہ اپنے نصب العین کے لئے مسلسل جدوجہد جاری رکھی۔ ان مقاصد کے لئے آپ دو ”پرچے“ ”ہمدرد“ اور ”کامریڈ“ کے نام سے جاری کئے، اور ان کے فیصلے اپنے نظریات و مطالبات کی نشر و اشاعت فرماتے رہے۔ مولانا بلاشبہ اپنی قوم و ملت کے مستقل اور جداگانہ حقوق کے زبردست محافظ و موئد تھے اور اسی لئے ”خلافت“ کا واحد مقصد بھی یہی تھا کہ بحیثیت قوم مسلمانوں کے روایتی، ملی اور اجتماعی حقوق کیسے بھی تلف نہ ہونے پائیں۔ لیکن انہوں نے کانگریس سے الحاق کیا تو محض آزادی ہند کے نصب العین کے لئے، تاکہ ایک کثیر التعداد ہمسایہ قوم کے تعاون سے پہلے غلامی کی زنجیریں

نوکاٹ پھینکیں۔ اس جہاد آزادی کے دوران کئی مرتبہ آپ کو اسیر زنداں بھی کیا گیا، اور حالات کے نشیب و فراز میں اہل و عیال سمیت بڑے بڑے مصائب برداشت کئے۔ فرمایا کرتے تھے کہ ”قومی مصیبتوں نے ذاتی دکھوں کو اس طرح نکل رکھا ہے جیسے حضرت موسیٰؑ کے عصا نے جاودگروں کے سانپوں کو نکل لیا تھا“

چونکہ حصول آزادی کے لئے ہندو مسلم اتحاد برطانیہ کے لئے ایک زبردست خطرہ تھا، لہذا حکومت نے ”پھیوٹ ڈالواور حکومت کرو“ کی دیرینہ پالیسی کی بنا پر ایک بھی بوجہ سازش کے تحت ہندوستان میں ہر طرف مسلم فسادات برپا کرنے شروع کر دیئے، اور ان فسادات کے بانی وہی لوگ تھے جنہیں ذریت ابلیس کہا جاسکتا ہے اور جو ہر عہد میں ملک و ملت کے خداداد رہے ہیں!

پھر کیف فسادات سے مدلول قوموں میں انتہائی منافرت پیدا ہو گئی۔ اور قوموں کی جدائی کے ساتھ ہی ساتھ مولانا کو بھی کانگریس سے بے تعلق ہونا پڑا۔ کانگریس سے علیحدگی :-

مولانا محمد علی بیارٹھے اور اپنا اعلان کرانے یورپ گئے ہوئے تھے کہ ہندوستان کی سیاسی فضا کے رنگ کو دیکھ کر وہ علاج سچ ہی میں پھوڑ کر واپس آ گئے۔ انہوں نے آئے ہی نہرو رپورٹ کی مخالفت کی۔ پیر پورٹ شائع ہوئی تو ہندو مسلم سنگٹے اور بھی بڑھ گئے لیکن کانگریس نے مولانا محمد علی کی زبردست مخالفت کی بھی پروا نہ کی اور نہرو رپورٹ منظور کر لی۔ اس پر مولانا کانگریس سے اور بھی بدول ہو گئے۔

وہ کانگریس کی مخالفت پر اس لئے تل گئے کہ اس نے نہرو رپورٹ کو منظور کر کے مکمل آزادی کے آدرش کو چھوڑ دیا، اور مسلمانوں کے مطالبے بھی منظور نہ کئے۔ مولانا نے اس

واقعہ پر ایک درونک بیان شائع کیا۔ اس بیان میں انہوں نے کانگریس سے اپنی مخالفت کے جوہ پوری تفصیل سے بیان کئے، اور کانگریس کا ساتھ چھوڑ دیا۔

مسلم کانفرنس :-

کانگریس کو چھوڑنے کے بعد مولانا محمد علی مسلمانوں کی تمام جماعتوں کی کانفرنس میں شریک ہوئے۔ یہ کانفرنس سر آغا خان کی صدارت میں دہلی میں منعقد ہوئی۔ قوم پرست مسلمانوں نے اس میں شریک ہونے سے انکار کر دیا۔ سر محمد شفیع اس کانفرنس کے روحِ معانی تھے۔ مولانا اور سر محمد شفیع ایک دوسرے کے سیاسی مخالف تھے، لیکن مسلمانوں کے اجتماعی مفاد نے ان میں سمجھوتہ کرادیا۔ سر محمد شفیع نے مسلمانوں کے مطالبات واضح کئے، اور اعلان کیا کہ اگر انہیں منظور نہ کیا گیا، تو مسلمان کسی آئین کو قبول نہیں کریں گے۔

مولانا محمد علی نے اس قرارداد کی حمایت کی، اور فرمایا کہ میں انگریزی حکومت سے بیزار ہوں۔ میں دوسروں کو مجبور نہیں کرتا کہ وہ میرے ہم خیال ہو جائیں۔ میں قوم و ملت کے جائز مطالبات ٹھکرائے جانے پر انگریزی حکومت سے اس قدر بیزار ہوں کہ مجھے انگریزوں کی غلامی سے نجات حاصل کرنے کے لئے ہندوؤں کی غلامی بھی قبول کرنی پڑے، تو میں اسے قبول کر لوں گا۔ اس کے بعد انہوں نے کہا کہ ”میں نے ابھی تک صلح کا دروازہ بند نہیں کیا۔ میں صلح کو پسند کرتا ہوں، اور امن و اتحاد کا حامی ہوں، بشرطیکہ اس میں میری اپنی ملت کے مفادات اور غیرت و حمیت کو صدمہ نہ پہنچے۔“ ان کا اشارہ ہندوؤں کی طرف تھا۔

آخری سفر :-

بالآخر برطانوی حکومت نے ہندو اور مسلم رہنماؤں کی ایک گول میز کانفرنس لندن میں بلائی، تاکہ دونوں فریق آپس میں کسی سمجھوتے پر پہنچ جائیں تو انہیں کچھ سیاسی اختیارات

دے دیئے جائیں۔ مولانا محمد علی عرصے سے بیمار تھے، لیکن وہ اس کانفرنس کی اہمیت کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ وہ عرصہ دراز کی بیماری اور کمزوری کے باوجود انگلستان گئے انہوں نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے نمائندوں میں سمجھوتا کرنے کی بہت کوشش کی، لیکن انہیں کامیابی نہ ہوئی۔ اس کے باوجود انہوں نے ایک ایسی تجویز تیار کی تھی جسے دونوں فریق قبول کر لیتے، لیکن عمر نے وفات کی۔

مولانا محمد علی نے گول میز کانفرنس کے سامنے جو تقریر کی، وہ ہندوستان کی تاریخ میں سنہری حروف سے لکھی جانے کے قابل ہے، کیونکہ ان کی اس آخری تقریر کا ہر لفظ صداقت، حریت پسندی اور حب الوطنی کے مقدس جذبات سے لبریز ہے۔ انہوں نے برطانیہ کے ابواب حکومت سے خطاب کرتے ہوئے کہا:-

میں آپ سے تو آبا دیات کا درجہ لینے نہیں آیا ہوں۔ میں مکمل اور مستقل آزادی کے حقیقے کا پابند ہوں۔ میں آج جس مقصد کے لئے یہاں آیا ہوں وہ یہ ہے کہ میں جب اپنے ملک کو واپس جاؤں تو آزادی کا منشور میرے ہاتھ میں ہو، میں غلام ملک میں لوٹ کر نہیں جاؤں گا جیسا کہ غیر ملک میں جیسے آزادی کا شرف حاصل ہے، غلامی کے مقابلے غربت کی موت منظور ہے۔ اگر آپ مجھے ہندوستان کی آزادی نہیں دیں گے، تو پھر آپ کو مجھے یہاں قبر کے لئے جگہ دینی پڑے گی۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا، اور قدرت کو ان کی حریت پسندی اس قدر محبوب ہوئی کہ وہ ایک غلام ملک میں زندہ واپس نہ آسکے۔ ڈاکٹروں کے مشورے کے باوجود مولانا محمد علی نے آرام نہ کیا، اور آزادی کے حصول میں ہر ممکن طریق پر جدوجہد کرتے رہے۔ نکلان اور کمزوری

درد بردھ گئی، اور باون سال کی عمر میں یہ "ٹوٹی ہوئی کشتی کا ملاح" دفعۃً ہمیشہ کی نیند سو گیا۔
 "آخری دم تک مکمل آزادی" کے نصب العین سے دست بردار نہ ہو سکا، حتیٰ کہ
 بدغلامی، خود بخود ختم ہو گئی :-

قید ہے قیدِ غلامی، اور برس کی قید کیا

دیکھو کب ہو خاتمہ اس قیدِ بے میاں کا! (جو ہرگز)

ایک اور شعر فرماتے ہیں:

میرے ہونے سے خاکِ وطن لالہ زار دیکھا

اسلام کے چین کی خزاں میں بہا دیکھا

مولانا محمد علی کی وفات سے تمام اسلامی دنیا میں کہرام مچ گیا، اور ہر مسلمان کے گہرا
 درد محسوس کیا۔ اس لیے یہ پایا کہ ملتِ بیضا کے اس جلیل القدر قائد اور پیکرِ حریت کو
 بیت المقدس میں سپردِ خاک کیا جائے۔ چنانچہ سوانی جہاز کے ذریعہ ان کی لاش وہاں
 پہنچائی گئی، امداد آپ کو سرزمینِ انبیاء میں دفن ہونے کی قابلِ رشک سعادت نصیب
 ہوئی۔ ذالک فضل اللہ یؤتہ من یشاء

علامہ اقبال نے مولانا کے سانحہ ارتحال پر ان کے شایانِ شان کس قدر رقت انگیز

نظم ارشاد فرمائی ہے:

محمد علی

یک نفس جانِ تنارِ او تپیداندر فرنگ
تا مژده بر رسم ز نیم از ماه و پروین در گذشت
لبے خوشامشتِ غبارِ او که در جذبِ حرم
از کنارِ اندلس و از ساحلِ بربر گذشت
خاکِ قدس او را به آغوشِ تنادور گرفت
سوزے گردولِ رفت زان راسکے سیر گذشت
منہ گنجِ جزبہ آلِ ملکے کہ پاک از رنگ و بوست
بنده کو از تمیزِ اسود و احمر گذشت
جلوہ او تا ابد باقی بہ چشمِ آسیاست
گر چه آلِ نورِ نگاہِ خاور از خاور گذشت

اقبال

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
علامہ سید جمال الدین افغانی

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر انجالب کا شفر

واقبال

کلام اللہ کی متعدد آیات اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ حقیقت پے در
پے واضح کی گئی تھی کہ مسلمانوں کے عروج و ترقی، آزادی، اقتدار، حکم و غلبہ، اثر و نفوذ
اصلی استحکام و استقلال کی بنیاد عالمگیر اخوت و اتحاد پر رکھی گئی ہے اور اس اتحاد
و یک جہتی کے بغیر زوال و تنزل یقینی ہے۔ چنانچہ تاریخ میں مسلمانوں کے عروج و زوال
کی علی طور پر تصدیق کر دی جب تک ان میں اخوت و اتحاد کا جذبہ رہا، وہ ہر جگہ
آزاد و مختار اور صاحب حکومت و اقتدار رہے، لیکن جوں جوں نفاق و اختلاف پیدا
ہوتا گیا تو انوں وہ غلامی، اقتصادی بد حالی، اذیت و ذلت و کسبت میں مبتلا ہوتے چلے گئے

قرآن حکیم میں ملت کے اجتماعی اتحاد و اتفاق اور اخوت و مروت کی جو عظمت و اہمیت اور افادیت بیان کی گئی ہے اسے اجاگر کرنے کے لئے یہاں بعض آیات و سوج کی

جاتی ہیں

وَأَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا
وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ
اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ
أَعْدَاءً فَآلَفَ بَيْنَ
وَأَنْتُمْ قُلُوبُكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ
بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا

پ (۱۶)

أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ
وَلَا تَنَازَعُوا فِيهِ لِيَكُونَ
وَتَذَاهِبَ رِيحُكُمْ
وَأَصْبِرُوا إِنَّ اللَّهَ
مَعَ الصَّابِرِينَ

پ (۱۶)

اے مسلمانو! سب کے سب مل کر اللہ کی رسی (قرآن حکیم) کو مضبوطی سے پکڑ لو۔ اللہ عزت و کرم کے بعد آپس میں نفاق و اختلاف مت پیدا کرو۔ اور خود پر اللہ تعالیٰ کی وہ نعمت یاد کرو کہ جب تم اسلام سے پیشتر ایک دوسرے کے دشمن تھے، تو اس نے (بعد قبول اسلام) تمہارے دلوں کے درمیان محبت و الفت پیدا کی اور تم سب اس کے فضل و کرم سے آپس میں بھائی بھائی ہو گئے۔

اے مسلمانو! اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی کامل فرما بزرگاری کرو، اور آپس میں دوینی باہمی

موضوعات پر جھگڑا اور نفاق مت پیدا کرو، کیونکہ

اس طرز عمل سے تم بہت ہمت اور پراگندہ ہو جاؤ گے اور دشمنوں کے مقابل تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔

اور صبر سے کام لو، کیونکہ اللہ تو صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

پ (۱۶)

یہ یعنی عقائد اسلام پر متفق ہو کر قرآن کے اوامر و نواہی پر عمل کرو۔

اے مسلمانو! ان لوگوں (یہود و نصاریٰ) کی مانند مت
 ہو جاؤ جنہوں نے حق کے متعلق اللہ تعالیٰ کی واضح
 نشانیاں پالنے کے بعد بھی آپس میں نفاق پیدا کیا اور
 دین میں طرح طرح کے مصنوعی اختلافات وضع
 کر لئے، اور ایسے تفرقہ انگیز لوگوں کے لئے بڑا
 عذاب ہے۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا
 وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ
 مَا جَاءَهُمُ
 الْبَيِّنَاتُ قَالُوا لَكِنَّا
 لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ
 (پ: ۱۴)

بلاشبہ دنیا کے تمام مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں، لہذا
 آپس میں محبت و اخوت کے جذبات کو فروغ دوا اور
 مسلمانوں کے درمیان صلح کرا دیا کرو۔ اللہ سے ڈرتے
 رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ
 فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخْوَابِكُمْ
 وَأَتَقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ
 تَرْحَمُونَ
 (پ: ۲۶، ۱۴۳)

اے انسانو! ہم نے تم سب کو ایک مرد آدمی، اور ایک
 عورت ریحما سے پیدا کیا، اور ہم نے تمہیں مختلف ذاتیں،
 ہمدردیاں اور قبیلے مفضل اس لئے بنا یا کہ تم ایک دوسرے
 کو پہچان سکو، لہذا اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو تم میں سے
 وہی شخص زیادہ معزز و محترم ہے جو زیادہ نیکو کاموں
 پر پیشگام رہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے عمل سے خوب متاثر ہوا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ
 مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ
 شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا
 إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ
 أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ
 عَلِيمٌ خَبِيرٌ (پ: ۱۴۳)

چنانچہ علامہ سید جمال الدین افغانی مسلمانان عالم کے اسی کامل اور مستقل اتحاد کے
 زبردست داعی تھے اور مسلمانوں کے درمیان رشتہ اخوت و اتحاد کو محکم و پابندہ کرنا
 انہوں نے اپنی زندگی کا واحد نصب العین بنالیا تھا۔ ان کا عقیدہ تھا کہ جب تک تمام
 ممالک اسلامیہ کے درمیان بے لوث اور مخلصانہ اتحاد پیدا نہیں ہو جاتا، ہر قسم کے معاشرتی
 اقتصادی، اجتماعی، اور سیاسی نقائص موجود رہیں گے اجماع کی غلامی اور زوال و ذلت
 پیش ہوں گے۔ لیکن مدح اخوت و اتحاد کے مستحکم ہوتے ہی تمام انفرادی اور اجتماعی معائب
 از خود نیست و نابود ہو جائیں گے۔ اپنے اسی مقدس مشن کی تشریح و توضیح، نشر و اشاعت
 اور تعمیل و تکمیل کے لئے انہوں نے متعدد بار بلاد اسلامیہ مثلاً حجاز، مصر، ترکی، ایران،
 بغداد، بصرہ، قسطنطنیہ وغیرہ بھی تشریف لے گئے۔ ہندوستان کا دورہ بھی کیا، اور پھر لندن
 پیرس اور جرمنی کی سیاحت بھی کی۔ تاکہ وہاں کے سیاستدانوں، ادیبوں اور دانشوروں
 پر اپنی قوم کے فطری، تمدنی اور دعائیتی حقوق آزادی و اتحاد کو واضح کرتے ہوئے اپنے موقف کے
 لئے تائید و حمایت حاصل کریں۔

بالآخر سلطان عبدالحمید والی ترکی نے جسے اپنے خصوصی نقائص و معائب اور سیاسی
 کمزوریوں کی بنا پر ان کے مشن سے انتہائی خوف و خدشہ رہتا تھا، انہیں نظر بند کر دیا، اور ان
 پر ایسی ناروا پابندیاں عاید کر دیں، جن کے خلاف اس ضعیف حق کو تادم و الپسین رنج و شکوہ
 رہا۔ سلطان عبدالحمید یہ چاہتا تھا کہ وہ اس کے ذاتی نقائص و معائب اور حکومت کے زوال
 انحطاط سے متعلق تحریروں و تقریریں کچھ نہ کہیں، اور خاموشی اختیار کریں، لیکن سید صاحب
 جیسا حق آگاہ اور حق گو شخص محض سلطان سے خائف ہو کر یہ پابندی کیونکر قبول
 کر سکتا تھا؟

آئین جواں مردان حق گوئی و سبے باکی

اللہ کے شیعروں کو آتی نہیں رو باہی! (اقبال)

کفار اور مشرکین تو آغاز اسلام ہی سے مسلمانوں کی عالمگیر اخوت اور اتحاد و اتفاق کے دشمن رہے ہیں، اور اس نصب العین کے خلاف طرح طرح کی سازشیں کرتے رہے ہیں، لہذا اگر انہوں نے علامہ جمال الدین افغانی کے مشن کی تعمیل میں ان سے تعاون نہیں کیا، تو یہ چنداں تعجب کی بات نہیں، لیکن دیکھنا یہ ہو گا کہ خود مسلمان حکمرانوں نے جن پر ملت کی تعمیر و ترقی کا انحصار ہوتا ہے، ان کے مقدس مقاصد سے کہاں تک تعاون کیا، اور اس جدوجہد میں ان کی کسی قدر جوصلہ افزائی کی۔ اس کا جواب خود ان کے حسرتناک الفاظ میں پیسے کہ :-

”کیا ہی اچھا ہوتا کہ میں اپنے پھل لانے والے بیج سلطنت و حکومت کی سرزمینِ شوره زار میں بکھیر کر انہیں بر باد و لا حاصل نہ کرتا، افسوس کہ میں نے سلطنت کی کھیتی میں جو کچھ لویا، وہ نمودار اور بار آور نہ ہو سکا، کیونکہ یہ زمین ہی میری تخم ریزی کے ناقابل تھی۔ عمر گزشتہ کی طویل جدوجہد میں میری خیر خواہانہ کوشش اور مصلحانہ آواز سلاطین مشرق کے کانوں میں نہ اتر سکی، اور سب کو اتباع ہوا و ہوس اور جہالت قبولِ مشورہ سے مانع رہے“

مرض الموت اور وفات :-

نظر بندی اور پریشانی کی اس حالت میں یہ صاحب مرض سرطان میں مبتلا ہوئے ڈاکٹر جمیل پاشا ان کے معالج تھے۔ صحت یابی کے لئے ان کے دانت نکال دیئے گئے، لیکن اس کے مرض پھر زور پکڑ جاتا۔ اس حالت میں آپ نے علاج کی غرض سے دبانہ

جلنے کی اجازت طلب کی، مگر سلطان نے اجازت نہیں دی۔ آخر چند روز مرض کی تکلیف برداشت کر کے ۹ مارچ ۱۸۹۷ء کو انتقال فرمایا۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔
 بوقت وفات ان کی عمر سن عیسوی کے حساب سے ۸۸ سال اور سن ہجری کے حساب سے ۱۰۷ سال ہوئی۔ انتقال سے پیشتر ان کے الفاظ یہ تھے :-

”مشرق کی آزادی اور ممالک اسلامیہ کے اتحاد کے متعلق اگرچہ میرا خطاب میری زندگی میں شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکا، لیکن مجھے یقین ہے کہ بعد وفات مستقبل قریب میں میری یہ آرزو عملی جامہ پہنے گی۔ صاحب نیت کے معدوم ہو جانے سے نیت ہرگز معدوم نہیں ہو سکتی، اور اس کا عمل بلا استقلال جاری رہے گا۔“

نظر بندی کے زمانہ میں اس فقید المثال اور ناقابل فراموش داعی اتحاد نے اپنے ایک ایرانی دوست کو خط لکھا تھا، جو غالباً ان کا آخری خط تھا۔ یہ خط ان کے نفس کی باطنی کیفیات، ان کے بلند ارادوں اور ان کے اسلامی جذبات و افکار کا ایک مجملہ آئینہ ہے۔ اس خط میں جو ان کے خلوص اور افکار عالیہ کا آخری مظاہرہ ہے، ان کے الفاظ ایک آخری وصیت کا وزن رکھتے ہیں :-

”میں یہ خط ایک ایسے موقع پر اپنے محبوب دوست کی جانب لکھ رہا ہوں جب کہ میں صرف سلطان اور اس کے رفقاء کی مجلس میں محبوس، اور دوستوں کی ملاقات سے محروم ہوں۔ ایسے ماحول میں نہ تو مجھے آزادی اور خود مختاری کا انتظار ہے، اور نہ دنیا کے ذوق میں طویل زندگی کی خواہش ایسے حالات میں نہ تو میں اپنی گرفتاری پر حیران و مضطرب ہوں، اور نہ

سلطان مبارک کے ہاتھوں قتل کئے جانے پر خوفزدہ ہو کر ملت اسلام اور دعوت
 اخوت و اتحاد کے جوہر پر تہایت مسرور ہوں قید و عیس میں اور مظلوموں
 قتل کئے جانے پر۔ میں محبوس ہوں تو صرف آزادی نوع کے لئے، اور اگر
 قتل کیا جاؤں گا تو حیات قوم و ملت کے لئے، لیکن مجھے رنج و افسوس
 اس چیز کا ہے کہ میں جس مقصد کی تعمیل کا آرزو مند تھا، اس کی تعمیل انتہائی
 جدوجہد کے باوجود اب تک نہ ہو سکی، اور میرے مخاطبین کی سقاوت و بختی
 نے انہیں اتنی توفیق نہ دی کہ میں سرزمین مشرق کی عام بیداری دیکھ سکوں،
 اور ان کے دستِ جہالت نے اتنی فرصت نہ دی کہ حلقہ مشرق سے
 صدائے آزادی سن سکوں۔ اے کاش! میں بادشاہوں اور فرمانرواؤں
 کو مخاطب کرنے کی بجائے قوم و ملت اور عوام الناس کی قابل و زرخیز
 کھیتی میں اپنے انکار کے بیج بکھیرتا۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ میں اپنے پھل لانے
 تخم ہائے افکار سلطنت و حکومت کی زمین شورہ زار میں بکھیر کر انہیں برباد
 لا حاصل نہ کرتا۔ افسوس کہ میں نے سلطنت کی کھیتی میں جو کچھ بھی لوبیا اور نمونہ
 اور بار آور نہ ہو سکا، کیونکہ یہ زمین ہی میری تخم ریزی کے ناقابل تھی۔ عمر گذشتہ
 کی طویل جدوجہد میں میری خیر خواہانہ کوشش اور مصالمانہ آواز سلاطین مشرق
 کے کانوں میں نہ اتر سکی، اور سب کو اتباع ہوا۔ ہوس اور جہالت قبول مشورہ
 سے مانع رہے مجھ ایران سے خاص توقعات تھیں، لیکن انہوں نے بھی میری
 بے غرض محنت و کوشش کا اجر ذاتی رنج و غضب سے ضائع کر دیا، اور ہزاروں
 وعدے کر کے مجھے اعلیٰ تم ترکیہ کی جانب روانہ کیا۔ الغرض، ایران ہو یا ترکیہ،

ان لوگوں نے مجھے محض اپنے غیظ و غضب سے مرعوب کر لینا چاہا، اور
اس حقیقت سے غافل رہے کہ کسی کا بھروسہ و تشدد و جبہ انہدام نیت نہیں
ہو سکتا، اور حادثات روزگار احکام و افعالِ حق کو ضبط نہیں کر سکتے۔
لہذا میں آپ جیسے گرامی قدر دوست سے یہ توقع رکھتا ہوں کہ آپ میرا یہ
آخری خطا پران میں میرے ہم مسلک و ہم خیال دوستوں تک پہنچائیں، اور
ان سے زبانی بھی عرض کریں کہ آپ لوگ ہی ایران کا بختہ میوہ ہیں۔
لہذا بیداری ایران کے لئے کمر بستہ باندھ کر اٹھ کھڑے ہوں، اور حکومت
کے قید و حبس اور قتل و قتال سے مرکز خائف نہ ہوں۔ آپ لوگوں کو نہ
تو باشندگان ایران کی عام جہالت سے شکستہ خاطر ہونا چاہئے، اور نہ
سلاطین کی مذموم و وحشیانہ حرکات سے مرعوب و مغلوب۔ آزادی و خوشحالی
کے لئے تیر رفتاری سے کوشش کیجئے، اور اپنی کوشش میں چالاکی،
دورانہ نشی اور سلیقہ مندی کو اپنا شعار بنائیے۔ طبیعت آپ لوگوں کے
موافق ہے، اور حق تعالیٰ اس نیک مقصد میں مددگار ہے۔ میری یہ بات
مرکز نہ بھولے کہ ایک سبیل تجدید و اصلاح انتہائی تیزی سے مشرق کی طرف
جاری ہے، اور اس کے ناقابل مقاومت حملوں کے سامنے مطلق العنان
حکومت کی بنیادیں منہدم ہو جانے والی ہیں۔ لہذا آپ لوگوں کو یہ سعادت
کیوں حاصل نہ ہو کہ آپ کے ہاتھوں قصر استبداد کی بنیادیں اکھڑ جائیں
وہ موانع جو آپ اور آپ کے نصیب العین کے درمیان حائل ہیں،
ایمان محکم اور سچی پیہم سے رفع ہو سکتے ہیں!

اس خط کے اختصار و اجمال میں سید صاحب نے اپنی زندگی کے فلسفہ کی پوری شرح و توضیح کر دی ہے۔ یہ ان کی آخری وصیت، آخری پیغام، آخری آواز اہل نظر کے دلوں میں تقریباً تیسٹھ برس کے بعد آج بھی گونج رہی ہے سننے والے اس کو سن رہے ہیں، اور "سیل تجہید" کے ساتھ بڑھنے والے بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ ایشیا کا بیشتر حصہ آزاد ہو چکا ہے، شہنشاہیت کا جادو ہر ملک میں ٹوٹنے لگا ہے، جمہوریت اپنی قدرتی اور فطری اقدار کے ساتھ قیام پذیر ہو رہی ہے، اور انجیا کی پے در پے ٹھوکریں کھانے کے بعد اسلامی ممالک عالمگیر اخوت و اتحاد کی قدر و قیمت سمجھنے لگے ہیں اور جمال الدین افغانی کا خواب اپنی پوری تجلی و تابانی کے ساتھ ہر خطہ و مشرق میں تعبیر و اظہار کا جامہ پہن رہا ہے سبب ہنگامہ محفلِ موجِ خواب ابدی ہے، مگر وہ محفل بدستور قائم ہے اور اس کی آرائش و تزئین کی جا رہی ہے۔ لہذا پیغمبرِ اتحاد کا یہ حکیمانہ قول ہر گوشِ حقیقت نیوش میں آج بھی گونج رہا ہے۔

وَالْعَدَامُ صَاحِبِ نِيْتٍ اَسْبَابُ الْعَدَامِ نِيْتٌ نَمِي شُو وَا
 ترجمہ: صاحبِ نیت کے معدوم ہوجانے سے نیت ہرگز معدوم نہیں ہو سکتی۔
 یہی وہ یقینِ محکم تھا جو پاٹھوں کی چوٹیوں پر اور سمندر کی طوفانی موجوں میں
 جمال الدین کو سرفراز لے گیا، اور معائب و موانع اس کے پائے عزم و استقلال میں لغزش
 پیدا نہ کر سکے۔ وہ جسدِ خاکی فانی ہو چکا، مگر اس کی روحِ فعال ہمیشہ زندہ ہے!
 بالآخر افادہ عام کے لئے آپ کے چند اقوال و سچ ذیل کرتے ہیں:-
 ۱۔ جب آپ مصر سے جا رہے تھے، تو شاگردوں میں سے کسی نے کہا:-
 "آپ اپنی یادگار کے طور پر کوئی کتاب تصنیف کیجئے!" آپ نے جواباً فرمایا:

نہیں کتابیں لکھنا نہیں، بلکہ میں زندہ کتابیں تصنیف کر رہا ہوں۔

۲۔ مسلمانوں کے زوال و انحطاط کے متعلق اہل یورپ سے شکوہ

کرنا، یا انہیں سبب زوال سمجھنا بالکل غلط ہے۔ درحقیقت مسلمانوں

کے زوال و ذلت کا باعث ان ہی کے اندرونی انحطاط فاسدہ، اور

فکر و عمل کی خامیاں ہیں۔

۳۔ ”حق وہ ہے جو محکم دلائل و براہین رکھے، اور محض انسانی تصورات

مفروضات پر مبنی نہ ہو۔“

۴۔ اہل حلال اور صدق مقال مومن کی دو واضح علامتی صفات ہیں۔ جو

شخص رزق و روزی میں حلال و حرام کا امتیاز نہیں کرتا، اور اپنی گفتار میں

خوف سلطان یا مصلحت وقت کے تحت جھوٹ بولتا ہے، اسے مومن

سہرگز نہیں سمجھا جاسکتا۔“

۵۔ نوجوانوں کے لئے ادب و تہذیب زبور کمال ہے لیکن ادب و تہذیب

ہی پورا کفکار کے علم و عمل کے کمالات حاصل کرنے میں غفلت و تساہل

کرنا بھی دوں بہتی اور پست فطرتی کی دلیل ہے، کیونکہ علم و عمل کے لئے

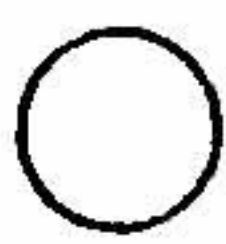
حیات انسانی میں کوئی انتہا نہیں۔“

۱۔ مطلب یہ کہ میں مسلمانوں کے قلب و دماغ میں حریت و آزادی اور عالم گیر اخوت

اتحاد کے لئے قلم ریزی کر رہا ہوں۔ جہاں بھی جو ہر قابل ہوگا، میرے پیغام کو قوت

سے عمل میں لائے گا۔

حکام وقت یا باہل و بد عقیدہ لوگوں کی ملامت سے مخالف ہو کر اسلام
کے ابدی حقائق بیان نہ کرنا، قوم و ملت کو ہمیشہ ذلت و تنزل میں رکھنا
سے۔ دین حق اور مسلمانوں نے جب بھی عروج پایا ہے، حق کو اجڑی اور متقی
لوگوں کی بے لوث خدمات سے پایا ہے۔



میں نے اس کتاب کو لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ

ذوالفقار سلطان پرویز پرٹویش کے نقوش پر لیس لاہور سے چھپوا کر دارالابلاغ لاہور
سے شائع کی۔

اے ماخوذ از آثار جمال الدین افغانی "از قاضی محمد عبدالغفار علیہ السلام" بمطبعہ انجمن ترقی اردو

رموز زندگی

اس تحفہ روزگار کتاب میں انسان اور معقول انداز میں انسان کی ذہنی
 اہلیوں کو رفع کرتے ہوئے کامیاب و خوشحال زندگی کے اصول اور منکشف کئے
 گئے ہیں۔ علم النفس کے نفع بخش اور صحت مند اصول و ضوابط کو بہ عنوان کے
 تحت ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے۔ یہ ایسے مفید ترین مشرقی و مغربی طریقے کا مجموعہ تصور
 کیا جائے۔ مضامین کے عنوان پر خط ہوں۔

- ۱۔ صلاحیت کا پرورش اور خود اعتمادی
- ۲۔ صلاحتیت کا پرورش اور خود اعتمادی
- ۳۔ شخصیت و کردار اور ان کا پرورش
- ۴۔ ضبط نفس کے اصول و قواعد
- ۵۔ تنظیم کاروبار
- ۶۔ دولت و وقت - بروقت حافطہ کی تربیت
- ۸۔ اپنی تعلیم آپ

نہایت ہی مفید اور کارآمد کتاب

تخریر و گفتگو کا فن

جلسی زندگی میں انسان کی عزت و عظمت تخریر و گفتگو سے ہے۔ یہ علم المثال کتاب
 بتا سکتی کہ انسان فطری قوتوں کو کس طرح عملی جامہ پہنا کر روزمرہ کی زندگی میں
 پروان تخریر اور دلچسپ و دلنشین گفتگو اور تقریر کر سکتا ہے۔
 قابل قدر کتاب

دارالبلاد - محمد نگر - اقبال روڈ - لاہور

زہدانی دہشت و دیدار و دیگر کتابیں

۲/-	خون مزدور	۵/-	معرکہ بدر	۲/-	روز باغبانی	خواجہ بیدار السلام فروغی
۲/-	خواب جوانی	۴/۵۰	زنگیلا تاجدار	۲/-	فن کاشت زرکاری	کی تصانیف
۶/۵۰	سیدھی لکیر	۲/۵۰	رقص ابیس	۲/-	غذائی اجناس	جمال زندگی
۲/۵	دیر قوم	۲/-	خون مسلم	۱/۵۰	قیمتی فضلیں	ایم اسلم اور
۶/-	چراغ محفل	۹/-	نغمہ	۱/۵۰	روحانی بیج اور ایس	اس کا ادب
۲/۵۰	رقص ہنسار	۱۰/-	ممتاز	۵/-	سید دور ناول	فضل محمود کرکٹ
۵/-	میری کہانی	۴/۵۰	ریحانہ	۶/-	ایم ایم کے چھپ ناول	طاقت و صحت اور درازی عمر
۴/-	بچوں کی	۴/-	شمس	۶/-	فنتہ و آثار	طیب مرعی خانہ
۲/۵۰	بارہ کتابوں کا سٹ	۶/-	سادن	۴/۵۰	غزالہ صحرا	تجارتی مرعی خانہ
۵/-	نشان محفل	۵/-	راوی کے زمان	۵/-	خون شہیداں	کامیاب مرعی خانہ
۸/-	مصنف	۴/-	دوشیزہ پاکستان	۲/-	جوشے خون	مغربیوں کی خوراک کا
۸/-	الطاف فاطمہ	۸/-	چشم بید	۵/۵۰	تیغ ابدالی	ایم مشکہ اور اس کا
۲/-	ہجر و وصال	۲/۵	تیرنگاہ	۵/-	فتح قسطنطنیہ	واضح حل
۲/-	از آزاد	۲/۵	صبا	۴/-	مدی	مرعی خانہ میں دولت
۵/-	مشاہیر اسلام	۴/-	حنا	۲/-	فتح مکہ	بطخ نیل اور دیگر
۵/-	موتنگے	۲/-	اشک دامت	۵/-	خونی سفر	پرنڈے
۵/-	آنخوش میں	۲/۵۰	فرنگن	۵/-	ذوال الحرا	طیب مویشی
۵/-	بچوں کی	۲/-	سوز عشق	۲/-	پاسبان حرم	کاتے بھینس یا
۵/-	نضیاتی ترمیم	۲/۵۰	آخری رات	۲/-	مغرب مجاہد	ٹویری نارمنگ
۱۰/-	قرآن و صاحب قرآن	۲/-	شام غریبان	۲/۵۰	مرد غازی	بھیڑبانی

دارالاسلام محمد نگر۔ قبال روڈ۔ لاہور (مغربی پاکستان)

مشاہدہ اسلام کے موت کے انوش میں

ابتداءً اسلام ایک زندہ تحریک تھی۔ اس تحریک کے علمبردار خدا کی ہستی پر کامل یقین رکھتے تھے۔ موت کے بعد ابدی زندگی کی صداقت پر ان کا ایمان تھا۔ شہر و نگر اور دوزخ و بہشت کو وہ دل سے مانتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ان کی زندگیاں مثالی تھیں۔ وہ اس ناپائیدار زندگی کی حقیقت کو خوب سمجھتے تھے۔ موت کا سچا نقشہ زندگی اور پھر پورے زندگی میں بھی ان کے قلب و ذہن پر ثبت رہتا تھا۔ اگر اسی تصور حیات کو ہم زندگی میں جاری و ساری رکھ سکیں تو شاید ہم سے بہت ہی کم غلطیاں سرزد ہوں اور موت کے وقت ہمیں زیادہ پریشان نہ ہونا پڑے۔

یہ کتاب اسی پاکیزہ جذبے کے پیش نظر مرتب کی گئی ہے تاکہ اس کے مطالعہ سے عموماً فکر کی نئی راہیں کھل سکیں۔ نا سمجھ انسان زندگی کے جگر میں پھنس کر دنیا کے دُور کی الجھنوں میں کھو کر رہ جاتا ہے۔ یہ نہایت ہی مفید کتاب ہے جس میں کھول دگی اور قارئین کی زندگی کی انتہا گہرائیوں کو پاسکیں گے۔ مشہور و نامور مصنف جناب عبدالرحمن اصلح طاب اللہ نے مشاہدہ اسلام کی زندگی کے اُس حصے پر بطور خاص روشنی ڈالی ہے۔ جب ان کی زندگی کے چراغ گل ہوئے تھے اس وقت کے احساسات و خیالات کو اس خوبی سے پیش کیا گیا ہے کہ قارئین اپنے حالات و ماحول سے ان کا تقابل کر کے اپنی زندگی کو بہتر اور پاکیزہ بنا سکیں۔

خواجہ بدرالسلام فروغی
ڈاکٹر کٹر دارالاسلام لاہور

اس سے
موت
منوان

DATA ENTERED

ہر نقطہ نگاہ
سے معیارِ زندگی بلند
کرنے کیلئے بید و لچپا اور
دیدِ زیبِ کتابیں خاص اہتمام سے
شائع کی جا رہی ہیں آپ
انہیں پہلی فرصت میں خرید کر
اپنی لائبریری کی زینت
بنائیں۔

انے محبوب
عظیم الشان ادارہ
”دارالعلوم“
لاہور
کی مستقل سرپرستی
فرمانا شائستہ ادب
کے ہر بھی خواہ کا
اولیں فرض ہے

بن سستی اور معیاری کتابیں شائع کرنے والا ادارہ

میری لائبریری - جیو ک سنار (انارکلی) لاہور -